ہم اپنی اس عظیم اشاعتی خدمت کو بطور

نذرانۂ عقیدت

اس ذاتِ گرامی کی بارگاہ اقدس میں پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتے ہیں جنکو دنیائے علم وسنیت

عمدۃ المتکلمین ممتاز الفقہاء محدث کبیر فاتح افریقہ جانشین حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ امجدیہ رضویہ مدینۃ العلماء گھوسی، ضلع مئو (یوپی) الہند (۲۷۵۳۰۴) کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔ اور ....

...... جن کے فیوض وبرکات سے آج ہزاروں تشنگانِ علم سیراب ہو رہے ہیں اور اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہیں۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

علاء المصطفیٰ قادری ——————— آلِ مصطفیٰ مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

تقریظ جلیل

محدثِ کبیر ممتاز الفقہاء علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بانی جامعہ امجدیہ

و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

"فتاوی رضویہ" کے بعد "فتاویٰ امجدیہ" سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالعموم فتاویٰ کی کتابیں، معتمد متون و شروح کے بعد شمار میں آتی ہیں۔ لیکن فتاویٰ رضویہ" کے بارے میں اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروح معتمدہ میں شمار ہونے کی امید ظاہر فرمائی اور ویسا ہی ہوا اسی طرح دریائے رضویہ سے جاری ہونے والی ایک عظیم نہر "فتاویٰ امجدیہ" کیلئے یہی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سوالات مستفتی کے جوابات ہونے کی بنا پر "فتاویٰ رضویہ" وغیرہ کو فتاویٰ کہا جاتا ہے ورنہ ابحاث اور تنقیح و ترجیح کے عمل کے پیش نظر شروح ہی کے زمرہ میں ان کا شمار ہونا ضروری ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کے عہد مبارک میں افتاء کا کام بحسن و خوبی انجام دیتے تھے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے انھیں تفقہ کی امتیازی سند عطا فرمائی اور منصب قضاء پر فائز کیا۔ مگر حضرت صدر الشریعہ نے اعلیحضرت کے عہد مبارک کے اپنے فتاویٰ کی نقول جمع فرمانے کیلئے آپکے کمال ادب کی بناء پر اعراض فرمایا۔ اعلیحضرت کی وفات شریف کے بعد، ربیع الاول ۱۳۴۰ھ سے آپ نے اپنے فتاویٰ کے جمع کرنے کا اہتمام برتا نقول فتاویٰ کی ایک جلد آپ کی حیات ہی میں کہیں ضائع ہو گئی تھی، اگر آج وہ فتاویٰ جن پر اعلیحضرت نے تصدیق یا نظر ثانی فرمائی تھی۔ اور ضائع شدہ جلد کے مواد موجود ہوتے تو آج فتاویٰ امجدیہ کی ایک اور شان ہوتی۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تدریس کا کام بہت ہی اخلاص و دیانت اور کامل توجہ سے انجام دیتے تھے۔ علمائے راسخین کی صفیں پیدا کرنا آپ ہی کا خاصہ تھا اور معتمد علما نے راسخین کی فوج آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ راہ عمل اس قدر سنگلاخ اور حوصلہ شکن ہے کہ آج کل ہزاروں درسگاہوں کے ہوتے ہوئے بھی صدر الشریعہ کے حاشیہ بردار کی ایک نظیر بھی پیدا نہ ہو سکی

ساتھ ہی ساتھ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتمد خاص اور صاحب فکر و تدبیر ہونے کی وجہ سے آپ پر امور مہمہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ جملہ معاصرین سے زائد تھا۔ اس کے باوجود بھی آپ کے علمی معمولات میں فرق نہ پڑتا۔ اسی لئے حضرت مولانا امجد رضا خانصاحب علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ صدر الشریعہ کاموں کی مشین ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ اپنے معمولات میں ذکر و فکر نیز اشغال ارباب طریقت کو بھی شامل رکھتے تھے۔ اصلاح عوام کی طرف بھی متوجہ رہتے تھے۔ مسائل شرعیہ پر عمل یا تبلیغ کرنے میں کبھی کسی خطرہ کی پرواہ نہ کرتے جس کی وجہ سے عوام و خواص سب پر آپکی ہیبت طاری رہتی۔ آپ کی سادگی سے رعب شاہی جھلکتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے بعد جملہ معاصرین میں آپ کی عبقری شخصیت کو مرکزیت حاصل تھی۔

آپ مستند طبیب حاذق صاحب دست شفا تھے۔ بمختصر عرصہ تک مطب کیا پھر دینی امور کے ہجوم کے سبب مطب چھوڑ دیا۔ گھر کے مریضوں کی تشخیص کا موقعہ بھی نہ ملتا تھا۔ مگر جب کوئی مریض علاج کو تنگ آجاتا تو زبانی طور پر دو تین پیسوں سے تیار ہونے والا نسخہ بتا دیتے اور بفضلہ تعالیٰ اسی سے شفا ہو جاتی۔ میں جب یہ سوچتا ہوں کہ گوناگوں ذمہ داریوں اور کثرت مشاغل کے بعد آپ کو فتویٰ نویسی کا موقعہ ہی کب ملتا ہوگا۔ اور "فتاویٰ امجدیہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ اس قدر تفقہ خیز، بصیرت انگیز، فتاویٰ مدت العمر محنت و جانفشانی کے بعد بھی آسانی سے نہیں لکھے جا سکتے۔ اس لئے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کی صلاحیتیں خداداد تھیں۔ اور دینی خدمات میں بے مثال کامیابی بھی ایک عطیۂ الٰہی تھا۔ پھر اعلیٰحضرت کی توجہ خاص نے آپ کو آپ کے معاصرین میں علم و فضل کا گوہر یکتا بنا دیا۔

اس وقت بحمدہ تعالیٰ فتاویٰ امجدیہ کی جلد ثالث آپ کے ہاتھوں میں پہونچنے والی ہے۔ ہمیں اس پر بے پناہ مسرت ہے۔ اپنے عنفوان شباب میں "فتاویٰ امجدیہ" اور حواشی طحاوی شریف پر کام شروع کیا تھا لیکن درس گاہی ذمہ داریوں اور جلسوں کی کثرت کی وجہ سے تسلسل نہ رہا۔ اور جو کچھ کیا تھا وہ بھی ضائع ہوگیا۔ انحطاط عمر کے ساتھ اب سفر کی مقدار بھی بڑھتی جارہی ہے، اس لئے یہ ذمہ داری فاضل نوجوان مولانا آل مصطفیٰ صاحب کو سونپ دی گئی۔ بفضلہ تعالیٰ پوری عرق ریزی کے ساتھ انھوں نے اپنی ذمہ داری نبھائی۔ رب قدیر انھیں سعادت دارین سے نوازے۔

کتاب کی تصحیح وتہذیب میں پوری احتیاط برتی گئی ہے پھر بھی اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے ہماری کوتاہی قرار دیں۔ حضور صدر الشریعہ کی شخصیت اُس سے پاک ہے۔

ضیاء المصطفیٰ قادری عفی عنہ
۷؍ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی
سرپرست مجلس شرعی وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلٰی آلہ وصحبہ

فتاویٰ امجدیہ کی دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں پہلی جلد جولائی ۱۹۷۹ء میں چھپی اور دوسری جلد تین سال نو مہینے کے بعد اپریل ۱۹۸۳ء میں چھپی۔ اللہ کا شکر ہے کہ دونوں جلدیں چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ بلکہ یہ دونوں جلدیں پاکستان میں بھی چھپیں اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں یہ دونوں جلدیں جناب مولانا مفتی عبدالمنان صاحب کلیمی زید مجدہم مفتی شہر مراد آباد کی خواہش پر میری نظر ثانی اور تعلیق کے ساتھ چھپیں پہلی جلد کی طباعت واشاعت کا سہرا انھی مفتی صاحب موصوف ہی کے سر ہے۔ البتہ دوسری جلد کی طباعت جناب مولانا علاء المصطفٰے صاحب ناظم جامعہ امجدیہ گھوسی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے اور اب بارہ سال آٹھ مہینے کے بعد تیسری جلد پریس جا رہی ہے اس تاخیر کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسودہ پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں ملتا تھا میں نزہۃ القاری کی تالیف میں پھنس گیا تھا لیکن ادھر آکر جناب مولانا مفتی آل مصطفٰے صاحب مفتی و مدرس جامعہ امجدیہ گھوسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس پر نظر ثانی کریں اور جہاں مناسب سمجھیں حواشی لکھ دیں ان حواشی میں سے کچھ کو میں نے سن لیا ہے اور کچھ کو محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفٰے صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے دیکھ لیا ہے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح

تیسری جلد پریس جارہی ہے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے مختصر مگر جامع احوال پہلی جلد کے شروع میں درج ہیں اور اب امسال ماہنامہ اشرفیہ نے حضرت پر بہت ضخیم نمبر شائع کردیا ہے جس میں حضرت سے متعلق بہت سی اہم باتیں آچکی ہیں اگرچہ ابھی بہت کچھ باقی ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت ایسی جامع تھی کہ اس پر جتنا بھی لکھا جائے پھر بھی باقی ہی رہ جائے گا

داماں نگہہ تنگ وگل حسن تو بسیار　　گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد
مجھے پینے دے پینے دے کہ تیرے جام لعلیں میں　ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور ہے باقی

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بلا واسطہ اکتساب فیض کرنے والوں میں حضرت صدر الشریعہ کا درجہ سب سے آگے ہے جس کی دلیل یہ ہیکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جب یہ ضرورت محسوس کی کہ پورے ہندوستان کا کوئی قاضی مقرر کیا جائے۔ تو نظر انتخاب حضرت صدر الشریعہ پر پڑی اور انھیں کو پورے ملک کا قاضی بنایا[1] علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت نے خود آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا[2] نیز اہم موقعوں پر آپ کو مخالفین سے مناظرہ کرنے کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ رنگون سے اطلاع آئی کہ دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی رنگون آئے ہوئے ہیں ان کی تقریریں ہو رہی ہیں۔ استدعا کی گئی تھی کہ ان سے مناظرہ کرنے کیلئے کسی کو بھیجئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت صدر الشریعہ کو بھیجا۔ آپ کا علمی رعب تھانوی صاحب پر اتنا تھا کہ حضرت صدر الشریعہ کی آمد کی خبر سنتے ہی تھانوی صاحب رنگون سے کلکتہ چلے آئے اور جب حضرت صدر الشریعہ رنگون سے کلکتہ آئے تو یہ اپنے وطن تھانہ بھون واپس ہو گئے کفی اللہ المومنین القتال۔

ہندوستان میں جب خلافت کمیٹی کا بھوت ہر مسلمان پر سوار تھا اور خلافت کمیٹی کے تمام لیڈر مسٹر گاندھی کے بندۂ بے دام بنے ہوئے تھے۔ خلافت کمیٹی کے لیڈر اتنے اندھے

[1] ماہنامہ استقامت مفتی اعظم نمبر مضمون حضرت برہان الملت - [2] الملفوظ حصہ اول ص ۹۳

بہرے ہو گئے تھے کہ گاندھی کو مذکر من اللہ اور نبی بالقوہ تک کہہ دیا حتی کہ فرنگی محل کے بقیۃ السلف جناب مولانا عبدالباری صاحب نے گاندھی کے بارے میں کہہ دیا کہ میرا حال تو اس شعر کے مطابق ہے

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت رفتی و نثار بت پرستی کردی

صرف ایک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات تھی جو ان فتنوں پر دار و گیر کر رہی تھی۔

خلافت کمیٹی کے ارباب حل وعقد نے بریلی میں خلافت کمیٹی کا بہت بڑا جلسہ رکھا اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پروفیسر دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کو بھی مدعو کیا حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پہلے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلسہ میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ضرور جائیے اور ساتھ میں مولوی امجد علی صاحب و مولوی نعیم الدین اور مولوی برہان الحق وغیرہ کو بھی لیتے جائیے۔ اس موقع پر حضرت صدرالشریعہ نے ستر سوالات مرتب فرمائے تھے۔ ان سوالات کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ دینی بصیرت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ سیاسی معلومات بھی کم نہیں تھیں۔ آپ بھی ایک سوال سن لیجئے۔

مسٹر ابوالکلام آزاد سے پوچھا گیا تھا کہ اگر آپ لوگوں کو سوراج مل جائے گا تو آپ تنہا اپنی حکومت بنائیں گے! یا اپنے ہندو بھائیوں کو لیکر بنائیں گے؟ تنہا آپ کی حکومت آپکے ہندو بھائی کب گوارہ کریں گے' لامحالہ حکومت مخلوط ہوگی اور فیصلہ ووٹ پر ہوگا اکثریت ان کی ہے لہٰذا وہ جو چاہیں گے کریں گے، احکام کفر کا نفاذ کریں گے اور آپ کچھ نہ کر پائیں گے یا یہ کہ آپ ایسا کریں گے کہ ہندوستان کا بٹوارہ کرائیں گے اقل قلیل آپ کا اور اکثر حصہ ان کا۔ جو اقل قلیل آپ کا ہوگا اس کے بارے میں میں ابھی کچھ نہیں کہتا۔ وقت آئے گا تو آپ بھی دیکھیں گے دنیا بھی دیکھے گی۔ اور جو اکثر ان کا ہوگا وہاں احکام کفر آپ کی مرضی سے جاری کئے جائیں گے۔ کیونکہ آپنے اپنی مرضی سے ان کو دیا ہے۔ پھر وہاں مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

ناظرین غور کریں۔ آج ہندوستان پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس متن کی شرح نہیں ہے؟ یہ سوالات جب مسٹر ابو الکلام کو دیئے گئے تو ان کے ہوش گم ہوگئے ان کو پڑھنے کے بعد جاتے جاتے یہ کہہ گئے کہ ہم ایسی غلطی کیوں کرتے ہیں جس پر اعتراض کا موقع ملے۔

مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا ہنگامہ رونما ہوا مسٹن روڈ کو سیدھی اور وسیع کرنے کے لئے مندر کو بچا کر مسجد کو ڈھانے کا حکم حکومت نے دیدیا۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی تو ان پر گولیاں برسا کر منتشر کر دیا گیا۔ لیکن جب پورے ملک کے مسلمان کفن بردوش ہو کر میدان میں آنے کیلئے تیار ہوگئے تو حکومت نے معاملہ ثالث کے سپرد کیا مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی ثالث بنائے گئے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نیچے سڑک رہے اور گورنمنٹ اوپر چھت ڈال دے۔ اس پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری" لکھا جس میں دلائل شرعیہ سے ثابت فرمایا کہ یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے جو جگہ مسجد ہوگئی تحت الثریٰ سے لیکر بیت المعمور تک مسجد ہے۔

اور حضرت صدر الشریعہ نے ان کی مصالحت کے رد میں "قامع الواہیات لجامع الجزئیات" تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ اس حصہ میں مطبوع ہے۔ ناظرین مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کتنی دقیق اور معلومات کتنی وسیع اور گرفت کتنی سخت ہے۔ اس وقت سوانح لکھنا مقصود نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے تبحر علمی کا تھوڑا سا جلوہ دکھانا مقصود ہے۔ فتاویٰ کی جلدیں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ پڑھ کر آپ خود میرے حرف حرف کی تصدیق کریں گے۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میرے مرشد برحق حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ کی تیسری جلد شائع ہو رہی ہے حضرت کے جتنے فتاویٰ رجسٹر میں درج تھے سب میں نے حرف بہ حرف پڑھ کر حضرت کو سنایا ہے اور حضرت کے فرمان کے مطابق ہر مسئلہ پر کتاب و باب لکھ دیا تھا۔ اب اسے بڑی عرق ریزی سے اور جانفشانی سے جناب

مولانا مفتی آل مصطفٰے سلمہ چھپوا رہے ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ عزیز سعید جناب مولانا علاء المصطفٰے صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ کے لئے بھی دعا گو ہوں کہ اصل میں یہ سب کچھ انھیں کی کاوشوں کا ثمرہ ہے ۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ان دونوں عزیزوں کو دارین میں اسکا بہترین صلہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔

ضروری تصحیح

۱:۔ فتاویٰ امجدیہ کے صفحہ ۱۴ پر تعلیق میں مکوک کی مقدار فتاویٰ رضویہ جلد اول کے حوالے سے ڈیڑھ صاع لکھی ہوئی ہے ۔ فتاویٰ رضویہ میں ایک قول یہی ہے اور یہی پہلے ہے مگر چند سطر بعد یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہاں مکوک سے مُد مراد ہے ۔ جیساکہ خود انھیں کی دیگر روایات میں تصریح ہے۔ اور مُد چوتھائی صاع کو کہتے ہیں جیساکہ خود فتاویٰ رضویہ میں اس مسئلہ کے شروع میں ہے۔ "صاع ایک پیمانہ ہے چار مُد کا" ۔ ناظرین اس کی تصحیح کرلیں ۔

۲:۔ فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص۸۵ پر یہ مسئلہ مذکور ہے ۔ "عورتوں کو بھی سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں لگانا چاہئے' اس حکم میں عورتوں کا استثنار میری نظر سے نہیں گذرا ہے"۔ یہ صحیح ہے کہ صراحۃً عورتوں کا استثنار کہیں مذکور نہیں ۔ لیکن عورتوں کے سجدہ کی جو خصوصیتیں ذکر کی گئی ہیں ان سے ان کا استثنار ظاہر ہے ۔ بہار شریعت حصہ سوم ص۸۳ پر ہے ۔ "عورت سمٹ کر سجدہ کرے یعنی بازو کروٹوں سے ملائے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے ' عالمگیری وغیرہ" ۔

جب عورت کیلئے ضروری ہوا ۔ کہ سجدے میں پنڈلیاں زمین سے ملائے تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اس کے انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگیں اور ان کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ کیونکہ اس کیلئے ضروری ہو گا کہ دونوں پاؤں کھڑا کرے ۔ اور دونوں پاؤں کھڑا کرنے کے بعد پنڈلیاں زمین سے لگی ہوئی نہیں رہیں گی ۔ اس لئے اس مسئلہ سے ظاہر ہو گیا کہ عورتیں حکم مذکور سے مستثنیٰ ہیں ۔

محمد شریف الحق امجدی
۱۲ رجب ۱۴۱۶ھ
۶ دسمبر ۱۹۹۵ء

تقدیم

حضرت مولانا آل مصطفےٰ صاحب مصباحی

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

باسمہٖ تعالیٰ وحدہٗ

چودہویں صدی ہجری کے نصف اخیر کے بعد ارباب فکر و فن اور اصحاب علم و قلم نے جب بھی مدینۃ العلماء گھوسی کی علمی و فنی قدروں کا جائزہ لیا ہے۔ تو فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ایک متبحر عالم اور عدیم المثال فقیہ کی حیثیت سے ضرور ابھر کر سامنے آئی ہے ــ یوں ـ تو ان کے صحیفۂ حیات کے تمامتر ابواب تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن ـ ان کا باب تفقہ تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ایسی غیر معمولی کشش اور ندرت رکھتا ہے، جسے دیکھ کر ارباب علم و نظر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں اور انھیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ یقیناً "فقیہ اعظم ہند" ــ اور ــ "صدر الشریعہ" تھے ــ

ماضی قریب میں دبستانِ فقہ کے جن اساطین نے فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت میں گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے ــ بلکہ یوں کہہ لیجئے ـ کہ ـ برصغیر میں قصر فقہ کے در و دیوار کو قائم و مستحکم رکھنے میں جن شخصیتوں نے اہم رول ادا کیا ہے، ان میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد انھیں کی بارگاہ علم و فن کے تربیت یافتہ "فقیہ اعظم ہند" علامہ حکیم امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست نظر آتا ہے ــ نہ صرف برصغیر ہند و پاک بلکہ تقریباً پورے عالم اسلام میں ان کی ناقابل فراموش فقہی یادگار

کو تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور پورے اعتماد کے ساتھ اسے پڑھا جاتا اور اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کی فقاہت کو سمجھنے کے لئے اس بات کی وضاحت مناسب سمجھتا ہوں۔کہ۔فقہ کس چیز کا نام ہے؟ اور ایک فقیہ کے لئے کس اتقان واستحضار علمی وفنی استعداد ومہارت۔اور۔وسیع النظری وژرف نگاہی کی ضرورت پڑتی ہے۔تاکہ اس کی روشنی میں حضرت صدر الشریعہ کی فقاہت کو سمجھا جا سکے اس تعلق سے اپنوں اور غیروں کے مسلم فقیہ، مجدد دین وملت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے الفاظ میں فقہ کی جامع تشریح ملاحظہ فرمائیے:۔آپ اپنے رسالہ" ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری" میں رقم فرماتے ہیں:۔

"فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درایات غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسیر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام وفہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے اور حقیقتاً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے

قلب میں القا فرماتا ہے وما یلقٰھا الا الذین صبروا وما یلقٰھا الا ذوحظ عظیم"[1]

فقہ و افتاء کے اصول کی روشنی میں اگر مذکورہ بالا اقتباس کی توضیح و تشریح کی جائے تو ایک طویل مقالہ تیار ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ علم فقہ اپنے اندر بے پناہ گہرائی و گیرائی اور وسعت و جامعیت رکھتا ہے۔ ہر کس و ناکس کا کام نہیں کہ وہ فقیہ بن جائے۔ فقیہ ہونے کے لئے مذکورہ بالا تیس بنیادی امور سے کما حقہٗ واقفیت ضروری ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے ہے۔ اللہ عزوجل جس بندہ پر اپنا خاص فضل فرماتا ہے، اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ایک طرف امام اہلسنت کا مذکورہ بالا اقتباس سامنے رکھئے۔ دوسری طرف حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی فقاہت کے تعلق سے مجدد موصوف کا یہ ارشاد و تاثر بھی ملاحظہ فرمائیے

> آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پائیے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے۔ طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔"[2]

نکتہ رس اہل علم اگر فقہی و اصولی رخ سے ان دونوں اقتباسات پر غور و فکر فرمائیں تو حضرت صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت کا بھرپور اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہیں تک محدود نہیں۔ بلکہ مجدد اعظم کا موصوف کو منصب قضا پر مامور فرمانا اور آپ کے فیصلے کو ایک قاضی اسلام کے فیصلے کی حیثیت دینا اس پر مستزاد ہے۔ ہزارہا دینی مشغولیات کے باوجود سترہ جلدوں پر مشتمل (فقہی انسائیکلوپیڈیا) بہار شریعت، کم و بیش ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل مجموعۂ فتاویٰ

[1] ماہنامہ التواری ص ۱۴۔ [2] الملفوظ حصہ اول ص ۹۳۔

فتاویٰ امجدیہ"۔ مسجد کانپور سے متعلق عربی رسالہ "قامع الواھیات من جامع الجزئیات" تحریک خلافت اور ترک موالات کے موضوع پر "اتمام حجت تامہ" وغیرہا کتب و رسائل ان کے تجرِ علمی" وسعت نظری اور فقہی مہارت و ممارست پر شاہد عدل ہیں۔

موصوف کے دیگر علمی و دینی کارنامے بھی بڑی تفصیل کے طالب ہیں۔ اختصار کے ساتھ یوں سمجھئے کہ۔ علم و فن کے اس تاجدار نے اپنی پوری زندگی علوم اسلامیہ کی ترویج میں صرف کردی ہے۔ اور سیکڑوں افراد و اشخاص کو علم و یقین سے آراستہ کرکے خدمت دین جیسے پاکیزہ کاز میں مصروف فرمادیا ہے۔ فقہ و قانون کی روشنی میں فتاویٰ صادر کرنا اور مسند تدریس پر جلوہ گر ہوکر تلامذہ کو رمز شریعت سے آشنا کرنا ان کی زندگی کا ایک حصہ تھا۔ ان کے علاوہ ایسے گرانقدر کارنامے بھی موصوف کی زندگی میں ملتے ہیں جو ایک عامی یا سرسری نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں بھلے ہی غیر اہم ہوں لیکن درحقیقت تصنیف و تالیف جیسی اہم خدمات سے وہ کم نہیں۔ حضور صدرالشریعہ نے اپنی تمام تر مصروفیتوں کے باوجود بہت سے ایسے گرانقدر دینی و علمی رسائل اپنے اہتمام میں شائع کئے ہیں جو قوم و ملت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں خصوصًا مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے کتب و رسائل کی اشاعت کا آپ کے اندر غیر معمولی جذبہ و ولولہ تھا ——— خود فقیر کی نظر سے تیس ایسے کتب و رسائل گذرے ہیں جن کو حضور صدرالشریعہ نے آپنے اہتمام میں شائع کیا ہے ——— میرا خیال ہیکہ اگر موصوف کی نظر اس بنیادی کام کی طرف نہ گئی ہوتی تو امام اہلسنت کے بعض دیگر رسائل کی طرح یہ رسائل بھی یا تو دیمک کی نذر ہو چکے ہوتے ——— یا پھر خزاں کا دست ستم انھیں اپنے شکنجہ میں لے چکا ہوتا ———

ان اہم مصروفیات و مشغولیات کے باوجود فتاویٰ کب تحریر فرماتے؟ کہنا مشکل ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی بندہ سے کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے وقت میں برکت کے ساتھ ساتھ اسباب و وسائل بھی پیدا فرمادیتا ہے۔

ان زندہ جاوید کارناموں اور ناقابل فراموش یادگاروں کی وجہ سے مجھے یہ کہنے میں مطلق تأمل نہیں۔ کہ۔ اگر مستقبل میں کسی مورخ نے برصغیر کے خادمانِ فقہ وحدیث کی کوئی تاریخ مرتب کی۔ تو۔ حضرت صدر الشریعہ سے صرف نظر کر کے وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے گا۔ بصورت دیگر اس کی تاریخ مکمل نہیں کہی جا سکے گی۔۔۔۔ حضرت ممدوح کے فتاوٰی کی صحیح تعداد کیا ہے؟ آپ نے کتنے فتاوٰی تحریر فرمائے؟ اس کے اجمالی جواب کے لئے موصوف کے جانشین، استاذ گرامی محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفٰی قادری مدظلہ العالی کا یہ بیان پڑھئے۔

> حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کے فتاوٰی کی صحیح تعداد کیا ہے، کسی کو معلوم نہیں۔ زیادہ تر آپ کی فرصت کے اوقات بھی علمی سوال وجواب اور دینی تربیت ہی میں صرف ہوتے، روزانہ زبانی طور پر پچاسوں مسائل عوام وخواص معلوم کرتے تھے لیکن کسی نے ان کو قلمبند کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ورنہ ہمارے پاس دینی معلومات کا شاندار ذخیرہ ہوتا۔ تحریری فتاوٰی کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس آپ کے فتاوٰی کی جو نقول ہیں وہ ۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ سے شروع ہوتی ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلٰی حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں آپ نے منصب افتاء پر جو کچھ کارنامے انجام دیئے ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب کاغذ ناپید ہو رہا تھا اس دور میں بھی کاغذ نہ ہونے کی بنا پر بیشتر فتاوٰی کی نقول تیار نہ ہو سکیں۔ یعنی ہمارے پاس "فتاوٰی امجدیہ" کی جو نقول ہیں انھیں حضرت صدر الشریعہ کے تمام فتاوٰی کا مجموعہ کسی طرح نہیں قرار دیا جا سکتا۔" ؎

اس ناقابل تردید انکشاف کے بعد افسوس اور مایوسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دل کی یہ حسرت زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ اے کاش! فقہ وافتاء کے اس

؎ مقدمہ فتاوٰی امجدیہ جلد اول

ماہر اور علوم و معارف کے اس حامل و امین کے تمام فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ کیا گیا ہوتا۔ تو یقیناً اہل علم خصوصاً ارباب افتاء کے لئے عظیم سرمایہ ہوتا۔ پھر۔ بھی آپ کے فتاویٰ کا وہ حصہ جو دست بُرد زمانہ سے محفوظ رہ سکا تھا۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۷۹ء اور دوسری جلد ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آچکی ہے۔۔ اور۔ اب تقریباً تیرہ سال بعد اس کی تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فتاویٰ امجدیہ سوم کی ترتیب و تعلیق

فتاویٰ کی ترتیب و تعلیق کا کام بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن۔ درحقیقت یہ کتنا مشکل کام ہے؟ اور کتنی محنت و کاوش کا طالب ہے؟ کچھ وہی محسوس کر سکتے ہیں جو اس راہ کے آشنا ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی اور فیروزمندی ہے کہ استاذ گرامی محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری دامت فیوضہم نے یہ کام میرے سپرد فرمایا۔ اپنی علمی کم مائیگی کی بنا پر اس عظیم کام کی تکمیل کی قدرت میں اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ لیکن۔ حضرت صدر الشریعہ کے علمی فیوض کا ایک ادنیٰ خوشہ چیں ہونے کے ناطے مجھے یہ اطمینان ضرور تھا۔ کہ۔ جو ذات اپنی ظاہری و باطنی زندگی میں ہزاروں افراد کو اپنے فیوض و برکات اور علم و یقین کے چشمے سے سیراب کرتی رہی۔ وہ۔ اپنے در کے ایک غلام اور عقیدت کیش کو اپنے علمی و روحانی فیض سے کیوں کر محروم کرے گی؟ اسی غیر متزلزل یقین نے مجھے حوصلہ بخشا۔ اور میں نے کام شروع کر دیا۔۔ بظاہر مصروفیات بہت تھیں۔ درس و تدریس کی ذمہ داری، دار الافتاء میں آنے والے استفتوں کے جوابات، فقہی و غیر فقہی سیمیناروں میں مقالوں کے ساتھ شرکت اور دیگر خارجی امور۔۔ انھیں مصروفیتوں سے وقت نکال کر فتاویٰ امجدیہ کا کام کرتا۔ مکرمی حضرت مولانا عبد المنان صاحب کلیمی نے چوں کہ اس کا مبیضہ کر دیا تھا۔ اسلئے بہت حد تک آسانی پیدا ہوگئی۔ سب سے پہلے مبیضہ کا اصل مسودہ سے مقابلہ کیا۔ پھر۔ فقہی عبارتوں اور حدیثوں کی تخریج کا کام شروع کیا۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عبارتوں اور حدیثوں کا اصل کتاب سے مقابلہ کر لیا جائے۔ تاکہ۔ نقل میں جو خامی یا غلطی رہ گئی ہے وہ دور ہو جائے۔ چند ابواب تک یہ کام پابندی سے ہوا۔ لیکن۔ وقت کی

قلت دامن گیر تھی ۔اور۔ تخریج میں وقت کا صرفہ زیادہ ۔ اس لئے بعد کے ابواب میں صرف ضروری حد تک حوالہ جات پر اکتفا کیا ـــــ جہاں جہاں مناسب سمجھا حاشیہ لکھا ۔ اور اپنے دو کرم فرما اساتذہ (فقیہ عصر علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی ' اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب قادری مدظلہما العالی) سے ان کی قطعی صحت اور اصلاح کا کام لیا ۔ فتاوی کی مستقل کتابت کے لئے کاتب تلاش کیا گیا ۔ مگر۔ گھوسی کے قرب وجوار کا کوئی کاتب تیار نہ ہوا ۔ دیوریا کے ایک کاتب سے مستقل کتابت کے لئے بات چیت کی ۔ مگر صرف "کتاب الوقف" کی کتابت کرکے وہ ایک ہفتہ کی فرصت ۔لے کر گھر گیا ۔ تو سال بھر سے زائد کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی آج تک وہ لاپتہ ہی رہا ـــ کچھ دنوں تک کتابت کا کام بند رہا ۔ پھر ۔ اودری کے رہنے والے ایک دیوبندی نو آموز کاتب سے مستقل کتابت کے لئے معاملہ طے ہوا ۔ کام تو اس نے تسلسل کے ساتھ کیا ۔ مگر اپنی فکری واعتقادی عصبیت کی بنا پر ان فتاوی کی کتابت کا کام روک دیا ' جو دیوبندی وہابی مکتب فکر سے متعلق تھے ' پھر اودری ہی کے ایک سنی کاتب سے رابطہ کرکے ان فتاوی کی کتابت مکمل کروائی ـ بالآخر گوناگوں دشواریوں کے بعد سال رواں وسط شعبان تک فتاوی کی کتابت کا کام مکمل ہوگیا ۔ پروف ریڈنگ بھی خود ہی کرنی پڑی ۔ کتابت میں کافی غلطیاں تھیں ۔ جن کی تصحیح میں خاصہ وقت صرف ہوا ۔ بہر صورت کتاب رمضان ہی میں پریس بھیجنی تھی ۔ مگر۔ فہرست کا کام باقی رہ گیا تھا ۔ ادھر رمضان کی تعطیل ہوگئی ۔ ارادہ تھا کہ تعطیل کلاں میں کچھ دنوں مدرسہ رہ کر کام مکمل کردوں لیکن کچھ اہم ضرورتوں اور مجبوریوں کے تحت تمام کاغذات لے کر گھر آگیا ۔ خداوند کریم کے فضل سے کام تو پورا ہوگیا ۔ مگر دشواری زیادہ ہوتی ۔ کیونکہ میرا گھر کٹیہار کے ایک ایسے دیہی علاقے میں واقع ہے ' جہاں بجلی کا کوئی نظم نہیں ۔ اور دیگر سہولیات بھی کم میسر ـــــ ابواب کی ترتیب فقہی کا لحاظ رکھا گیا ہے ـــ البتہ کتابت کی غلطی سے بعض کم مسائل والے ابواب میں ترتیب قدرے بدل گئی ہے ـــــ دشواری کی وجہ سے اسے اپنی حالت پر باقی رکھا گیا ہے ۔ بہرحال ان دشوار مراحل سے گزرکر

کتاب، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ غلطیوں کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کہیں کوئی خامی یا غلطی رہ گئی ہو۔ تو۔ وہ یا تو کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ یا میری علمی کم مائیگی کا۔ حضرت صدرالشریعہ کا دامن اس سے بے غبار ہے۔ غلطی نظر آئے تو آپ مجھے مطلع فرمائیں۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

اس جلد میں "کتاب الوقف" سے لیکر "کتاب الفرائض" تک چھوٹے بڑے چوبیس ابواب ہیں۔ جو تین سو نواسی صفحات پر مشتمل ہیں۔ "کتاب الوقف" کے ساتھ رسالہ "قامع الواہیات من جامع الجزئیات" بھی شامل اشاعت ہے۔ یہ رسالہ "ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری" کے ساتھ ۱۳۳۱ھ میں طبع ہو چکا تھا ــــ ارادہ تھا کہ رسالہ کا اردو ترجمہ یا خلاصہ تحریر کر دیا جائے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے یہ کام نامکمل رہا ــــ ہر باب سے متعلق فتاوی آپ پڑھتے جائیے اور فقیہہ اعظم ہند کی جودتِ فکر و نظر، تحقیق و تدقیق اور فقہی باریکیوں کا نظارہ کرتے جائیے ــــــ طوالت سے بچتے ہوئے ذیل میں صرف ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مولوی عبدالعظیم صاحب نے ۱۳۵۰ھ میں ایک استفتاء حضرت صدرالشریعہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جس میں موصوف نے فقہی عبارتوں کی روشنی میں "قربانی" کے تعلق سے ایک اشکال کا حل دریافت کیا تھا۔ اشکال بظاہر اہم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ردالمحتار میں علامہ شامی اور بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی علیہم الرحمہ کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ۔ ایام نحر سے پہلے جانور کو بہ نیت قربانی خرید لینے، یا قربانی کی نیت سے جانور خرید کر پالنے، یا خانہ زاد جانور میں مہینوں پیشتر قربانی کی نیت کر لینے سے نذر کا تحقق ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ۔ ان صورتوں میں قربانی کی نیت کر کے جانور معین کر لیا گیا۔ چنانچہ۔ علامہ شامی نے بدائع الصنائع کی عبارت ــــ أو قال جعلت هذه الشاة أضحية۔ کے متعلق فرمایا ہے ــــ وقد یستفید منه أن الجعل المذکور نذر ــــ لہٰذا۔ لازم کہ مذکورہ بالا صورتوں میں مالداروں پر یا ان غریبوں پر جو ایام نحر میں مالدار ہو گئے بہ سبب غنی دوسری قربانی بھی واجب ہو جائے ــــ

ایسی صورت میں شاید ہی کوئی شخص فریضۂ اُضحیہ سے سبکدوش ہو سکے گا ۔کیوں کہ۔ عموماً جانور پہلے ہی خرید کر معین کر دیتے ہیں ۔ اور اگر معین نہ کریں یا ایام نحر سے پہلے نہ خریدیں جب بھی سخت مشکل ہے کہ آخر ذبح یا نحر سے پہلے ضرور ہے کہ جانور کو معین کرے گا کہ یہ جانور قربانی کروں گا ؟ ۔

حضرت فقیہ اعظم نے مذکورہ استفتاء کا قدرے تفصیل سے جواب دیا ہے ۔ اختصار کے ساتھ جواب پڑھئے اور فقہ میں ان کی دقت نظر کا اندازہ کیجئے ۔آپ ارشاد فرماتے ہیں ۔

عبارت بدائع وعلامہ شامی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہیکہ قربانی کی نذر درست ہے ۔ لہٰذا اگر کسی نے قربانی کی منت مانی ، تو اس منت کی بنا پر اس پر قربانی واجب ہو جائیگی پھر اگر یہ منت ایام نحر میں ہے اور وہ شخص فقیر ہے تو فقط یہی نذر والی قربانی واجب ہوگی ۔ اور غنی ہے تو اس کے علاوہ ایک دوسری قربانی بھی جو ایجاب شرع سے واجب تھی ، واجب ہوگی ، اور اگر ایام نحر میں صیغۂ نذر بولا اور نیت خبر ہے تو نذر نہیں اور نیت نذر ہے یا کچھ نیت نہ ہو تو نذر ہے ، اور اگر ایام نحر سے پہلے ایسا صیغہ بولا یا وقت تلفظ فقیر تھا پھر مالدار ہو گیا تو نذر ہی ہے کہ ان صورتوں میں خبر کی نیت کرے بھی تو صحیح نہیں ، بدائع الصنائع کا یہ قول کہ جعلت هٰذه الشاة ضحیۃ صیغہ نذر ہے ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اس کو اضحیہ کر دیا ، اور یہ کہ قربانی کر دیا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب بعد قربانی یہ الفاظ بولے جائیں اور جب قربانی سے پہلے تلفظ کیا تو خبر دینا صحیح نہ ہوا لہٰذا اگر یہ لفظ غنی نے ایام نحر میں کہے اور نیت اس واجب ، سے خبر دینے کی ہے جو جانب شرع سے ہے تو نیت صحیح ہے اور صیغہ نذر نہ ہوگا اور اگر ایام نحر سے قبل کہے یا فقیر نے یہ لفظ کہے تو ایجاب شرع موجود نہیں لہٰذا ایجاب عبد مراد ہوگا ۔"

پھر مزید اپنی تحقیق پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تم اقول یہ تقریر اس بنا پر ہے کہ تمام الفاظ نذر کے لئے علامہ شامی وصاحب بدائع کا ایک ہی حکم ہو کہ ایام نحر میں اخبار کی نیت صحیح ہے اور غیر ایام نحر میں نذر کیلئے متعین ہیں یعنی جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ بھی اسی حکم میں داخل ہو۔ مگر۔ اس فقیر کا خیال ہے کہ جعلت ہذہ الخ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور دیگر الفاظ نذر مثلاً للہ ان اضحی۔ وغیرہ جو ایجاب شرع سے اخبار کا احتمال رکھتے ہیں' ان کا یہ حکم ہے۔ اور جعلت الخ اخبار عن ایجاب الشرع کا محتمل نہیں کہ اس جعل کو متکلم اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ پھر ایجاب شرع سے یہ کیوں کر اخبار ہوگا۔"

اس تمہید کے بعد سوال کا واضح جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ان الفاظ سے جو سوال میں ہیں کہ قربانی کے لئے خریدا ہے یا رکھا ہے یا اس کی قربانی کروں گا یا اس قسم کے دیگر الفاظ سے نذر نہیں ہوگی۔ اور ان لوگوں پر دوسری قربانی واجب نہ ہوگی۔ کہ یہ الفاظ جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ کے معنی میں نہیں۔ ان الفاظ سے یہ خبر دیتا ہے کہ ایام نحر میں اس کی قربانی کروں گا اس ارادہ کا اظہار ہے یا خریدنے کی غایت و مقصد کا بیان ہے نہ یہ کہ اپنے ذمہ واجب کرنے سے اخبار یا انشاء..... میں نے اس کو اضحیہ کر دیا انشاء ہے اور اس سے نذر ہو جائیگی۔ اور قربانی کروں گا ارادہ کی خبر ہے یہ نذر نہیں۔"

اسی ایک مسئلہ میں موصوف کے استدلال و استناد' تحقیق و تدقیق اور فقہی بصیرت کے بیشمار جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ فتاویٰ پڑھتے

وقت آپ کو خود ہی احساس ہوگا ۔ کہ ۔ حضرت ممدوح کو فقہ کے اصول و مبادی، اسالیب واصطلاحات اور نکات و مصرات پر کتنی دسترس حاصل تھی ۔

۲ر ذوقعدہ ۱۳۶۷ھ کو علم وفن کا یہ تاجدار ہماری ظاہری نگاہوں سے روپوش ہوگیا ۔

ع آسماں ان کی لحد پر گوہر افشانی کرے

کتاب کی ترتیب وتعلیق اور اس کی اشاعت میں ہمارے جن اساتذہ کرام نے رہبری فرمائی ہے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں ۔ خصوصیت کے ساتھ فقیہ عصر علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی و محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری اور ادیب شہیر علامہ محمد احمد مصباحی دامت فیوضہم کے، جن کے مفید مشورے فقیر کے دینی کاموں کی تکمیل کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں ۔ مولیٰ تعالیٰ ہمارے ان اساتذۂ کرام کا سایۂ عاطفت دراز فرمائے ۔ آمین

تلامذہ میں مولوی قمر الہدیٰ، صغیر احمد، نثار احمد، نور عالم اور مبشر رضا سلمہم کیلئے دعاگو ہوں جن لوگوں نے فتاویٰ امجدیہ کے کام کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا ہے ۔ اللہ عزوجل ان کو ان کے خلوص ومحبت کا بہتر صلہ عطا فرمائے ۔ فتاویٰ کی ترتیب وتعلیق سے فقیر کا مقصود صرف یہ ہے ۔ کہ ۔ فقہی معلومات میں اضافہ ہو اور یہ کتاب میرے لئے نجات آخرت کا باعث بنے ۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کے صدقہ وطفیل ہمارے حوصلوں میں بلندی و پختگی اور عزائم میں استحکام وثبات عطا فرمائے ۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

خاک پائے بزرگاں
آل مصطفیٰ مصباحی

خادم تدریس وافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ
۲۵ر جنوری ۱۹۹۶ء

حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری

ہمیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ فتاویٰ امجدیہ کی پہلی اور دوسری جلد کے بعد تیسری اور چوتھی جلد کو بہت پہلے منظر عام پر آجانا چاہئے تھا۔ لیکن اس غیر معمولی تاخیر میں ہماری کوتاہیوں سے زیادہ فتاویٰ کی ترتیب وتعلیق اور طباعت واشاعت جیسے دشوار گذار مراحل کا دخل ہے، صرف طباعت واشاعت کا مرحلہ ہوتا تو یقیناً کسی نہ کسی طرح کتاب منظر عام پر آچکی ہوتی۔ لیکن اس میں خاصا کام باقی رہ گیا تھا۔ محب مکرم حضرت مولانا عبدالمنان صاحب کلیمی نے مبیضہ کر دیا تھا۔ اسلئے بہت حد تک کام میں آسانی پیدا ہوگئی۔ لیکن فتاویٰ کی ازسرنو ترتیب، فقہی عبارتوں کا اصل کتاب سے مقابلہ، اور پھر ضروری حواشی وغیرہ یہ ایسے دشوار گذار امور تھے۔ جن کیلئے مولانا موصوف کے چلے جانے کے بعد کسی ایسے محنتی شخص کی ضرورت تھی۔ جو ان کو پوری لگن کے ساتھ انجام دے۔ اِدھر کوئی دو سال قبل والد گرامی قدر محدثِ کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ نے محبی مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی استاذ و مفتی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا۔ بحمدہ تعالیٰ موصوف نے کس عرق ریزی اور محنت وجانفشانی سے کام انجام دیا ہے یہ سب آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔

فتاویٰ امجدیہ جلد سوم کے تاخیر کے ساتھ منظر عام پر آنے کیوجہ سے ہمیں انتہائی افسوس وندامت ہے لیکن خوشی اس بات کی ہیکہ تاخیر ہی سے سہی لیکن آج ہم فقہ حنفی کی ایک جامع ومستند کتاب فتاویٰ امجدیہ جلد سوم کی زیارت اور مطالعہ سے مستفید ہو رہے ہیں۔ فتاویٰ امجدیہ کی جامعیت اور اسکی معنوی خوبیوں

اور فقہی محاسن کے تعلق سے ہمیں کچھ کہنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں، جس نے بھی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب فتاوٰی رضویہ کا مطالعہ کیا ہوگا وہ فتاوٰی امجدیہ" کے پڑھنے کے بعد بلاشبہ یہی رائے قائم فرمائیں گے کہ فتاوٰی امجدیہ دلائل ومسائل کے اعتبار سے فتاوٰی رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

ہمارے پاس ہند و پاک کے مختلف مقامات سے فتاوٰی امجدیہ کیلئے بے شمار خطوط آتے رہے۔ لیکن دشواری یہ رہی کہ جلد اوّل اور جلد دوم پہلی بار طبع ہوکر ختم ہوچکی تھی۔ الحمدللہ اب تیسری جلد کیساتھ جلد اوّل کی طباعت کا بھی اہتمام کیا جاچکا ہے۔ ہم ارباب علم وفضل سے اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ خود کتاب خریدیئے پڑھیئے اور اپنے دوستوں کو بھی اسکی ترغیب دیجئے تاکہ دائرۃ المعارف الامجدیہ کے پاس سرمایہ اکٹھا ہو اور اس طرح کی نادر کتابوں کی طباعت واشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔

اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں بے پناہ خوشی محسوس ہورہی ہے کہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۶ء کو فقیہ اعظم ہند حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان پر جو کامیاب علمی وادبی سیمینار منعقد ہوا تھا اور جسمیں ارباب علم وفضل کے گراں قدر مقالات موصول ہوئے تھے۔ سالِ گذشتہ ماہ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں ماہنامہ اشرفیہ نے صدرالشریعہ نمبر نکال کر ان مقالات کو شائع کردیا ہے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت کے تعارف کیلئے اگرچہ مزید پائیدار کام کرنے کی ضرورت ہے تاہم یہ مقالے موصوف کی سوانح حیات پر تحقیقی کام کرنے کیلئے راہ نما خطوط ہیں۔

انشاءاللہ فتاوٰی امجدیہ جلد چہارم کے بعد "حیاتِ امجد" کی ترتیب کا کام بھی شروع کردیا جائے گا اور حاشیہ طحاوی شریف کی تصحیح وتکمیل کا بھی۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عزم واستقلال کی دولتِ لازوال سے سرفراز فرمائے، ہم سب دین کی خدمت لے، غیب سے ہماری مدد فرمائے اور ہمارے مخلصین ومعاونین کو جزاء خیر دے۔ محب مکرم مولانا آل مصطفٰے صاحب مصباحی کا میں شکرگذار ہوں جن کی مساعیٔ جمیلہ کے نتیجہ میں علم فقہ کا یہ حسین گلدستہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کے بعد جلد چہارم جلد ہی منظر عام پر آجائے گی۔ ہم آپ حضرات کی توجہ خاص کے محتاج ہیں۔

علاء المصطفٰے قادری مدیر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی۔

۱۵ ر شوال المکرم ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

کتاب الوقف

وقف کا بیان

مسئلہ :- مسئولہ مختار احمد صاحب۔ محلہ ذخیرہ۔ ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی آراضی ملکیت میں عمارت کی دیوار پشت مسجد سے ملی ہوئی تھی وہ منہدم ہو گئی لیکن اس دیوار کی قدیمی بنیادیں قائم تھیں۔ اب زید انھیں بنیادوں پر بغرض بندش پردہ دیوار بنانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اہل محلہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ بیشتر یہاں دیوار تھی جو مسجد سے ملی ہوئی تھی اور اب گر گئی ہو دوبارہ اسے بنوانا چاہتے ہیں لہٰذا اسکی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ سائل اس دیوار کو پھر بنوا سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- مسئولہ جناب عبدالعزیز صاحب ممبر رضائے مصطفٰی فتحپور۔ ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگلپور ۱۵ جمادی الآخرہ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ایسی آراضی پر جسکو مالک آراضی سے بندوبست بوعدہ ادائے مالگذاری کے سالانہ کے لیا گیا ہو مدرسہ بنوایا جائے مگر بعد میں منتظمین مدرسہ اس اراضی کو

بلا رضامندی مالک کے وقف قرار دینا چاہتے ہوں تو ایسا وقف شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں وقف میں مالک کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ (۲): اگر منتظمین مدرسہ اراضی مذکورہ بالا کو بلا لحاظ منظوری مالک کے وقف قرار دیں تو ایسا وقف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب (۱ و ۲): جب تک مالک زمین وقف نہ کرے وقف نہیں ہو سکتا اور اسکو وقف قرار دینا شرعاً باطل ہے والامر جلی لمن له ادنیٰ ممارسة فی العلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از بنگالہ۔ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

ایک مسجد تقریباً چالیس برس سے بنی ہے اور اس میں اہل محلہ اتفاق سے نماز جمعہ ادا کرتے آرہے ہیں اس مسجد کی احاطہ کی زمین طولاً باون ہاتھ اور عرضاً ۲۲ ہاتھ اتنی جگہ کو ان کے مالکوں نے جریب دیکر مسجد کے واسطے لاخراج کر دی اور اس زمین کے مالک تین شخص ہیں دو ہندو اور ایک مسلمان اور زمین کے حصے کا ایک نصف دو ہندوں کا اور ایک نصف مسلمان کا منجانب بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس آدھی زمین کے مالک ہندو ہیں۔ لہٰذا ہندو کا وقف درست نہیں۔ اس واسطے وہ مسجد شرعی نہ ہوئی۔ اسکو توڑنا یا دوسری جگہ نقل کرنا سب جائز ہے۔

اب اس صورت ما تقدم سے حکم شرع کیا ہے؟

الجواب: جب وہ زمین مشترک ہے اور شرکا میں بعض کفار بھی ہیں تو مسجد نہ ہوئی کہ کافر مسجد بنانیکا اہل نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین و بناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلوٰۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثا لورثتہ وھذا قول الکل کذافی جواھر الاخلاطی

کیونکہ صحت وقف کیلئے ملک شرط ہے (رد المختار ج ۳۔ صـ۳۹۳ میں ہے)۔ الواقف لابد ان یکون مالکہ وقت الوقف ملکا باتا ولو بسبب فاسد۔ اور صورت مسئول میں مدرسے کے زمین کے مالک مدرسہ کے منتظمین نہیں تو منتظمین کا وقف کرنا درست نہ ہوا۔ لگان پر لی ہوئی زمین کی حیثیت کرایہ پر لی ہوئی زمین کی ہے۔ اس کا مالک زمیندار ہی ہوتا ہے۔ اور زمین لینے والے صرف اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

توجب اس کافر کا مسجد کے لئے وقف صحیح نہ ہوا تو مسلمان کا وقف مشاع ہوا اور وقف مشاع اگرچہ جائز ہے مگر مسجد میں بالاتفاق ناجائز۔ عالمگیری میں ہے۔ واتفقا علی عدم جعل المشاع مسجدا او مقبرۃ مطلقا سواء کان مما لایحتمل القسمۃ او یحتملہا فکذا فی فتح القدیر[1] بحرالرائق میں ہے۔ والحاصل ان المسجد مخالف لمطلق الوقف عند الکل اما عند الاول فلایشترط القضاء ولا التعلیق واما عند الثانی فلایجوز فی المشاع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:- مسئولہ اہل محلہ بہاری پور۔ بریلی۔ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

محلہ بہاری پور میں تکیہ کے قریب ایک ٹٹی مسجد کی بنی ہوئی عرصہ سے تھی وہ منہدم ہوگئی اب وہ چبوترہ پڑا ہوا ہے جس کی تعمیر کی اجازت بھی موجود ہے اب سکنائے محلہ اسکی تعمیر کرانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ اس وجہ اب تک پڑی ہے کہ کچھ آدمی یہ کہتے ہیں کہ دو مسجدیں قریب ہیں اسلئے اس کی تعمیر کی ضرورت نہیں ہے اور اب جو مسجد جس جگہ تعمیر ہوگی اس سے ایک مسجد معماران سے فاصلہ دو سو پانچ فٹ کا۔ ہے اور دوسری مسجد جو تکیہ میں ہے اس سے فاصلہ دو سو ساٹھ فٹ کا ہے جس کا ملاحظہ بحضور اعلیٰحضرت مولانا مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب نے بھی عرصہ ہوا فرما کر اجازت دیدی تھی اب سکنائے محلہ بہ وقت عشا تکیہ کی مسجد میں بوجہ اندیشہ گھاس ہونے وکیڑا کی وجہ سے نہیں آتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اسکی تعمیر کرائیں کیونکہ وہ مسجد تھی اور عرصہ تک اسمیں نماز ہوئی۔ مگر اب وہ چبوترہ پڑا ہوا ہے۔ اس لئے اب حضور والا سے دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ بموجب حکم شرع شریف جو حکم ہو مطلع فرمائیں تاکہ جاہل اشخاص کا اعتراض جاتا رہے۔ اور وہ تعمیر ہو جائے اور اگر حضور والا ملاحظہ فرمائیں تو بہتر ہے کیونکہ عرصہ ہوا کہ موقعہ کا ملاحظہ فرمایا تھا۔ اب شاید خیال شریف سے فراموش ہوگیا ہو؟

الجواب:- جو جگہ مسجد ہو چکی وہ مسجد ہی رہے گی دیواروں وغیرہ کے گر جانے سے اسکی مسجدیت باطل نہ ہوگی۔ مسلمان کوشش کریں اور اس کو پھر سے تعمیر کریں اور اس کو آباد کریں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ[2] الآیۃ۔ مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے

---

[1] عالمگیری ج ۲ ص ۳۱۹ کتاب الوقف، الباب الثانی فی وقف المشاع [2] سورۂ توبہ۔

دل پر ایمان لائے۔ حدیث میں ارشاد فرماتا ہے۔ من بنیٰ للّٰہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتا فی الجنّۃ.[1]
جو اللہ کے لئے کوئی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ مولوی محمد امین اللہ قادری رضوی امام نیچے بستی مسجد کورکیک ضلع مولمین برھما۔
۱۷ محرم ۱۳۴۱ھ۔

۱- کیا فرماتے علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مدت سے ایک مسجد خام قائم ہے۔ جس میں نماز جمعہ و عیدین و پنجگانہ ہوتی رہیں۔ فی الحال نمازی مسجد میں سما نہیں سکتے۔ اور مسجد بڑی کرنے کی ضرورت ہے مگر داہنے بائیں متصل مسجد کثرت سے قبریں ہیں۔ اس صورت میں قبروں کو شہید کرکے وہاں پکی مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

۲- ایک ندی پیشتر مسجد سے دور تھی اور اب نزدیک آتی جاتی ہے احتمال ہے کہ مسجد شہید ہوجائے اور برسات میں مسجد میں آنے کے راستے پر اور صحن مسجد پر سات آٹھ روز تک زانوں تک پانی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز پنجگانہ کی جماعت نہیں ہوتی۔ لہٰذا سب لوگوں نے مل کر حسب موقع مسجد کے نام سے ایک ہزار کی روپئے کی زمین خرید کر کے وقف کردی اور اس زمین میں پکی مسجد بنوانے کی اینٹیں اور سرخی اور چونا سب رکھا ہے۔ اب اس صورت میں خریدی ہوئی زمین میں پکی مسجد بنوانا جائز ہوگا یا نہیں اور پرانی مسجد کو کیا کریں۔

الجواب:- (۱) مسلمان کی قبر بلا وجہ شرعی کھود کر برابر کردینا حرام ہے۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ وقد صرحوا بحرمۃ النبش لغیر ضرورۃ[2]۔ ردالمحتار میں ہے۔ النبش حرام۔ اور مسجد بڑھانا قبر کھود ڈالنے کے لئے ضرورت شرعیہ[3] نہیں۔ درمختار میں ہے۔ ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی ردالمحتار میں فرمایا۔ احترز عن حق اللہ تعالیٰ کما اذا دفن بلا غسل او صلاۃ او وضع علی غیر[ہ]

---

[1] رواہ مسلم عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۲۰۱ باب فضل بناء المساجد۔ بخاری ج ۱ ص ۶۴ باب من بنی مسجداً۔ ۱۲ مصباحی [2] فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۱۵ باب الجنائز۔ [3] ضرورت شرعیہ اس وقت ہوتی جب میت سے حق العبد متعلق ہوتا اور یہاں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں تو ضرورت شرعیہ کا تحقق نہ ہوا جیسا کہ ردالمحتار کی عبارت سے ظاہر ہے تو ان[illegible]

یمینہ اوالی غیر القبلۃ فانہ لاینبش علیہ بعد اہالۃ التراب الخ فعلم من ھذا ان النبش لتوسیع المسجد لایجوز لعدم تعلق حق الآدمی بالمیت[1]۔ اور قبر کو جب برابر کر کے اسے مسجد میں شامل کریں گے تو اس پر چلنا پھرنا پاؤں رکھنا بھی ہوگا۔ اور قبر پر چلنا، پاؤں رکھنا حرام۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لان امشی علی جمرۃ اوسیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم[2]۔ انگارے یا تلوار پر چلنا مسلم کی قبر پر چلنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ رواہ ابن ماجہ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کہ اس سے میت کو ایذا ہوگی۔ اور ایذائے مسلم حرام۔ حدیث میں ہے۔ المیت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ۔ میت کو قبر میں ان چیزوں سے ایذا ہوتی ہے جس سے زندگی میں ایذا ہوتی ہے۔ علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں۔ افاد ان حرمۃ المؤمن بعد موتہ باقیۃ۔ یعنی اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مؤمن کی حرمت مرنے کے بعد باقی رہتی ہے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ مؤمن کو مرنے کے بعد تکلیف پہونچانے کا وہی حکم ہے جو اس کی زندگی میں تکلیف پہونچانے کا ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ المیت یتاذی بہ الحی۔ یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہے اس پر چلنا جائز نہیں۔ طحطاوی میں ہے۔ نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام۔ نیز قبر، حق میت ہے۔ اور کسی کا حق باطل کرنا ناجائز۔ تنبیہ میں ہے۔ یأثم بوطأ القبور لان سقف القبر حق المیت۔ اور سوال کے یہ لفظ متصل مسجد کثرت سے قبریں ہیں" اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین غالباً وقفی قبرستان ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے قبور کے لئے وقف ہے۔ جب تو اگرچہ اتنے ٹکڑے میں قبریں نہ بھی ہوتیں جب بھی مسجد کی توسیع ناجائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لایجوز تغیر الوقف عن ھیئاتہ فلا یجعل الدار لبستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیہ مصلحۃ الوقف[3]۔

---

[1] درمختار و ردالمحتار ج ۱ ص ۶۶۲ باب صلوٰۃ الجنائز۔ [2] ابن ماجہ ص ۱۱۲ باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور والجلوس علیھا۔ ۱۲ [3] عالمگیری ج ۲ ص ۴۳۵ الباب الرابع عشر فی المتفرقات۔ مصباحی

فتح القدیر میں ہے۔ الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ[1] نیز وقف کرنے کیلئے ملک شرط ہے۔ اور جب قبرستان کے لئے وقف ہوچکی تو ملک نہ رہی۔ تو اب مسجد کے لئے کیسے وہ زمین وقف ہوسکتی ہے۔ ہاں اگر وہ زمین قبرستان کیلئے وقف نہ ہو اور ان قبروں کو بدستور باقی رکھکر قبروں کے آس پاس سے ستون قائم کرکے اوپر چھت قائم کردیں کہ نیچے کے درجہ میں قبریں ہوں اور چھت کو توسیع مسجد کے کام میں لائیں تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب (۲) یہ زمین کہ مسجد بنانے کیلئے خریدی گئی اسمیں مسجد بنانا جائز ہے اور مسجد قدیم کو بدستور باقی رکھیں۔ ردالمحتار میں فتح سے ہے۔ الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ۔ ہاں اگر سیلاب سے مسجد منہدم ہو جائے یا منہدم ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں اسکی اینٹیں وغیرہ دوسری مسجد میں صرف کردیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ قال السید الامام ابوشجاع المسجد اذا خرب واستغنی عنہ اھل القریۃ فرفع ذالک الی القاضی نباع الخشب وصرف الثمن الی مسجد آخر جاز ونقل فی الذخیرۃ عن شمس الائمۃ الحلوانی انہ سئل عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس عنہ ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد او حوض آخر فقال نعم ومثلہ فی البحر عن القنیۃ والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتی بہ الامام ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بھما قدوۃ ولاسیما فی زماننا فان المسجد وغیرہ من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذالک اوقافہ یاکلھا النظار او غیرھم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج الی النقل الیہ وقد وقعت حادثۃ سئلت عنھا فی امیر اراد ان ینقل بعض احجار مسجد خراب فی سفح قاسیون بدمشق لیبلط بھا صحن الجامع الاموی فافتیت بعدم الجواز متابعۃ للشرنبلالی ثم بلغنی ان بعض المتغلبین اخذ تلک الاحجار لنفسہ

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۴۰ کتاب الوقف ۱۲ مصباحی

فندمت علی ما افتیت بہ ثم رأیت الآن فی الذخیرۃ قال وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اہل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدہا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ وینقلونہ الی دورہم ہل لواحد لاہل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد اولی ہذا المسجد قال نعم وحکی انہ وقع مثلہ فی زمن سیدنا الامام الاجل فی رباط فی بعض الطرق خرب ولا ینتفع المارۃ بہ ولہ اوقاف عامرۃ فسئل ہل یجوز نقلہا الی رباط آخر ینتفع الناس بہ قال نعم لان الواقف غرضہ انتفاع المارۃ ویحصل ذالک بالثانی اھ انتہی ملتقطا[1] فتاوی خیریہ میں ہے۔ وفی الواقعات للصدر الشہید المسجد اذا خرب وہو عتیق لایعرف بانیہ وبنی اہل المسجد مسجدا آخر فباع اہل المسجد المسجد الاول واستعانوا بثمنہ فی بناء المسجد الثانی علی قول من یری جواز ہذا البیع وان کنا لا نفتی بہ جاز وفی الخلاصۃ والبزازیۃ عن الحلوانی اذا خرب مسجد وتفرق الناس عنہ تصرف اوقافہ الی مسجد آخر وفی النوازل وکثیر من الکتب انہ لاباس بہ وہذا کلہ علی قول محمد رحمہ اللہ تعالی فتحرر من ہذا التقریر ان المسألۃ اجتہادیۃ وللاختلاف فیہا مجال وللاجتہاد فیہا مساغ فاذا توفرت شروط الحکم علی قول الامام الثالث الذی رویت موافقتہ فیہ لقول الامام الاعظم بعد النظر فی المصلحۃ للمصلین والاعانۃ للمتعبدین فلا شک فی صحتہ ونفاذہ وارتفاع الخلاف فیہ فانظر الی قولہ فی الواقعات وان کنا لا نفتی بہ جاز وما ذالک الا انہ قد تکون المصلحۃ فیہ متعینۃ فنزاعد اللہ وسبحانہ تعالی خلوص النیۃ وصفاء الطویۃ وقصد الدار الآخرۃ والاجور الوافرۃ و والاخذ بما ہو یسر وطرح ما ہو عسر فہو خیر محض ونفع صرف فان الدین کلہ یسر وان خشی عاقبۃ سوء وانقلاب موضوع فالعمل بما علیہ الفتوی اولی والامور بمقاصدہا وکم

---

[1] رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۷ کتاب الوقف۔ مصباحی

من شیئ احد یکون طاعۃ بالنیۃ الخیریہ ویکون معصیۃ بالنیۃ الشریۃ واللہ اعلم[1]

مگر حتی الوسع اس مسجد قدیم کی حفاظت میں پوری کوشش کریں اگر پشتہ وغیرہ بنوانے سے حفاظت ہوسکے تو یہی کریں کہ مذہب امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوٰی ہے اور یہی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی قول ہے کہ مسجد کی مسجدیت باطل نہیں ہوسکتی، وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہے اور جب اس قول پر عمل ناممکن ہو کر دریا مسجد کو منہدم کردیگا جس سے نقصان ہوگا تو امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر بمجبوری عمل کریں پھر بھی اتنی جگہ جس میں مسجد تھی اس کا احترام بدستور باقی رکھیں کہ اسکے لئے کوئی عذر نہیں پھر اس امر میں قول مفتی بہ سے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ درمختار میں ہے۔ ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی حاوی القدسی۔ ردالمحتار میں ہے۔ فلا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وھو الفتوی حاوی القدسی واکثر المشائخ علیہ مجتبی وھو الاوجہ فتح اھ بحر[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ سردار ولی خانصاحب۔ ساکن بریلی محلہ سوداگران۔ ۱۲ صفر ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں۔

سوال اوّل:۔ خالد نے اپنی اخت حقیقیہ ہندہ کو ایک قطعہ آراضی مع ایک مکان کے بحالت صحت نفس وثبات عقل برضا ورغبت ہبہ کیا اور موہوب بہا ہندہ کا اس پر قبضہ بھی کرا دیا چنانچہ ہندہ نے اسکی عمارت قدیمہ کو منہدم کراکر تعمیر جدید مع اس قطعہ آراضی کے جہات واہب میں اپنے روپیہ سے کرائی اور تصرفات مالکانہ اسمیں کرتی رہی۔ اور تاحیات اپنی اسمیں سکونت پذیر رہی ہندہ نے وہ قطعہ مکان مملوکہ مقبوضہ مصرّہ اپنا بحالت صحت نفس وثبات عقل بطیب خاطر لوجہ اللہ الکریم وقف کیا اور شرعاً وقانوناً وقف کی تکمیل کردی بکر برادر حقیقی خالد وہندہ نے مکان مذکور پر اب چند تصرفات جن کی تفصیل حسب ذیل ہے مکان موقوف مذکور میں کیئے اولاً دروازہ آمد ورفت کی چھت پر بقدر ایک گز چوڑی دروازہ پھر لاہنی دیوار کڑیوں پر بنالی۔ ثانیاً

---

[1] فتاوی خیریہ ۲/ ۱۰۶ کتاب الوقف ۱۲ مصباحی۔ [2] درمختار وردالمحتار۔ ج ۳ ص ۴۰۶ کتاب الوقف مطلب فیما خرب المسجد وغیرہ ۱۲ مصباحی

ثانیًا۔ زینہ مکان موقوفہ کا جو مکان مسکونہ بکر سے ملحق ہے اس پر قبضہ کرنے کیلئے اپنے مکان میں سے دروازہ جدید زینہ پر قائم کر کے سیڑھیاں جدید اپنی چھت تک ملا کر بنالیں۔ اب اس زینہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زینہ شامل مکان موقوفہ نہیں ہے بلکہ مکانِ بکر کا زینہ ہے۔ ثالثًا۔ بکر نے زینہ کی چند سیڑھیوں کے نیچے بخاری جدید بنالی۔ لیکن یہ تصرف قبل وقفِ ہندہ بکر نے کیا مگر بلا اجازت ورضا ہندہ کیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ تصرفات شرعًا اللہ کے مال وقف میں بکر کو حلال ہے یا حرام ہے اور بخاری بنانا بلا اجازت مالک حق العبد میں گرفتار ہونا اور غصب مال مسلم کرنا ہے یا نہیں۔ یہ تصرفات مالکانہ اپنی ذات کیلئے ہوں یا دوسرے مکان وقف کیلئے ہر طرح ناجائز ہیں یا نہیں جو وعیدات شرع میں مال وقف ومال غیر میں تصرف ناجائز پر وارد ہیں ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

سوال دوم:۔ بکر کہتا ہے کہ واقفہ کو میرے بھائی خالد نے مکان و زمین حین حیات ہبہ کیا تھا اور اس پر علہ بنانے کی اجازت دیدی تھی چنانچہ اس نے علہ بنایا اور تا حین حیات اسمیں رہی۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے خود مادر بکر ہندہ بحلف شرعی بیان کرتی ہے کہ مکان و قطعہ زمین مستقل طور پر خالد نے بطیب خاطر ملک ہندہ کر دی تھی بقول بکر بغرض غلط اگر یہ صحیح بھی ہو تو شرعًا ہبہ قبضہ صحیح و تام ہوا یا نہیں۔ اور وقف صحیح ولازم ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

سوال سوم:۔ بکر کہتا ہے کہ میرے یہ تصرفات اس بنا پر ہیں کہ مکان واقفہ کا کاڈر مکان ملحق مسکونہ بکر پر رکھا گیا ہے اور اس کی دیوار کاٹ کر دروازہ آمد و رفت میں زینہ ملائی گئی ہے اسی قدر پر میں نے دیوار چھت پر بنائی ہے اولًا تو یہ صریح غلط ہے دروازہ کی دیوارِ شرقی ہندہ نے اپنی زمین میں اٹھائی ہاں۔ کوئی دیوار مکان ملحق بکر کی نہ تھی بلکہ بہت زمین واقفہ نے اپنی جانب شرق چھوڑ دی تھی جواب بکر نے شامل مکان ملحق کر لی۔ ثانیًا۔ مکان موقوفہ ہندہ تعمیر کے وقت مکان ملحق بکر وقف نہ تھا۔ بلکہ مملوک مادر ہندہ تھا مادر ہندہ نے بخوشی ان تصرفات کو جائز رکھا اور تا ایں دم اس پر راضی ہے خود بکر نے کاڈر دیوار ملحق پر رکھوایا اور دیوار دروازہ بلکہ کل مکان اپنی نگرانی میں بنوایا۔ بالفرض اگر کوئی دیوار کاٹ کر بنائی جب بھی جبکہ مادر ہندہ مالک مکان ملحق اس پر رضامند تھی اور ہے تو شرعًا یہ تصرفاتِ ہندہ جائز ہوئی یا نہیں اور بکر کے یہ حیلے شرعًا

قابل سماعت ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

سوال چہارم:۔ ہندہ جب بحیاتِ خالد مکان مذکور پر قابض اور متصرف رہی اور عمر بھر اپنی حسب منشا تصرفات مالکانہ اسیں کرتی رہی۔ اور خالد نے باوجود علم واطلاع اپنی زندگی میں کہ مدت مدید تک زندہ رہا۔ اس زمانۂ دراز میں کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اس پر راضی رہا۔ اور نیز اولادِ ہندہ اور خود بکر راضی ہے۔ تو اس صورت میں شرعاً کوئی دعویٰ بکر وغیرہ بلکہ خود وارثہ خالد کا مسموع ہوگا۔ یا عند الشرع ایسی صورت میں تمادی، عارض ہوگی خصوصاً بمقابلہ وقف؟ بینوا توجروا۔

سوال پنجم:۔ قطعات مدعوبہ جب خالد برادرِ بکر کی ملک تھے۔ اور اولادِ زینہ خالد کی موجود ہے تو شرعاً کوئی حق مکان موقوف میں بکر کو کبھی پہنچ سکتا ہے۔ جس کی بنا پر اس کو تصرف کا مجاز ہو یا اس کے یہ تصرفات غصب و حرام۔ موجب آثام وباعث غضب ربِ قہار و ناراض حضور سید ابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں اس مکان وقف میں بکر کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں نہ اس کے زینہ پر قبضہ کر سکتا ہے نہ دروازہ کی چھت پر دیوار بنا سکتا ہے اور کڑیوں پہ دیوار بنانے میں قطع نظر تصرف فی الوقف کے وقف میں ایک نقصان کا بھی اندیشہ ہے کہ دیوار کے بوجھ سے کڑیاں ٹوٹ جائیں اور چھت گر پڑے حدیث میں ارشاد فرمایا۔ ان رجالاً یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق فلہم النار یوم القیامۃ رواہ البخاری عن خولۃ الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ زینہ جب ہندہ نے اپنی زمین میں بنایا ہے تو بکر کو بلا اجازتِ ہندہ اس کے نیچے بخاری بنانے میں صحیح بخاری کی اس حدیث سے ڈرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الی سبع ارضین[1]۔ جو ناحق زمین سے کچھ بھی لے گا وہ روزِ قیامت ساتوں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔ اور حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من اخذ ارضا بغیر حقہ کلف ان یحمل ترابہا المحشر[2]۔ جو شخص ناحق زمین لے گا اسے اسکی تکلیف دی جائیگی

---

[1] رواہ البخاری عن سالم عن ابیہ ج ۱ ص ۳۳۲ باب اثم من ظلم شیئا من الارض۔ ۱۲۔ مصباحی۔

[2] مسند احمد بن حنبل ج ص ۔

کہ اسکی مٹی اپنے اوپر لادکر میدان حشر میں پہونچائے۔ رواہ الامام احمد عن یعلی ابن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام احمد کی دوسری روایت انھیں سے ہیکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ آخر سبع ارضین ثم یطوقہ الی یوم القیامۃ حتی یقضی بین الناس[1]۔ جو شخص ایک بالشت زمین ظلم سے لیگا اللہ عزوجل اسے اسکی تکلیف دے گا کہ ساتویں زمین تک کھودے پھر وہ قیامت تک مثل طوق اسکے گلے میں ڈال دیجائیگی یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوجائے اور فرمایا۔ من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین۔ جو شخص ایک بالشت زمین ظلمًا لے گا روز قیامت ساتوں زمینوں کا اتنا ٹکڑا اسکے گلے میں طوق بناکر ڈال دیا جائے گا۔ رواہ الشیخان عن سعید ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایسی سخت وشدید وعیدیں سننے کے بعد کبھی دوسرے کی زمین لینے کی جرأت نہ ہونی چاہئے۔ بکر پر لازم کہ وقف میں تصرف کرنے سے بچے۔ اپنی دیوار فورا ہٹالے اور زمین سے اپنا قبضہ اٹھالے فتاوی خیریہ میں ہے۔ سئل فی رجل بنی فی الوقف بغیر مسوغ شرعي فما حکمہ اجاب انکان البانی ھو المتولی فان کان من مال الوقف فھو وقف وان کان من مالہ للوقف او اطلق فھو وقف وان لنفسہ فھو لہ ویکون متعدیا فی وضعہ فیجب رفعہ لو لم یضر فان اضر فھو المضیع لمالہ لانہ لا یملک رفعہ لما فیہ من ضرر الوقف ولا الانتفاع لما فیہ من التصرف معہ بارض الوقف فقد ضیع مالہ وفی ھذہ الصورۃ یفسق المتولی ویستحق العزل لتعدیہ بھذا التصرف وانتی کثیر بانہ یتملک للوقف باقل القیمتین منزوعا وغیر منزوع بمال الوقف فی صورۃ الضرر وان کان البانی غیر المتولی فان کان باذن المتولی لیرجع فھو وقف وان لم یکن باذن المتولی فان بنی للوقف فھو وقف وان لنفسہ او اطلق رفعہ لو لم یضر بارض الوقف فان اضر فالحکم ما تقدم ذکرہ فقد علمت الاحکام کلھا فی ھذہ المسئلۃ۔ واللہ اعلم[2]۔ نیز اسی میں ہے۔ سئل فی جماعۃ وضعوا احائطا علی بناء الوقف تعدیا ھل یؤمرون بھدمہ اجاب نعم یؤمرون برفعہ ان لم یضر بالوقف فان اضر فھو المضیع

---

[1] ایضا۔ [2] فتاوی خیریہ ۱۲ص ۱۳۲ کتاب الوقف۔ ۱۲۔ مصباحی

نماله فلیتربص الیٰ زواله وقد اتفق علماء نا علٰی انه یفتی بکل ماھو انفع للوقف واتفق علماؤنا المتاخرون باجرة المثل فی منافع الوقف اذا غصب فیقضی بھا فی ھٰذہ المسئلة. واللّٰہ اعلم[1]۔ اور یہ تصرفات بکر کے اپنے لئے ہوں یا دوسرے وقف کے لئے دونوں ناجائز ہیں کہ ایک وقف سے دوسرے وقف کو نقصان نہیں پہونچایا جاسکتا۔ فتاویٰ امام تمرتاشی میں ہے۔ سئل عن ارض زعم رجل متولی علٰی وقف انھا من جملة الوقف وآجرھا الآخر اجارة صحیحة شرعیة بناء علی انھا من جملة الوقف وبنٰی المستاجر بناءً ثم تبین بعد ذالک بطریق شرعی انھا ملک لشخص ولم تکن وقفا فھل یعمل بذالک شرعاً ویومر المستاجر المذکور برفع البناء حیث لم یجز مالکھا الاجارة اجاب نعم یعمل بما ذکر من الحکم بالملک للمستحق بعد ثبوت ذلک علی الاسلوب الشرعی وللمالک مطالبة المستاجر المذکور برفع بنائه ویؤمر بذالک شرعاً وللمالک ان یغرم له قیمة البناء او قیمة الغرس مقلوعاً اذا کانت الارض تنتقص بالقلع ویرضٰی بترکه ایکون البناء والغرس لھٰذا والارض لھٰذا. واللّٰہ اعلم۔

الجواب ۲: جو چیز عمر بکر کو دی گئی وہ ہبہ ہوگئی اور بعد قبضہ ہبہ تام ہوگیا حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من اعمر عمری فھی للذی اعمر ھا حیا ومیتاً ولعقبه[2] رواہ مسلم عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔ صحیحین[3] میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ العمری جائزة[4]۔ اور صحیح مسلم میں بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ العمری میراث لاھلھا[5]۔ جو چیز کسی کو تاحین حیات دے دی گئی وہ اس کے وارثوں کے میراث ہے دینے والی کیطرف عود نہ کرے گی ہدایہ میں ہے۔ تنعقد الھبة بقوله اعمرتک ھٰذا الشئ وکذا اذا قال جعلت ھٰذہ الدار لک عمری[6]۔ کسی شئ کو تاحین حیات دینے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اسوقت تو میں نے مالک کردیا مگر تیرے مرنے کے بعد لے لوں گا گویا یہ ہبہ میں ایک شرط فاسد لگائی اور ایسی شروط سے ہبہ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ طحطاوی علی الدر میں ہے۔ ومعنی العمری التملیک فی الحال والرجوع فی الشئ بعد موت المعمر

---

[1] فتاوی خیریہ ایضاً [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸ کتاب الہبات، باب العمری۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً [6] ہدایہ طحطاوی ج ۳ ص ۲۸۴ کتاب الہبۃ ۱۲ رضوی

لہ فصح التملیک ویبطل شرط الرجوع لان الھبۃ لاتبطل بالشروط الفاسدۃ انتھی زیلعی[۱]۔ بہذا صورت مستفسرہ میں جبکہ ہبہ صحیح وتام ہوگیا اور ہندہ اس مکان کی مالک ہوگئی تو اسے وقف بھی کرسکتی ہے۔ اور یہ ہبہ صرف تام ہی نہیں بلکہ قابل رجوع بھی نہیں۔ اولاً ہندہ نے اس اراضی موہوبہ پر مکان بنایا اور یہ ایسی زیادت ہے جو مانع رجوع ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویمنع الرجوع فیھا الزیادۃ المتصلۃ کبناء وغرس[۲]۔ ثانیاً۔ واہب کا حیاتِ ہندہ میں انتقال ہوگیا اور موت احدالعاقدین مانع رجوع ہے[۳]۔ ثالثاً۔ اگر خالد زندہ بھی ہوتا تو رجوع نہ کرسکتا کہ ہندہ اسکی حقیقی بہن ہے اور باعتبار نسب ذی رحم محرم ہونا مانع رجوع ہے[۴]۔ رابعاً۔ موہوب لہا نے وقف کردیا تو اب اس کی ملک میں نہ رہا اور خروج عن الملک بھی مانع رجوع ہے[۵]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب[۳]:- جب مکان ہندہ زیرنگرانی وباہتمام بکر بنا تو بکر کا یہ کہنا کہ میرے مکان کی کچھ زمین اس کے دروازہ میں شامل کرلی گئی ہے مسموع نہیں۔ درمختار میں ہے۔ من سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ۔ اور گاڈر بھی جب خود بکر نے رکھوائے تو اگر وہ مکان بکر کا تھا تو رکھوانا ہی اجازت ہے۔ پھر اب اسے کیا اعتراض اور اگر وہ مکان مادر ہندہ کا تھا تو مالکہ کو اختیار ہے کہ تصرف اس کی ملک میں ہے اور جب پہلے بھی وہ رضامند تھی اور اب بھی ہے تو بکر کو کوئی حق اعتراض نہیں کہ جس کی ملک تھی اس نے جائز کردیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب[۴]:- ہندہ کا مدت دراز تک تصرف مالکانہ کرنا اور خالد کا باوجو علم واطلاع تعرض نہ کرنا بلکہ راضی رہنا دعویٰ کو ساقط کرتا ہے خود خالد بھی دعویٰ کرتا تو مسموع نہ ہوتا۔ اب بعد انتقال خالد اس کے ورثہ کا دعویٰ بھی نامسموع ہوگا عقود الدریہ میں ہے۔ رجل تصرف زماناً فی ارض ورجل آخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذالک لم تسمع بعد ذالک دعوی ولدہ اھ ولم یقیدہ بمدۃ کما تری ومایمنع صحۃ۔

لہ طحطاوی علی الدر، کتاب الہبہ ج ۳ ص ۳۹۴۔ ؎۲ درمختار، باب الرجوع فی الہبہ ج ۴ ص ۵۰۲۔ ؎۳ درمختار میں ہے۔ ویمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین بعد التسلیم۔ ؎۴ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے۔ ولو وھب لذی رحم محرم منہ نسباً لایرجع۔ طحطاوی میں ہے۔ وانما لایرجع فیھا لقولہ علیہ السلام اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا ولان المقصود منھا صلۃ الرحم وقد حصل وفی الرجوع قطعیۃ الرحم ج ۳ ص ۴۰۵۔ ؎۵ درمختار میں ہے ویمنع الرجوع فیھا خروج الھبۃ عن ملک الموھوب لہ ج ۴ ص ۵۰۸، ۱۲۔ مصباحی

دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث اسی میں ہے۔ سئل فی رجل یرید الدعوی علی
زید بمیراث امہ المتوفاۃ اکثر من خمسۃ عشر سنۃ وزید یجحد ومضت ھذہ
المدۃ من بلوغہ رشیدا لم یدع بذلک ولا منعہ مانع شرعی وھما مقیمان فی
بلدۃ واحدۃ فھل تکون دعواہ بذلک غیر مسموعۃ للمنع السلطانی الجواب نعم و
القضاء یجوز تخصیصہ بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصۃ
فتاوی خیریہ میں ہے۔ سئل فی رجل اشتری من آخر ستۃ اذرع من ارض بید البائع وبنی
بہا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکور ان لہ ثلثۃ قراریط و
نصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ
یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلک ام لا وھل تسمع دعواہ مع تصرف المشتری ورؤیۃ
امہ لہ واطلاعہا علی الشراء المذکور والتصرف المذکور مدۃ مدیدۃ ام لا اجاب لا تسمع دعواہ
لان علمائنا افتوا فی متونہم وشروحہم وفتاواہم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم
ولو کان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعہ من سماع الدعوی قال صاحب المنظومۃ
اتفق اساتیذنا علی انہ لا تسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل
والتلبیس وجعل الحضور وترک المنازعۃ اقرارا بانہ ملک البائع وقال فی جامع الفتاوی وذکر
فی منیۃ الفقہاء رأی غیرہ یبیع عرضا فقبضہا المشتری وھو ساکت وترک منازعتہ فھو
اقرار منہ بانہ ملک البائع انتہی فعلم بذلک ان الام لوکانت حیۃ ثم ادعت بعد ذلک
لا تسمع دعواہا وما منع المورث فی مثلہ منع الوارث بالاولی وذلک کلہ لاجل الدفع
والقطع لمادۃ التزویر والتلبیس والحاسم لطریقۃ الاحتیال وقطع شافۃ الاطماع بالتدلیس
فی زمان غلب علی اھلہ ارتکاب الباطل وتعاطی العاطل بینا لو امن الدنیا الدنیۃ نوع
نائل فتری الواحد منہم علی خصمہ کالسبع الصائل نحسموا سماع مادۃ مثل ھذہ الدعوی
لما رأوا من فساد اھل الزمان بارتکابہم باطل العدوان والمیل للدنیا التی ھی حبائل

الشیطن فیجب منع ذالک. اذا القاعدۃ التی اجتمعت علی صحتہا اھل المذھب درء المفاسد اولٰی من جلب المصالح یدخل ھذہ الوقعۃ فیما اشتملت علیہ من المفردات فیجب العمل بما فی دفع الظاھر الذی ینصر تغیر الزمان وفساد اھل الذی نطقت الاحادیث بشرھم وقبح حال اکثرھم[1] واللہ اعلم۔ فتاویٰ امام غزی تمرتاشی میں ہے۔ سئل عن رجل اشتری کرمامن رجل واستمر جاریا فی ملکہ مدۃ تزید علی عشرین سنۃ ثم بعد ذلک ادعی رجل وھو جار المشتری ملاصق لکرمہ بنصف الکرم المزبور والحال ان المدعی مقیم فی ھذہ البلدۃ عالم بان الکرم المذکور جارفی ملک المشتری وھو ساکت لم ینازع فی ذالک اصلا فی المدۃ المذکورۃ ولم یمنعہ من الدعوی مانع شرعی وقد استعمل المشتری المدعی المذکور فی الکرم باجرۃ معلومۃ مرارا متعددۃ فھل تسمع ھذہ الدعویٰ. اجاب لاتسمع ھذہ الدعویٰ قال فی الکنز باع عقارا وبعض اقاربہ حاضر یعلم البیع ثم ادعی لاتسمع دعواہ انتہیٰ وفی البزازیۃ باع شیئا وزوجتہ او بعض اقاربہ حاضر سکت ثم ادعاہ لاتسمع واختار القاضی فی فتاواہ انہ یسمع فی الزوجۃ لافی غیرھا واختار ائمۃ خوارزم ماذکرہ بخلاف الاجنبی فان سکوتہ وقت البیع والتسلیم ولو جار الایکون رضاء بخلاف سکوت الجار وقت البیع والتسلیم وتصرف المشتری فیہ زرعا وبناء حیث تسقط دعواہ علی ما علیہ الفتویٰ قطعا للاطماع الفاسدۃ[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۵: جب خالد ہبہ کرچکا ہے تو خود خالد کو بھی کوئی حق نہ رہا۔ جیسا جواب سوالِ دوم میں مذکور ہو چکا . بلکہ اولاد خالد در صورت مذکورہ میں بکر تو وارث بھی نہیں[3] اسے تصرف کا حق کیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] فتاویٰ خیریہ۔ کتاب الدعویٰ۔ ج ۲ ص ۸۴۔ ۱۲ مصباحی

[2] فتاویٰ امام الغزی ص ۲۱۲۔ کتاب الدعویٰ والاقرار۔ ۱۲ مصباحی۔ [3] کیونکہ خالد کی اولادِ ذکور موجود ہے۔ (جو پہلے درجہ کا عصبہ ہیں) تو ان کی موجودگی میں خالد کا بھائی بکر (جو تیسرے درجہ کا عصبہ ہے) وارث نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ ویسقط بنو الاعیان وھم الاخوۃ والاخوات لاب وام بثلاثۃ بالابن وبالاب وبالجد" واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب از چتور گڈھ علاقہ اودے پور۔ میواڑ۔ ۵ جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ

ایک مدرسہ کا روپیہ جو واقف نے خاص ایک مدرسہ کے لئے دیا ہے۔ دوسرے مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب واقف نے روپیہ خاص اس مدرسہ میں صرف کرنے کے لئے دیا تو یہ دوسرے مدرسہ میں کیونکر صرف کر سکتا ہے درمختار میں ہے وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجدا ومدرسۃ ووقف علیهما اوقافا لایجوز له ذلک[1] ای الصرف من غلۃ احدهما علی الآخر۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ حکیم احمد حسین صاحب و محمد حسین صاحب۔ از سکندر پور ضلع بلیا۔ ۵ جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں مدرسہ بنانا یا تعمیر مکان بغرض قرآن خوانی یا کنواں بغرض آبپاشی گل پھول و درختاں قبرستان جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر پہلے سے اسمیں مدرسہ لاعلمی سے بنوا دیا ہو یا مکان قرآن خوانی کے لئے تیار کرا دیا یا کنواں کھدوا دیا ہو تو ایسی حالت میں ان چیزوں کا قائم رکھنا بہتر ہے یا منہدم کرا دینا؟

(۳) وہ حصہ زمین قبرستان کی جو محدود احاطہ قبرستان ہے مگر وہاں آس پاس قبریں نہیں ہیں اسکو تصرف میں اپنے لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مکان سکونت اپنے لئے بنا سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب :- وقفی قبرستان میں ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں فتاوی عالمگیری میں ہے۔ ولا یجوز تغیر الوقف عن هیئاته فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا[2] فتح القدیر[3] و ردالمحتار و شرح الاشباہ للعلامۃ البیری میں ہے۔ الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادۃ۔

بلکہ اگرچہ قبریں نیست و نابود ہو گئی ہوں جب بھی ایسے قبرستان میں مدرسہ وغیرہ بنانا ناجائز کہ اب بھی وہ مقبرہ ہے عالمگیری میں ہے۔ سئل الامام شمس الائمۃ محمود الاوزجندی عن المقبرۃ اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرۃ کذا فی المحیط[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار ج ۳ ص ۴۰۸ کتاب الوقف ۔ ۱۲ مصباحی۔ [2] عالمگیری کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی التفرقات، ج ۲ ص ۴۵۲
[3] فتح القدیر کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۴۰ ۔ [4] عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر ج ۲ ص ۳۵۱ ۔ مصباحی۔

الجواب۲ :۔ ان کو منہدم کردیا جائے کہ یہ تصرفات ناجائز ہیں۔ اور وقف کا اپنے حال پر باقی رکھنا واجب واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب۳ :۔ قبرستان وقفی خالی زمین پر کبھی نہ کوئی اپنا مکان بنا سکتا ہے نہ اسے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔ کمامر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب محلہ گندہ نالہ۔ بریلی۔ ۲۱ جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا اندرونی حصہ تنگ ہے کثرت نمازیان کی وجہ سے دقت ہوتی ہے لہٰذا یہ تجویز کی جاتی ہے کہ وسیع کیا جاوے مگر موقع کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ قریب تین طرف کے راستے حائل ہے۔ اور غرب کی طرف کو ایک شخص کی عمارت حائل ہے۔ صرف پاکھا شمالی کی جانب اس کی رہگذر ہے تو یہ خیال ہوا کہ اس کی رہگذر میں سے اڑھائی گز مربع زمین تخمیناً لی جاوے اور تخمیناً ساڑھے تین گز مربع اراضی حجرہ مسجد میں سے بمعاوضہ اسکو دی جاوے۔ واسطے رہگذر اس کے جس پر کہ وہ رضامند ہے۔ تو اس صورت میں اراضی کا تبادلہ جائز ہے یا نہیں اور بجائے دو گز کے تین گز دینا جائز ہے یا نہیں۔ یا زائد اراضی حجرہ کی قیمت اس سے لیکر صرف مسجد میں شامل کیا جاوے اور اس حجرہ میں نماز کبھی نہیں پڑھی گئی جو بیانات ونیز ملاحظہ نقشہ سے بخوبی ظاہر ہو جاوے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ جبکہ وہ حجرہ کی زمین مسجد کی زمین نہیں بلکہ مصالح مسجد کے لئے ہے اور اب مسجد کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ اور بغیر استبدال توسیع نہیں ہوتی تو اتنی زمین دیکر اسکے بدلہ میں دوسری زمین لیکر مسجد میں شامل کرسکتے ہیں۔ مگر بلاوجہ تین گز دے کر ۲ گز لینے کی کوئی وجہ نہیں اس میں مسجد کا نقصان ہے ہاں اگر وہ ساڑھے تین گز سے کم لینے پر راضی نہیں ہوتا تو زائد جو کچھ ہے اس کے بدلے کا روپیہ لیکر مسجد میں صرف کریں اور بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اس کے بدلے کی زمین جو شخص دے رہا ہے وہ ساڑھے تین گز زمین نہیں دے سکتا ہاں اگر ایک گز زیادہ کا روپیہ دے سکتا ہے تو اس صورت میں وہاں کے دیندار مسلمانوں کے مشورہ سے یہ تبدیل ہوسکتی ہے۔ ردالمحتار میں فتاویٰ سراجیہ سے ہے۔ وان کان للوقف ریع ولکن یرغب شخص فی استبدالہ ان اعطی مکانہ بدلا اکثر ریعا منہ فی صقع احسن من صقع الوقف جاز عند ابی یوسف والعمل علیہ

علیہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ زاہد علی۔ شہر کہنہ۔ بریلی ۲۴ رشعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ مسلمانان محلہ نے باہمی بالاتفاق بنا بر مرمت شکست وریخت وقلعی وغیرہ مسجد کچھ چندے سے روپیہ جمع کیا روپیہ مذکور کو برضامندی جمیع ایک شخص کو سپرد کیا تاکہ مسجد کا کام کرائے شخص مذکور نے مشقت وجاں فشانی سے اس کام کو انجام دیا۔ کچھ کام باقی رہ گیا۔ اور کچھ روپیہ بھی باقی رہ گیا شخص مذکور بیمار ہوگیا۔ مسلمانوں نے حساب اور روپیہ طلب کیا۔ شخص مذکور نے تحویل باقی ماندہ کا حساب کرکے مسلمانوں کے سپرد کیا۔ مسلمانوں نے اس کام کو سب اور سیر سے تخمینا کرایا تخمینہ سے سب اور سیر کے کچھ بیشی روپیہ شخص مذکور سے اور نکلا وہ روپیہ اس سے جبریہ وصول کیا گیا۔ وہ روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ وہ روپیہ کس کا حق ہے اور کس کو دینا چاہئے؟

الجواب: سب اور سیر کا تخمینہ کوئی شئی نہیں ہے۔ تخمینہ میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر شہادت سے ثابت ہو کہ فلاں روز اتنے راج اور مزدوروں نے کام کیا اور اس نے فرد حساب میں زیادہ تعداد لکھی یا راج مزدوروں کو روزانہ جتنا دیا جاتا تھا، اس سے زیادہ حساب میں درج کی تو بے شک خائن ہے۔[2] اور وہ رقم جو زیادہ لکھی اس سے وصول کیا جائے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بلاوجہ شرعی اس پر بدگمانی کرکے جبراً اس سے وصول کیا گیا ہو تو اسے واپس کریں مسجد میں اس کا صرف جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ نثار احمد خاں۔ از قصبہ افضل گڈھ ضلع بجنور تحصیل نگینہ۔ ۹ رشوال ۱۳۳۱ھ

علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک مسجد جو پہلے تھی اسکو شہید کیا اور ایک زیادت اس کے پیچھے ظاہر تھی، جب اسکی نیو کھودی گئی تو ہڈی مردوں کی نکلی اور وہ زیادت اندر مسجد کے لے لی گئی اب جیسا مناسب ہو ویسا تحریر کریں اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

[1] رد المحتار ج ۳ ص ۴۲۶ کتاب الوقف۔ ۱۲

[2] یا سامان کے خرید میں یہ ثابت ہوجائے کہ اس نے جتنے میں خریدا تھا اس سے زائد حساب درج کیا یا سامان جتنا لگا۔ اس سے زائد کی خرید دکھائی۔ تو بھی خائن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ مصباحی

الجواب: - قبر پر مسجد کی دیواریں اٹھانا جائز نہیں حدیث میں ہے ولا یبنیٰ علیہ[1] اور قبر کو بغیر مسجد میں داخل کرسکتے ہیں مگر اس طرح کہ قبر کے پاس پاس سے دیوار اٹھالیں اتنی کہ دیواریں قبر سے اونچی ہو جائیں پھر چھت پاٹ لیں کہ قبر بجنسہٖ تہہ خانہ میں رہے اور یہ چھت مسجد کے کام میں آئے اور یہ بھی اس وقت کرسکتے ہیں کہ جب وہ وقفی قبرستان میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: - مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب بریلی گندہ نالہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد املی واقع نالہ بریلی کی بجہت پیر صاحب مکان عقب مسجد نے دیوار پردہ اپنے آرام وآسائش کے لئے اپنے صرفہ سے تیار کراکر مسجد کے نام وقف کردی تھی، مسجد مذکور کا کوئی نفع اس دیوار سے نہ تھا۔ اب حال میں مسجد دیوار مذکور شہید کراکر از سر نو مسجد تیار ہوئی کچھ پردہ مذکور ایام برسات میں گر گیا تھا جس کے باعث سے صاحب خانہ کو زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا بقیہ دیوار مذکور کے گرانے میں مسجد کے روپیہ سے صرفہ دیا گیا سابق میں مسجد مذکور کی اونچائی پونے تین گز تھی اب دس گرہ کرسی اونچی کی گئی اور بارہ گرہ اندر کی جگہ اونچی ہوئی بجائے پونے تین گز کے ۳ گز ہوئی اور چار گرہ کی منڈیر اب اونچائی پردہ سابقہ سے وچھیت مسجد کی اونچائی سے چار گرہ کمی ہے۔ صاحب خانہ کہتے ہیں کہ مسجد مذکورہ پر پردہ مسجد کے صرفہ سے قدِ آدم تیار کرانا چاہئے۔ ایسی حالت میں دریافت طلب ہے کہ پردہ مذکور مسجد اپنے صرفہ سے تیار کراسکتی ہے یا صاحب خانہ مذکور اپنے صرفہ سے اور کس شکل پر تیار کراسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: - پردے کی دیوار مسجد کے روپے سے بنانے کی کوئی وجہ نہیں کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ بے پردگی مسجد کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے مکانات جو مسجد سے قریب ہیں ان سے بے پردگی ہوتی ہے اور مسجد کی دیوار جب بلند ہو جائے گی تو ان مکانات سے بے پردگی نہ ہوگی ہاں اگر مالک مکان اپنے روپے سے بقدر ضرورت پردہ کی دیوار بنا کر مسجد کے نام وقف کردے تو ہوسکتا ہے جبکہ مسجد کو اس دیوار سے کچھ ضرر نہ

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ کتاب الجنائز، عن جابر رضی اللہ عنہ۔ ۱۲ مصباحی۔

پہونچے اور جب چار گرہ سے پردہ ہو جائے گا تو قدِ آدم کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹: مسئولہ مولوی آفتاب الدین محلہ ذخیرہ مسجد نیاریان بریلی۔ ۳ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ زمین عیدگاہ بنانے کیلئے وقف کیا تھا۔ حتیٰ کہ عیدگاہ بنادی گئی۔ اور برسوں سے عید کی نماز ہوتی رہی لیکن زید کیا کرتا ہے کہ اپنے اولاد میں کسی کا انتقال ہو تو اسی عیدگاہ میں جانب شمال دفن کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس ارض موقوف پر زید کی ملکیت باقی ہے یا نہیں اور اس میں میت دفن کر سکتا ہے یا نہیں اور ایسے عیدگاہ میں نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر دفن کرنا ناجائز ہو تو جو دفن کیا گیا اسکے بارے میں کیا حکم ہے بحوالہ کتب۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جب اس قطعہ زمین کو عیدگاہ بنایا اور وقف کر دیا بلکہ اس جگہ برسوں عید کی نماز بھی ہو چکی تو اب یہ وقف تام ولازم ہوگیا اور زید کی ملک سے خارج ہوگیا کہ اب وہ اختلاف بھی باقی نہ رہا جو امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ میں ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وعند ابی یوسف یزول ملکہ بالقول کما ھو اصلہ وعند محمد اذا استقی الناس من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملک ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کلہ[1]۔ اور اس عیدگاہ میں واقف کو مردے دفن کرنا جائز نہیں کہ یہ تغییر وقف ہے اور تغییر وقف حرام۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا[2] فتح القدیر۔ پھر ردالمحتار میں ہے الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ[3] اور زید نے جو مردے دفن کردیئے ہیں زید انہیں کھود کر دوسری جگہ لیجائے یا زمین برابر کردی جائے قبور کا نشان مٹا دیا جائے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولاینبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا کانت الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعتہ کذا فی فتاوی قاضیخان[4]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر ج ۲ ص ۳۵۰ [2] ج ۲ ص ۳۵۴۔ [3] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۴۰ [4]۔ عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، الفصل السادس ج ۱ ص ۸۵۔ مصباحی۔

مسئلہ: از موضع ہرہرپور۔ پرگنا نواب گنج۔ ضلع بریلی۔ ۹ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موضع ہرہرپور میں ایک قبرستان ہے اس میں جو درخت ہیں وہ درخت اہل گاؤں کے بزرگوں کے لگائے ہوئے ہیں اب ان درختوں کو زمیندار نے فروخت کردیا ہے اور ان درختوں کو ایک شخص مسلمان نے خرید لیا ہے ان درختوں کے فروخت کرنیکا سب گاؤں کے مسلمانوں کو درد ہے کیونکہ ان درختوں کی لکڑی سے تختے وغیرہ میت کے کام میں لائے جاتے ہیں زمیندار کو ان درختوں کو فروخت کرنا چاہئے یا نہیں اور جو شخص مسلمان خریدے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: یہ درخت کہ گاؤں والوں نے قبرستان میں لگائے اگر قبرستان وقف ہے اور درخت قبرستان کیلئے لگائے تو درخت بھی وقف ہیں اور ایسا نہیں تو درخت لگانے والوں کی ملک ہیں بہرحال زمین داران درختوں کو فروخت نہیں کرسکتا۔ فتاوی خیریہ میں ہے۔ ان کان ابانی غیر المتولی فان کان باذن المتولی لیرجع فہو وقف وان لم یکن باذن المتولی فان بنیٰ للوقف فہو وقف وان لنفسہ واطلق رفعہ ولم یضر بارض الوقف فان اضر الحکم ماتقدم ذکرہ[۱]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۱) مسئولہ جناب حاجی نعمت علی صاحب ضلع مظفر پور۔ ڈاکخانہ رائے پور۔ ساکن پنڈول۔ ۱۴ صفر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ مسجد و مزار اولیاء و خانقاہ و مدرسہ و کنواں و پوکھر ویل ان سبھوں میں سب سے زیادہ ثواب کس کے بنانے میں؟

مسئلہ (۲) مسجد کے نام یا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام یا مدرسہ کے نام یا مزار اولیاء کے نام ان میں کس کس کے نام پر وقف کرنا زیادہ ثواب ہے درجہ بدرجہ خلاصہ بیان فرمایا جاوے؟

الجواب ۱و۲: جس کی زیادہ ضرورت ہو اس میں زیادہ ثواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ ابرار احمد صاحب محلہ ذخیرہ۔ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ

---

[۱] فتاوی خیریہ۔ ج ۱ ص ۱۳۳۔ کتاب الوقف۔ ۱۲ مصباحی

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مساۃ متین کا حصہ ایک افتادہ زمین یعنی ٹوٹے ہوئے مکان مشترک کا ایک ثلث ہے جس کا تخمینہ ۳۵ گز ۳ گرہ آراضی ہے جو اس کو حق پدری سے پہونچا ہے زمین مذکور کو ایک مسجد کے نام قریب تین سال گزرتے ہیں کہ وقف کردیا اور ایک وقف نامہ غیر رجسٹری شدہ تحریر کر دیا اور اہل برادری کو اختیار انتظام و بیع تک دیدیا اہل برادری نے اس کا منتظم ایک شخص محلہ دار کو کر دیا۔ چونکہ اس شخص نے برادری سے چار آنے ماہوار درصورت کرایہ دینے وعدہ کیا تھا مگر تادم تحریر ایک پیسہ اس کی آمدنی کا مسجد کو نہیں لگایا اور نہ متولی مسجد کو دیا۔ اور نہ برادران چودھری یان کو دیا اب مساۃ مذکورہ درخواست کرتی ہے کہ چونکہ میں نے مسجد کے نام وقف کیا تھا اس سے کوئی فیض مسجد کو نہیں پہونچا۔ لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ حصہ موقوفہ کو بیع کر کے زندگی ہی میں مسجد کو لگا دیا جاوے تاکہ مجھ کو اطمینان ہو۔

مشورہ کیا گیا کہ حصہ موقوفہ کی زمین جو صرف ۳۵ گز ۳ گرہ ہے اور وہ بھی مشترک ہے اگر کسی حصہ دار کو دے دی گئی اس نے اس میں کچھ عمارت تیار کرے اور چار ماہوار کچھ دنوں تک دیتا رہا بعد کو نہ دیئے۔ جیسا کہ منتظم شخص نے کیا کہ ایک حصہ دار کو دیدی اور اس نے اس کو تعمیر بھی کرایا مگر خدائی انتظام یہ ہوا کہ بارش میں سب برابر ہوگیا جس نے اس مدت تک بھی ایک پیسہ مسجد کو کرایہ کا نہ دیا۔ لہٰذا کوئی صورت ایسی معلوم نہیں ہوتی جس سے محض زمین کی حالت موجودہ سے مسجد کو فائدہ پہونچے لہٰذا اس مساۃ نے دیگر صاحبان سے بہ مشورہ دیا کہ دکان مسجد کو جس کا کرایہ اب عہ ایک روپیہ ماہوار ہے۔ اگر دکان مسجد کی چھت اونچی کرا کر کیواڑ لگوا دی جائے تو عہ ماہوار کی آمدنی کی دکان ہو جاوے گی بجائے چار ماہوار کے حساب سے ؎ ؎ سالانہ ہوتے ہیں اس صورت سے بارہ روپیہ سالانہ کی آمدنی مسجد کو ہو جاوے گی اور زمین جو اس وقت تک مسجد کی بیکار ہے کارآمد ہو جاوے گی اور مساۃ کے دل پر جو خیال ہے کہ زمین کو کوئی حصہ دار نہ دبالے صاف ہو جاوے گی اور مسجد کو کافی نفع اور فائدہ پہونچے گا اور ہمیشہ ہمیشہ ہونچتا رہے گا۔ لہٰذا درصورت زمین موقوفہ کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟ خریدار خرید سکتا ہے کہ نہیں اور جو صاحبان اس کام میں شریک ہوں گے وہ گنہگار تو نہ ہوں گے؟

الجواب: اس زمین کو فروخت کر کے کوئی دوسری جائداد خریدی جاسکتی ہے جس کی آمدنی مسجد میں صرف ہوتی رہے اور یہ جائز نہیں کہ اس روپیہ کو مرمت دکان میں صرف کیا جائے کہ یہ ابطال وقف ہوگا۔

اور ابطال وقف ناجائز درمختار میں ہے۔ وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخری حینئذ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیة کالاولی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ قادر بخش محمد بخش صاحبان، ناگور، علاقہ جودھپور، مارواڑ، ۱۳ رجب ۳۲ھ

ایک مسجد قدیم جس کا صحن وسیع کرانیکی ضرورت ہے۔ اور اس کا کچھ حصہ منہدم بھی کیا جاکر پتھر وغیرہ جو نکلیں گے اسمیں لگا دیئے جاویں گے۔ اور اگر کچھ پتھر یا لکڑی وغیرہ بچی رہی تو اس کو فروخت کرکے اسکی قیمت اس میں صرف کردی جاویگی لہٰذا اسمیں کیا حکم ہوتا ہے؟

الجواب:۔ جو چیزیں مسجد کے کام میں نہ آسکیں بیکار ہو جائیں انھیں بیچ کر قیمت مسجد میں صرف کیجائے مگر خریدار کو چاہئے کہ وہ چیز بے ادبی کی جگہ میں نہ لگائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ عبدالحکیم صاحب شہر کانپور۔ محلہ مصری بازار، بمسی محمد تقی۔ ۳ رجب ۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں مورث زید نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور جائداد اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ درجہ بدرجہ اپنے خاندان میں جو بڑا ہو متولی ہو اور مرمت مسجد تعین مؤذن اور جاروب کش کا حق اس طریقہ پر دیا کہ اگر جاروب کشی و مؤذن گیری خود متولی کرے تو مشاہرہ خود لے سکتا ہے ورنہ خود انجام نہ دے سکے تو دوسرے کو مقرر کرے اور خرچ جائز و ناجائز کے حساب و کتاب سمجھنے کا حق کسی دوسرے مسلمان کو نہیں دیا ایسی حالت میں یہ وقف نامہ بغرض حفاظت جائداد سمجھا جائے گا یا جو عام طریقہ سے وقف نامہ مروج ہے وہ سمجھا جائے گا؟

الجواب:۔ وقف نامہ میں ایسی شرط ذکر کرنا کہ متولی کو جائز و ناجائز جو چاہے خرچ کرے اختیار ہے کوئی اس سے حساب بھی نہ لے سکے یہ شرط باطل ہے متولی تو متولی خود واقف بھی اگر دیانت کے خلاف کام کرے معزول کردیا جائے گا اگرچہ یہ شرط ہو کہ معزول نہ کیا جائے کہ یہ شرط مصلح وقف کے خلاف اور حکم شرع کے مخالف ہے درمختار میں ہے۔ ینتزع وجوبا بزازیه لو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون وان شرط عدم نزعه اوان لاینزعه قاض ولاسلطان لمخالفته لحکم الشرع فیبطل[2]۔ نیز اسی میں معروضات علامہ مفتی ابوالسعود سے ہے۔ لو شرط الواقف

---

[1] درمختار ج ۳ ص ۴۲۴۔ کتاب الوقف۔ ۱۲، مصباحی۔ [2] درمختار ج ۳، ص ۴۲۱، کتاب الوقف ملخصاً۔

العزل والنصب وسائر التصرفات لمن یتولی من اولادہ ولا یداخلھم احد من القضاۃ ولا امراء و
ان داخلوھم فعلیھم لعنۃ اللہ ھل یمکن مداخلتھم فاجاب بانہ فی سنۃ اربع واربعین وتسع
مأۃ قد حررت ھذہ الوقفیات المشروطۃ ھکذا فالمتولون من الامراء یعرضون للدولۃ
العلیۃ علی مقتضی الشرع ومن دونہ رتبۃ یعرض بآرائھم مع قضاۃ البلاد علی مقتضی المشروع
من المواد لا یخالف القضاۃ المتولین ولا المتولون القضاۃ بھذا ورد الامر الشریف فالواقفون لو ارادوا
ای فساد صدر ویصدر واذا داخلھم القضاۃ والامراء فعلیھم اللعنۃ ۔ فھم الملعونون لما تقرر ان الشرائط
المخالفۃ للشرع جمیعھا لغو وباطل ۔ ردالمحتار میں ہے۔ حاصلہ ان الواقفین اذا شرطوا ھذا الشرط ولعنوا
من یداخل الناظر من الامراء والقضاۃ کانوا ھم الملعونین لانھم ارادوا بھذا الشرط انہ مھما
صدر من الناظر من الفساد لا یعارضہ احد وھذا شرط مخالف للشرع وفیہ تفویت المصلحۃ
للموقوف علیھم وتعطیل الوقف فلا یقبل[1]۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ حساب سمجھیں اگر خیانت پائیں متولی کو معزول
کردیں ایسی شرط کا کچھ اثر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: از برہان پور سی پی سرسلہ ڈی عبدالرحیم سوداگر چرم ۔ ۲۷ ذیقعدہ ۳۵ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں مسئلہ وقف ایک شخص نے مسجد اور چھ دکانیں بنوا کر وقف کردی ان
دکانوں میں قوم بواہر کرایہ سے رہتے ہیں اور دکانوں کا کرایہ نامہ آج تک یعنی ۴۵ و ۵۵ سال سے نہیں لکھا گیا ہے اور
سالہا سال ماہ رمضان المبارک کی ۲۷ تاریخ کو کرایہ وصول ہوتا رہا مگر دو سال سے قوم بواہر جو کہ کرایہ دار ہے کرایہ دینے
سے انکار ہے اور کہتے ہیں کہ دکان کو خرید لیا ہے اور یہ خرید و فروخت آپس میں کرا آدار ول نے کی ہے۔ ایسی صورت
میں خرید و فروخت مال وقف کی جائز ہے کہ نہیں۔ اور وہ کرایہ دار ۴۵ و ۵۵ سال سے ہیں اور مال وقف کی کوئی تحریر
وغیرہ نہیں ہے مگر سرکاری نقشہ میں مسجد اور دکانوں کا حوالہ ہے۔ امید ہے کہ اس مسئلہ پر بہت جلد غور فرما کر
مطلع فرمادیں گے؟

---

[1] درمختار و ردالمحتار ج ۳ ص ۴۲۷ ۔ کتاب الوقف ۔ مصباحی

الجواب: جب اس شخص نے دکانیں وقف کردی ہیں تو اس کے بیچنے کا خود بھی حق نہیں رکھتا دوسرا کوئی شخص کب ان کی بیع کرسکتا ہے کہ مسجدیں ملک الٰہی ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہوا اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ مسجد یا اس کے متعلقات کو نہ کوئی بیچ سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے یہ تو کار آمد چیزیں ہیں کہ ان کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے یا ہوگی۔ مسجد کا بیکار سامان بھی بغیر اذن قاضی فروخت نہیں کیا جاسکتا فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغير اذن القاضي الاصح انه لا يجوز كذا في السراجية[1]۔ کرایہ داروں کا یہ کہنا کہ ہم نے خرید لیا ہے باطل محض ہرگز مسموع نہیں ہو سکتا، بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ پوری کوشش کرکے احیائے وقف کریں اور ان کرایہ داروں سے دکانوں کو خالی کرالیں اگر بالفرض کسی نے ان کے ہاتھ بیع کردیا ہے جب بھی اس کا کچھ اثر نہیں کہ بیع باطل ہے قاضی ایسی بیع کے جواز کا حکم نہیں دے سکتا بلکہ اگر قاضی فیصلہ کردے تو فیصلہ باطل ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے۔ ولو قضى الحنفي بصحة بيعه فحكمه باطل لانه لا يصح الا بالصحيح المفتى به[2]۔ وقف کے متعلق تحریر کی کوئی حاجت نہیں نہ مسلمانوں میں مساجد کے متعلق وقف نامہ لکھنے کا رواج ہے وقف کے لئے شہرت کافی ہے اور بربنائے شہرت وقف کی شہادت جائز و معتبر، عالمگیری میں ہے۔ الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ حاجی محمد یٰسین عفی عنہ بردوکان ایس۔ ایم۔ قاسم برادرس سٹن روڈ کانپور۔ ۲ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید فاتر العقل ہے اس کے ولی شرعی برادر حقیقی اکبر اور دیگر ورثاء پدر زید نے ایک اقرار نامہ بذیل مضمون لکھ دیا کہ زید چونکہ فاتر العقل ہے۔ اور کوئی وجہ معاش اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس لئے زید کو جو کچھ ورثہ اس کے پدر کا پہونچتا ہے۔ اس کے بابت فلاں نمبری مکان مع دوکان ہم جملہ ورثاء باہم رضامندی سے اسکو لکھ دیتے ہیں کہ وہ تاحیات خود اس کے کرایہ سے متمتع ہوتا رہے۔ اور اس کی وفات کے بعد مکان مع دکان مذکورہ بحق مدرسہ فلاں بصیغہ تعلیم قرآن شریف حسبۃً للہ وقف متصور ہو کر زیر اہتمام مہتمم موجودہ وقف مدرسہ کو دیدیا جاوے۔ کسی وارث خواہ مہتمم ترکہ کو اس میں حق دست اندازی

---

[1] عالمگیری، ج ۲ ص ۴۹۳، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد۔ [2] ردالمحتار عن البحر، ج ۳ ص ۴۳۱ کتاب الوقف۔ [3] ج ۲، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الشہادۃ۔ ۱۲۔ مصباحی۔

حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی دعوی کرے تو باطل و ناجائز ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ وقف صحیح ہے یا نہیں بحوالہ کتاب
جواب سے مطلع فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: وقف مذکور صحیح نہیں اور اس کی چند وجوہ ہیں اول یہ کہ واقف کا مالک ہونا
شرط وقف ہے۔ اور یہاں وقف کنندہ مالک نہیں کہ یہ جائداد زید کی ملک ہے اور وقف کرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔
فتاوی عالمگیری شرائط وقف میں ہے۔ منها الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها
ودفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفا كذا في البحر الرائق[1]۔ ردالمحتار میں ہے۔ الواقف
لابد ان يكون مالكه وقت الوقف ملكا تاما ولو بسبب فاسد[2]۔ دوم یہ کہ وقف کے لئے ناجز ہونا شرط ہے
وقف معلق وقف نہیں اور یہاں زید کے مرنے پر وقف کیا جاتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے۔ وشرطه شرط سائر التبرعات
وان يكون منجزا[3]۔ عالمگیری میں ہے۔ ومنها ان يكون منجزا غير معلق۔ نیز اسی میں ہے۔ رجل قال ان مت من
مرضي هذا فقد وقفت ارضي هذه لا يصح برئ او مات وان قال ان مت من مرضي هذا فاجعلوا ارضي
وقفا جاز والفرق ان هذا تعليق والتوكيل بالشرط وذالك يجوز كذا في الجوهرة النيرة[4]۔ یہ امر آخر
ہے کہ اس صورت میں اگر اپنی ملک کو موت پر معلق کرکے وقف کرے تو اسے وصیت قرار دیں گے۔ اور ثلث میں اس کا نفاذ
لازم ہوگا۔ مگر صحیح مذہب پر وقف کے احکام اس کے لئے نہ ہوں گے۔ درمختار میں ہے۔ اذا مت فقد وقفت داری علی
كذا فالصحيح انه كوصية تلزم من الثلث بالموت لا قبله[5]۔ ردالمحتار میں ہے۔ اما في تعليقه بالموت
فالصحيح انه لا يزول ملكه الا انه تصدق بمنافعه مؤبدا فيصير بمنزلة الوصية بالمنافع
مؤبدا فيلزمه والحاصل انه اذا علقه بموته فالصحيح انه وصية لازمة

---

[1] عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الباب الاول، [2] ردالمحتار کتاب الوقف ج ۳ ص ۳۹۴۔ [3] تنویر الابصار ج ۳ ص ۳۹۳۔ [4] عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف الباب الاول فی الشرائط۔ [5] درمختار وردالمحتار ج ۳ ص ۳۹۷ کتاب الوقف، [6] درمختار ج ۳ ص ۳۹۴۔ [7] عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الباب الاول۔ [8] فتح القدیر ج ۵ ص کتاب الوقف ۱۲ مصباحی

لکن لم یخرج عن ملکہ[۳] الخ۔ سوم۔ یہ کہ اگر خود زید وقف کنندہ ہوتا تو بوجہ جنون اس کا وقت صحیح نہ ہوتا اگرچہ فاتر العقل بمعنی مجنون ہو کہ واقف کا مکلف ہونا شرط ہے درمختار میں ہے۔ وشرطہ شرط سائر التبرعات کحریتہ وتکلیف[۴] عالمگیریہ میں ہے۔ فلا یصح الوقف من الصبی والمجنون[۵]۔ اور اگر زید سفیہ ہو اور وقف کی یہ صورت ہو کہ وہ منافع اپنی زندگی بھر خود اپنی ذات پر خرچ کرے گا۔ اور بعد موت امور خیر میں صرف ہونگے۔ تو حسب تصریح امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ جائز ہے۔ جب کہ قاضی نے اس کے جواز کا حکم دیدیا ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ وینبغی اذا وقفہا المحجور لسفہ علی نفسہ ثم علی جہتہ لا تنقطع ان یصح علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وھو الصحیح عند المحققین وعند الکل اذا حکم بہ حاکم[۶]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک اراضی ہے تھوڑی عمارت کے قدیم سے وقف تھی اور اس میں تمام افراد خاندان واقف کے پڑھتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے تھے علاوہ افراد خاندانی شل محلہ بھی اوقات خاص میں منتفع ہوتے ہیں۔ اب چند برسوں سے ایک صاحب نے اپنی طرز عمل وحکمت عملی سے تمام افراد خاندانی کو بے دخل کر کے علاحدہ کردیا۔ اور خود عمارت کو توڑ کر اپنے روپیہ سے اور حسب مرضی خود بنایا۔ اور محض اپنے اور اپنے خواص کے دوسرے افراد خاندانی سے الگ کر کے مخصوص کرلیا۔ اور بعض عمارت کو نامزد کر کے مقفل کردیا تاکہ کوئی شخص جو جماعت خاص کا ممبر ہو یا مخالف گروہ کا ہو جو تمام کے تمام افراد خاندانی ہیں منتفع نہ ہو سکے اور محض روایات زبانی ایسی سنی جاتی ہیں کہ مخصوص لوگوں نے جب کہا کہ عمارت میں اس قدر روپیہ کا صرف کرنا اور اراضی موقوفہ ہونا یہ صحیح وٹھیک نہیں تو واقف کار لوگوں سے تو گریز کیا اور اپنی مخصوص جماعت میں کہا کہ میرا تو اپنا مکان زنانہ نشستگاہ بنا رہا ہوں۔ کون ہے جو مجھے نکالیگا۔ کیا وقف اور کسی کا وقف اگرچہ اس وقت تک نمائشی طور پر اس عمارت جدید کے ایک حصہ میں مدرسہ بھی جاری ہے جس میں طلبہ تعلیم پاتے رہتے ہیں باقی عمارت ومخصوص نامزد ومقفل ہیں ایسی صورت میں جبکہ اکثر بڑی عمر کے لوگ جو واقف حال وحاضر باش خدمت اکابر پر تو ہی ختم ہو چکے ہیں یہ احتمال قوی ہے کہ وقف مناسب پر علی الاعلان دعویٰ ملکیت کیا جاوے گا۔ اور ثبوت میں اپنا قبضہ مخالفانہ مدت کا اور اس پر اپنے روپیہ سے عمارت کا بنانا اور کسی کا معترض نہ ہونا بطور دلیل وبرہان بیان کر کے عدالتہائے قانونی سے سبکدوش وحق گو حضرات کو خاموش کرنے کا موقع پیش کیا جاوے گا۔ دراں حالیکہ نہ کوئی وقف

نامہ تحریر و رجسٹری شدہ موجود ہے نہ کوئی تولیت نامہ مصدقہ رجسٹری موجود ہے۔ نہ کاغذات بندوبست میں وقف ہونا درج ہے اور نہ اب تک رجسٹر اوقاف موجودہ دفتر جی میں اس کا اندراج ہے حالانکہ قانون وقف کو جاری ہوئے اور رجسٹری اوقاف کو مرتب ہوئے کئی سال گذر گئے ہیں۔ ان تمام صورتوں کے ہوتے ہوئے زید مذکور کو اراضی وقف پر اپنے روپئے سے تعمیر جدید کرنا اور ان کے بعض حصص کو مقفل کر دینا یا نامزد کر دینا اور دوسرے تمام افراد خاندانی کو خلاف تعامل الگ کر دینا اور رجسٹر وقف موجودہ جی میں اندراج نہ کرانا عند الشرع کیا حکم رکھتا ہے؟ اور افراد خاندانی کو خصوصاً و عموماً اہل محلہ و شہر پر جو واقف حال وقف تعامل قدیم ہیں کیا کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کو اب کیا کرنا چاہئے؟ جس سے تعامل قدیم و حفاظت وقف کا حصہ ہو جاوے؟

الجواب: جب وہ زمین موقوفہ ہے اور عمل درآمد قدیم سے اس کا وقف ہونا ثابت ہے تو اس پر قبضہ مالکانہ کرنا ناجائز و حرام ہے۔ اور ایسے شخص کو اس کی تولیت سے بھی علیٰحدہ کر دینا ضروری ہے جس کی نسبت احتمال قوی ہے کہ وقف کا ابطال کرنا چاہتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ وینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون۔ وہاں کے مسلمانوں پر وقف کی حمایت کرنا ضروری ہے۔ اور اس کا اندراج حکومت کے کاغذات میں کرا دینا ضروری ہے ورنہ ایسی حالت میں کہ بعض لوگ اپنی ملک کا دعوی کر رہے ہیں۔ بہت اندیشہ ہے کہ وقف پر مالکانہ قبضہ ہو جاوے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از گول بازار۔ راجپور۔ سی۔ پی۔ مرسلہ جناب مرزا ولی اللہ بیگ صاحب۔ ۱۶ر شعبان ۱۳۶۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔

(الف) کیا وقف شدہ جائداد جو کہ کسی بھی مسجد میں واسطے ایصال ثواب کے واقف نے وقف کی ہو بک سکتی ہے یا نہیں اور کسی بھی متولی کو بھی اس اوقاف کے بیچنے یا بیع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

(ب) چونکہ مسجدیں تمام یہاں کے مسلمانوں کے چندہ سے بنی ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ متولی بھی تمام جماعت مل کر منتخب کرتی ہے۔ لہٰذا متولی مسجد نے چند جائدادیں بغیر اجازت جماعت کے مشورہ کے فروخت کر دیں تو کیا اس قسم کا متولی مذکور بالا کو اوقاف کے بیچنے یا بیع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟۔

(ج) جب کہ واقف نے اوقاف کو اس طرح وقف کیا ہو کہ اگر متولی مسجد اس بات کی ضرورت محسوس کرے کہ یہ جائداد بابت

بیچ کر اصراف مسجد لائے تو متولی مسجد کو اختیار ہے کہ بیچ دے اس حالت میں کیا حکم ہے؟

(د) اور حالات برعکس ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مسجد میں اب کسی کام یا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہے تو مسلمانوں سے مدد طلب کرنے پر مسجد کا کام جیسا کہ آج تک ہوا ہے ہو سکتا ہے اور مسجد کے جملہ اخراجات میمن جماعت پورا کرتی ہے اور تمام مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان جائدادوں کو جو کہ فروخت ہو چکی ہیں واپس لیکر ا ور اسے اچھی حالت میں کرکے کرایہ پر چلائیں اور اسکے سے مسجد کو فائدہ پہونچائیں اور یہ جائدادیں خراب نہ ہوں تمام مسلمانوں کو اس پر اتفاق ہے کہ واقف نے کسی صورت سے وقف کیا ہو۔ اوقاف بلا ضرورت نہیں بک سکتے اور متولی مسجد (فروخت کنندہ) کہتے ہیں مجھے اختیار ہے واقف کے وقف کے مطابق اوقاف کو فروخت کر سکتا ہوں اور فروخت کرنے کے پہلے مسلمانوں نے مشورہ لیا اور نہ کسی مسلمان کو خبر ہوئی لہٰذا مع آیات قرآنی و احادیث صحیحہ سے عام فہم جواب دیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب (الف): جائداد موقوفہ کی بیع نہیں ہو سکتی البتہ جائداد موقوفہ کو دوسری جائداد سے بدل سکتے ہیں جبکہ واقف نے وقف میں استبدال کی شرط ذکر کردی ہو۔ اور استبدال کیلئے چند شرطیں ہیں مثلاً ایک شرط یہ ہے کہ جائداد غیر منقولہ سے استبدال ہو یا وقف نامہ میں یہ شرط ہو کہ اسے بیچکر اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدی جائے عالمگیری میں ہے۔ فیلزم ولا یباع ولا یوھب ولا یورث کذا فی الھدایۃ[1]۔ درمختار میں ہے۔ فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک[2]۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای لا یکون مملوکا لصاحبہ ولا یملک ای لا یملک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ ویستثنیٰ من عدم تملیکہ ما لو اشترط الواقف استبدالہ[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) وقف میں بعض تصرفات خود متولی کر سکتا ہے اور بعض کے لئے قاضی سے اجازت کی ضرورت ہے اگر وقف نامہ میں ایسی شرط تھی اور اس شرط کے موافق کیا ہے مثلاً اس کے بدلے میں دوسری جائداد خرید لی یا جائداد

---

[1] عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الباب الاول۔ [2] درمختار ج ۲ ص ۴۰۲ کتاب الوقف۔ [3] ردالمحتار ایضاً۔ ۱۲ ار مصباحی۔

غیر منقولہ سے بدل کیا اور متولی کو واقف نے ایسا اختیار دیا ہے تو ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ج، د) اگر وقف نامہ کے یہی الفاظ ہیں جو سوال میں لکھے گئے تو اس شرط کی وجہ سے وقف بھی جاتا رہا۔ کیونکہ یہ شرط خود وقف کے منافی ہے۔ وقف میں یہ ہوتا ہے کہ موقوف کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی اپنے اوپر یا کسی کارِ خیر میں صرف ہوتی ہے۔ اور بیع کی شرط سے اس چیز کے لئے بقا نہ رہی۔ اور تابید وقف کی صحت کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا یہ وقف کہ اس نے کیا باطل ہے۔ درمختار میں وقف کے شرائط میں یہ ہے ولا ذکر معہ اشتراط بیعہ وصرف ثمنہ لحاجتہ فان ذکرہ بطل وقفہ[1] البتہ استبدال درست ہے جبکہ اس کی شرط واقف نے کر دی ہو اور استبدال میں دوسری جائداد پہلی کے قائم مقام ہوگی۔ اور بدستور وقف باقی رہے گا۔ درمختار میں ہے۔ وجاز شرط الاستبدال بہ او شرط بیعہ ویشتری بثمنہ ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیۃ کالاولی[2]۔ اور واقف نے اگر ان لفظوں سے وقف کیا ہے تو اس سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اسی جائداد کی قیمت مسجد پر صرف کی جائے۔ نہ یہ کہ اس کی آمدنی صرف ہو اور چیز باقی رہے اور یہ مسجد نام ہبہ یا تصدق ہوگا۔ کہ متولی کے قبضہ کر لینے پر تمام ہوگا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ رجل تصدق بدارہ علی المسجد او علی طریق المسلمین تکلموا فیہ والفتوی علی انہ یجوز[3]۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو قال وھبت داری للمسجد او اعطیتھا لہ صح ویکون تملیکا فیشترط التسلیم[4]۔ تو اگر اس صورت میں داخل کر کے اسے بجائے وقف ہبہ تصور کیا جائے تو اب یہ مسجد کی ایک چیز ہوگی۔ واہب کی شرط وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ حقیقۃً اگر مسجد کو ضرورت ہے تو متولی دیگر مسلمانوں سے رائے لیکر مسجد پر صرف کرے اپنے آپ بغیر مشورہ مسجد کی اشیاء کو نہیں بیچنا چاہئے مسجد کی چیزیں فروخت کرنے کے لئے اذن قاضی کی ضرورت ہے مگر چونکہ یہاں قاضی موجود نہیں اہل الرائے اور

---

[1] درمختار ج ۲ ص ۳۹۴ شرائط الوقف۔ [2] درمختار ج ۳ ص ۴۲۴ کتاب الوقف۔ [3] قاضی خان نیز عالمگیری ج ۲ ص ۳۳۹ میں ہے۔ اذا تصدق بدارہ علی مسجد او علی طریق المسلمین تکلموا فیہ والمختار انہ یجوز کالوقف کذا فی الذخیرہ۔ [4] عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد۔ ۱۲، مصباحی۔

سمجھدار اور قابل اطمینان متدین مسلمانوں سے رائے لیکر ایسا کرنا ابعد ہے کہ کافی ہو اور اس کے مواخذہ سے بچ جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از مقام بنی پور۔ ضلع بھروچ۔ مرسلہ جناب اسماعیل ولی بھائی صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کسی وقف قبرستان کا متولی ہو اور وہ شہر کا قاضی بھی کہلاتا ہو وہ قاضی اس وقف قبرستان کو جس میں سیکڑوں قبریں فی الحال موجود ہیں کسی بیوپاری کے ہاتھ بیچ دے اور اس وقف شدہ قبرستان میں کوڑا پڑتا ہو تمام لوگ پائخانہ پھرتے ہوں قبروں پر جلانے کی لکڑی اور مکان بنانے کی لکڑان قبروں پر ڈالے جاتے ہوں چونی کی بھٹی لگائی جاتی ہو۔ اینٹ چونے پکائے جاتے ہوں ہنود لوگ جو وہاں رہتے ہوں وہ مذکور قبرستان میں قبروں پر پیشاب پائخانہ کرتے ہوں ایسی بے حرمتی قبرستان کی ہوتی ہو اس کیلئے کیا حکم ہے اور ایسے متولی قاضی جس نے یہ قبرستان فروخت کیا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: قبرستان کو بیع کرنا باطل ہے اور یہ بیچنے والا گنہگار ہے تمام کتب فقہ میں مذکور ہے۔ فلا یباع ولا یوھب یعنی وقف کو بیع نہیں سکتے۔ عالمگیری و ردالمحتار وغیرھما میں ہے کہ وقف کی باطل ہے۔ اور ایسے کو تولیت سے علیحدہ کر دینا واجب۔ تنویر الابصار میں ہے۔ وینزع وجوبا لو الواقف غیر مامون مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے خائن کے ہاتھ سے وقفی جائداد کو فوراً نکال لیں اور کسی امین دیانت دار کارگزار کو متولی مقرر کریں۔ قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاخانہ پھرنے کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں تفصیل دیکھنا چاہیں تو رسالہ اہلاک الوہابین کا مطالعہ کریں مسلمانوں کے قبرستان میں آگ جلانا اور چونے بھٹی لگانا تو بہت اشد ناجائز ہے قبرستان میں آگ لے جانے کی اجازت نہیں نہ کہ قبروں پر بھٹی لگانا جس نے اس قبرستان کو دوسروں کے قبضہ میں دیکر اموات مسلمین کی سخت توہین کی۔ وہ فاسق ہے گنہگار ہے مستحق عذاب نار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از غازی پور، محلہ بربر منہ، مرسلہ جناب محمد رفیق صاحب محرر مولوی غلام محمد محی الدین وکیل ۳ر صفر المظفر ۱۳۸۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک ٹکڑا زمین کی متعدد مالکان ہیں ان میں سے ایک نے یا چند نے اس زمین کو بلا اجازت واطلاع وعلم دیگر شرکاء، اگر وقف کیا تو کیا ایسا وقف جائز ہے؟

اگر وقف ناجائز ہے تو ان لوگوں کے حصہ کی بابت جنہوں نے وقف کیا ہے وہ وقف ناجائز ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ازحد عنایت ہوگی اگر جواب مع حوالہ کتاب وصفحہ وغیرہ دیا جائے؟۔

الجواب:۔ اگر وہ زمین جسکو بعض نے وقف کیا ہے غیر قابل قسمت ہے جب یہ وقف تو بالاتفاق صحیح ہے اگر قابل قسمت ہے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وقف بھی صحیح ہے۔ اور اسی قول کو متاخرین نے اختیار کیا۔ اور اس پر فتویٰ دیا عالمگیری جلد ۲، صفحہ ۳۷۳ میں ہے۔ الشیوع فیما لایحتمل القسمۃ لایمنع صحۃ الوقف بلاخلاف و وقف المشاع المحتمل للقسمۃ لایجوز عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ اخذ مشائخ بخاری وعلیہ الفتوی کما فی السراجیۃ والمتاخرون افتوا بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یجوز وھو المختار کما فی خزانۃ المفتیین ۔ درمختار میں ہے۔ ولختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسھل بحر وفی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۳۷۷ میں ہے لکن فی الفتح ان قول ابی یوسف اوجہ عند المحققین ۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ از پورنیہ محلہ سید باڑہ۔ مرسلہ جناب شمس العالم صاحب۔ ۱۵ رجب ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف مسائل ذیل میں کہ زید نے اپنے بھائی کی لاش ایسے مزروعہ اراضی وقف میں جو کسی مقدس آستانہ اور مسجد کی خدمت کے لئے وقف ہے نہ تدفین موتی کیلئے اور نہ کبھی کسی کی لاش اس میں دفن کی گئی تھی بغیر علم واجازت اور خلاف مرضی جناب متولی وقف مذکور دفن کی لہذا بہ چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں؟

(۱) کیا حقوق تولیت سے باہر ہے کہ زید اس کارروائی کو قبول کرلیں۔ یا سکوت اختیار فرمائیں؟

(۲) سکوت یا قبول اختیار فرمانے کی تقدیر پر قبر مذکور کا احترام مثل احترام دیگر قبور مؤمنین مثلاً عدم جواز قیام و قعود علی القبر اس پر یا اسکی طرف نماز و زراعت کی ممانعت وغیرہا واجب ہوگا یا نہیں؟

(۳) حاکم ضلع کے اجلاس میں تخلیہ ارض یا تسویہ قبر کا استغاثہ زید پر کرنا تولیت پر واجب ہے یا نہیں؟

(۴) اگر تخلیہ یا تسویہ میں افساد بین المسلمین کا خطرہ غالب ہو تو اس پر کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے جسمیں تولیت کے لیے عند اللہ بہتری ہو؟

(۵) تسویہ کی صورت متعین ہونے کی تقدیر پر اگر سردست دفع فساد کے خیال سے اغماض کیا جائے پھر بعد چندے

مناسب وقت میں ہموار کرا کے مثل آراضی غیر قبر اس زمین سے نفع حاصل کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- جب وہ زمین وقف ہے تو جس کام کے لئے وقف ہے وہی کام اس سے لیا جا سکتا ہے دوسرا کام اس سے لینا ناجائز ہے۔ متولی کو یہ ہرگز اختیار نہیں کہ ایسی زمین میں مردہ دفن کرنے کی اجازت دے بلکہ اگر اجازت دے گا تو یہ خود اس کی خیانت ہوگی فتاوی عالمگیری میں ہے۔ سئل القاضی الامام شمس الائمۃ محمود الاوزجندی عن مسجد لم یبق لھم قوم وخرب ما حولہ واستغنی الناس عنہ ھل یجوز جعلہ مقبرۃ قال لا وسئل ھو ایضاً۔ عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا قال لا ولھا حکم المقبرۃ کذا فی المحیط[1]۔ نیز اسی میں ہے۔ ارض وقف علی مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلھا رجل حوضا للعامۃ لا یجوز للمسلمین انتفاع بذالک الحوض کذا فی القنیۃ۔ جب باوجود ناقابل زراعت ہونے کے اس میں ایسا تصرف جو عامۂ مسلمین کیلئے مفید ہو نا جائز ہے۔ تو قابل زراعت ہونے کی صورت میں تصرف کرنا اور وہ بھی ایسا تصرف جو عامۂ مسلمین کے نفع کیلئے نہ ہو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں متولی کو فرض ہے کہ وقف کی حفاظت کرے ایسی کارروائی کو قبول کرنا یا اس پر سکوت کرنا متولی کو ناجائز ہے۔ بلکہ متولی پر لازم ہے کہ زمین موقوفہ کو خالی کرائے۔ اور اگر متولی کے کہنے سے تخلیہ نہ کرے تو قانونی کارروائی کرکے اس زمین کو نکالنا ضروری ہے یہ زمین چونکہ مزروعہ ہے اور اس لئے ہے کہ آمدنی مسجد وغیرہ پر صرف ہوگی لہٰذا اس میں اگر مردہ دفن کیا گیا تو میت کے گھر والوں کو حکم دیا جائے گا کہ یہاں سے اپنا مردہ نکال لے جائیں اور نہ نکالیں تو زمین کو ہموار کرکے اس پر زراعت کی جائے اور اس صورت میں میت کی جو کچھ بے حرمتی ہوگی اس کا وبال دفن کرنے والوں پر ہے۔ کہ انھوں نے ایسی جگہ پر کیوں دفن کیا جہاں دفن کرنے کا ان کو حق نہ تھا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیھا کذا فی التجنیس[2]۔ متولی پر

---

[1] عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۱، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر۔ [2] عالمگیری ج ۱ ص ۸۵ کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس فی القبر والدفن۔ ۱۲، مصباحی

چونکہ وقف کی حفاظت لازم ہے اور جو لوگ وقف کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں متولی کو ان کی مراعات کیوجہ سے وقف میں نقصان پہونچانا ہرگز جائز نہیں ورنہ متولی بھی گنہگار ہوگا اور یہ خیال کہ اس وقت سکوت کیا جائے بعد کو قبر برابر کردی جائے گی۔ درست نہیں کہ زیادہ زمانہ گذرنے پر ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اگر دفن کرنا جائز نہ تھا تو متولی نے اب تک سکوت کیوں کیا اور وقف میں ایسے اوہام کی بھی مراعات کیجاتی ہے اسلئے وقفی زمین کو تین سال سے زیادہ تک کرایہ پر دینا فقہاء منع کرتے ہیں کہ امتداد زمانہ کے بعد کرایہ دار ملک کا دعویٰ نہ کر بیٹھے اور وقف کو نقصان نہ پہونچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ حمید اللہ خاں، محلہ بہاری پور۔ بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بطور ایک مستری کے تعمیر مسجد کا حسب ہدایات متولی مسجد کے کررہا تھا۔ متولی نے زید کو کام کرنے کی ایک حد مقرر کردی تھی۔ لیکن جب زید کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک اور مستری بھی اسمیں کام کرنے کے واسطے آوے گا۔ (کہ جس نے بہت پیشتر سے دو یوم بلا اجرت کام کرنے کا وعدہ کرلیا تھا) تو زید نے اس کی سخت مخالفت کی کہ وہ میری موجودگی میں کام نہیں کرسکتا۔ اور اگر وہ کریگا تو میرا ان کا جھگڑا ہوجائیگا بعدہٗ زید نے بلا اجازت متولی کے محض اپنی رائے سے اس حد مقررہ سے کہ جسکو متولی نے مقرر کیا تھا باہر ہوکر اپنی قابلیت کا اظہار کرنے کی غرض سے ایک اور جدید آدمی کو اپنی امداد کے واسطے لگاکر کام کو بڑھا دیا متولی مسجد کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ خیال کرکے کہ یہ ان لوگوں کے آپس کی بحث ہے، مستری کو کام کرنے سے نہیں روکا۔ لیکن ناظم تعمیر نے یہ کہدیا کہ اس اضافہ کام کی اجرت ہمارے ذمہ نہ ہوگی۔ چنانچہ جب وقت حساب کا آیا تو اس دن کی مزدوری نہ دینے پر زید نے سخت اظہار ناراضگی کیا۔ حتی کہ اس اضافہ کام کو گرادینے کا عزم مصمم کرلیا۔ اور ایک روپیہ چندہ تعمیر مسجد اور ایک یوم بلا اجرت کام کرنے کا جو وعدہ تھا اس کے پورا کرنے سے انحراف کیا۔ صورت اول کو دوسرے اشخاص کے سمجھانے سے منہدم کرنے سے باز رہا۔

اس واقعہ کی اطلاع جب طالب علم صاحب مدرس مرزائی مسجد کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی اجرت دے دینا چاہیئے۔ ورنہ مسجد میں کسی کی نماز نہ ہوگی۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو زید کو اجرت قطعی طور پر ادا کردی گئی۔ یہاں اتنا عرض کرنا اور رہ گیا کہ زید نے جو جدید آدمی اپنی اظہار قابلیت کے واسطے لگایا تھا اس کی اجرت عہ یومیہ دلوائی

حالانکہ ناظم تعمیر کو اس قابلیت کے آدمی کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ وہ اپنا کام ۱۲ روپیہ کے آدمی سے چلا سکتا تھا لیکن زید کے کہنے سے یہ نقصان بھی برداشت کرنا پڑا۔ ایسی صورت میں ناظم تعمیر یا متولی مسجد پر شرعی حیثیت سے قوم کے پیسے کا بیجا صرف کا، اور کوئی الزام تو عائد نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہو تو براہِ مہربانی اس کے دفعیہ کی تدبیر سے مطلع فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ کام جو زید نے متولی کے بتانے سے زاید کیا اور دوسرے کاریگر سے کرایا۔ وہ گلکاری کا کام تھا ایسے کام کے لئے مسجد کا پیسہ صرف نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے کیا یا کرایا وہ اس کا ذمہ دار ہے وہ رقم مزدوری اپنے پاس سے دے یونہی جو کام ۱۲ روپیہ پر ہو سکتا تھا اس کی اجرت ایک روپیہ مسجد سے نہیں دی جا سکتی۔ طالب علم نے مسئلہ غلط بتایا۔ یہ رقم جو بیجا صرف کی گئی ہے یہ ناظم سے وصول کی جائے گی۔ واللہ اعلم

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک موضع وقف علی الاولاد کیا اور تا حیات خود قابض و متصرف رہی اور اس موضع مذکور میں ہندہ خود کاشت بھی کراتی تھی حسب دستور سابق جس سال ہندہ کا انتقال ہوا اس سال بھی خود کاشت کی۔ ہندہ کی وفات کے وقت کاشت لائق قطع نہ تھی۔ چونکہ ہنوز بالی بھی نہیں آئی تھی۔ لہٰذا ایسی صورت میں کاشت مذکورہ کے غلہ کو شرائط وقف پر تقسیم کیا جاوے یا وہ متروکہ ہے کہ صرف اس کے وارث مالک ہوں گے۔

الجواب: جب وہ زراعت بوقت وفات ہندہ طیار نہ تھی اور ایسی بھی نہ تھی کہ دانے پڑ گئے ہوں، تو وہ غلہ وقف کے شرائط کے موافق تقسیم کیا جائیگا کہ بنا بر قول ہلال رحمہ اللہ استحقاق آمدنی وقف میں یوم حدوث غلہ کا اعتبار ہے اور امام خصاف کے نزدیک یوم القسمۃ کا اعتبار ہے لہٰذا دونوں اقوال کے رو سے نہ ہندہ اسکی مستحق ہے نہ وہ ہندہ کا متروکہ ہے ردالمحتار میں ہے۔ لو وقف علی اولادہ فاستحقاق الغلۃ یعتبر یوم حدوث الغلۃ علی قول عامۃ المشائخ لا یوم الوقف فالموجود منھم یوم الوقف والمولود بعدہٗ سواء اذا کان موجوداً یوم حدوث الغلۃ وکذا الوقف علی فقراء قرابتہ فمن کان فقیرا یوم حدوث الغلۃ یعطی لہٗ ولو استغنی بعدہ او کان غنیاً قبلہ اھ وفی التتارخانیۃ المستحق للغلۃ من کان فقیراً یوم تجی الغلۃ عند ھلال وبہ ناخذ وفی الخانیۃ وعلیہ الفتوی ثم ذکر بعدہٗ ان الخصاف

یعتبر یوم القسمۃ۔ لا یوم طلوع الغلۃ[1]۔ اور یوم طلوع وحدوث غلہ سے مراد کھیتی میں دانے پڑجانا ہے۔
ردالمحتار میں ہے۔ قال فی الفتح وخروج الغلۃ التی ھی المناط وقت انعقاد الزرع حبا وقال بعضھم یوم
یصیر الزرع متقوما ذکرہ فی الخانیۃ[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد عظیم اللہ محلہ چوڑی ہٹ۔ ضلع دیناجپور۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ عیدگاہ کا وقف ہونا ضروری ہے یا نہیں؟
یعنی بغیر وقف زمین عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کے مکان کے دروازہ پر پورب رخ سو سال سے ایک مسجد تھی اس مسجد کے پورب رخ میں ایک
نیا مکان بنا کر مسجد کو اندر مکان کے کرلیا اور مسجد گھاس پھوس کی تھی جس کو اجاڑ کر زمین کو بانس سے گھیر دیا
اور ایک دوسری مسجد نئے مکان کے پورب رخ بنوا دیا تو مسجد قدیم کو دنیاوی غرض سے نقل کرنا اور مسجد جدید میں
نماز جمعہ وغیرہ جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۱: عیدگاہ جس کو کہتے ہیں وہ تو وقف ہی ہوتی ہے مگر جس جگہ عید کی نماز پڑھی جائے
اس کا وقف ہونا ضروری نہیں مالک زمین کی اجازت سے نماز پڑھنا وہاں پر درست ہے۔ صحرا و میدان میں
بہ نسبت مسجد کے عید کی نماز بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب ۲: مسجد وقف ہوتی ہے عام مسلمانوں کو اس میں آنے اور نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے اس
کو مکان کے اندر کرلینا کہ عام طور پر لوگ اس میں نہ جاسکیں اس کا کسی کو حق نہیں ہے اور مسجد کو اجاڑ دینا بھی
جبکہ بنانے کا ارادہ سے نہ ہو یہ بھی حرام ہے اگرچہ زید نے اسے بانس سے گھیر رکھا ہے مگر جب مسجدیت کی اس
میں علامت باقی نہ رہی اور اس میں نماز بھی نہیں ہوتی تو کیا عجب کہ کچھ دنوں میں اس جگہ کو تصرف میں لایا جائے
زید نے اگرچہ دوسری مسجد بنادی ہے مگر پہلی مسجد کا ویران کردینا حرام اور سخت حرام ہے مسجد جدید میں اگرچہ

---

[1] ردالمحتار ج ۳ ص ۳۸۲، کتاب الوقف، فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد۔ ۱۲۔

[2] ایضاً ص ۳۸۰۔ مصباحی۔

جمعہ ہوسکتا ہے مگر مسلمانوں پر لازم ہے کہ پہلی مسجد کو زید سے خالی کرائیں اور اس کے تصرف سے نکالیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ: مرسلہ ظفر حسین۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سکریٹری اہل سنت والجماعت گھاس منڈی جودھپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر جودھپور میں ایک مدرسہ مسلمانان اہلسنت والجماعت حنفیہ کا محلہ چوبداراں میں چالیس پچاس سال سے جاری ہے۔ ۱۹۱۷ء میں اس مکان کو حنفیوں نے اپنے چندہ سے بمبلغ سولہ سو یک روپے دیکر خرید لیا۔ اور پٹہ یعنی قبالہ کی درخواست سرکار میں تمام سنت وجماعت کے نام سے کردی بعد طے کرنے ضوابط وقانون پٹہ۔ ۳۱ مئی ۱۹۲۳ء کو حکم نمبری ۱۳۴۴ بدیں مضمون صادر ہوا کہ مدرسہ والوں سے یہ تحریر لکھائی جائے کہ دوسرے کام میں اس مکان یعنی مدرسہ کو لائیں یا رہن رکھدیں یا بیچ دیں تو مکان ضبط کرلیا جائے گا۔ حالی چھوڑ دیا۔ اور جو زمین زیادہ بڑھائی اس کی قیمت موقوف جائداد ہونے کے لحاظ سے معاف کردی۔ ۱۹۲۵ء میں سرکار نے حنفی مسلمانوں کی درخواست پر ایک ہزار نقد و آٹھ سو کا فرنیچر عطا کیا۔ انجمن اہلسنت والجماعت نے آنا فنڈ کا چودہ سو کچھ روپیہ اور ہزار کے قریب مزید دوبارہ چندہ کرکے تین دکانیں اور تین کمرے طلباء کی تعلیم کے لئے بنوائے اور جو تکیہ مسجد اور مدرسہ میں حائل تھا اسکو شامل کرکے مسجد کو اور مدرسہ کو ملا دیا۔ اور آنے جانے کے واسطے دروازہ قائم کردیا۔ لہٰذا زمین کے بارے میں باہمی جھگڑا ہوگیا تو عارضی طور پر مدرسہ کو مسجد گول تکیہ میں منتقل کردیا مگر ایک مدرس ہمیشہ مدرسہ میں پڑھاتا رہا۔ اور ہندوستان کے جو علماء آئے ان کی قیام گاہ یہ مدرسہ ہی رہا۔ اب چند مفسد پرداز احناف نے اپنی ذاتی عناد کی بنا پر غیر مقلدوں کے بہکانے میں آکر گرل اسکول کے لئے اس مذہبی مدرسہ کو خلاف حکم حکام بالادست وتحریر قبالہ کرایہ دینے کے بہانہ سے سرکاری قبضہ میں دلانا چاہا، اور ہمارے تالوں پر تالے لگا کر آمادۂ فساد ہوگئے۔ تو اہل سنت وجماعت جودھپور کا ایک وفد مع مفصل درخواست کے سرکار میں پیش ہوا جس پر چیف منسٹر صاحب اور وزیر اعظم راج مارواڑ نے ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کو حکم بھیجا کہ تاحکم ثانی مدرسہ اسلامیہ حنفیہ اہلسنت والجماعت میں گرل اسکول نہ کھولا جائے چونکہ یہ مدرسہ خاص سنت جماعت کا ہے اس میں کل روپیہ حنفیوں کا لگا ہے۔ وہ دینی تعلیم کو ترقی دینے کیلئے اس مدرسہ کو ترقی دینا اور مسائل شرعیہ سے احناف کو آگاہ کرانا چاہتے ہیں۔ تو جو لوگ مدرسہ کو روکتے ہیں اور گرل اسکول کرنے کے بہانہ سے سرکاری قبضہ میں دینا چاہتے ہیں اور فساد کرتے ہیں کیا شرعاً جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

(نوٹ اور پٹہ میں سوائے لڑکوں کے پڑھانے کے دوسرے کام میں لانے کی ممانعت ہے۔)

الجواب:۔ جب وہ عمارت لڑکوں کے پڑھانے کے لئے وقف کردی گئی ہے تو اسی کام میں لائی جاسکتی ہے دوسرے کام میں اسکو نہیں لاسکتے اگرچہ دوسرے کام میں لانے کی ممانعت کاغذ میں تحریر نہ ہوئی اور یہاں تو اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ دوسرے کام میں لانے کی ممانعت ہے باوجود اس تصریح کے اس کو دوسرے کام میں لانا اور وہ عمارت حکومت کو دیدینا اور اس میں لڑکیوں کا اسکول قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں۔ شرط الواقف کنص الشارع۔ جائداد موقوفہ میں خلاف شرائط وقف تصرف کرنا درست نہیں جو لوگ ایسی کوشش کرتے ہیں کہ اسے حکومت کے قبضے میں دیدیا جائے یا لڑکیوں کا اسکول اس میں قائم کیا جائے وہ گنہگار اور مستحق مواخذۂ اخروی وعذاب نار ہیں کہ اولاً تو خود وقف کو خلاف شرط دوسرے کام میں لانا ہی جائز نہیں دوسرے لڑکیوں کے اسکول میں جو کچھ برے نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ اہل بصیرت پر مخفی نہیں، تیسرے علم دین کے خلاف جدوجہد کرنا خود شدید جرم وحرام ہے کہ اس فریضۂ دینی میں رکاوٹ پیدا کرنا اور علم دین سے لوگوں کو محروم کردینا نہایت سخت حرام اور اس کا عظیم وبال ہے۔ اور مسلمانوں میں فساد پیدا کرنا بھی حرام ہے قرآن مجید میں اس کی مذمت بکثرت مواقع پر مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب۔ سلمہ از گریفہ۔ ضلع چوبیس پرگنہ۔ ۲۰ محرم ۵۵ھ

مسجدوں، مدرسوں، کی تعمیر واخراجات کے لئے یا کسی اور مذہبی ودینی ضرورت کے لئے جو چندے وصول ہوتی ہیں یہ محض صدقہ ہیں یا وقف بھی کہے جاسکتے ہیں۔ اگر صدقہ ہی ہوں تو جس خاص غرض کے لئے وصول کئے گئے ہیں اس کے علاوہ دوسرے کار خیر میں خرچ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ ہندوستان میں عموماً توہین مسجد وغیرہ یا منع قربانی کیوجہ سے مسلمانوں اور ہندؤں میں فسادات ہوجاتے ہیں اور پھر مقدمہ کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے ایسے مقدموں میں چندہ دینا کار خیر ہے یا نہیں باعث اجر ہے یا نہیں؟

تعامل کی وجہ سے فقہاء نے دراہم ودنانیر کے وقف کو صحیح فرمایا ہے ہمارے ملک میں اس زمانہ میں اس کی کیا صورت ہوگی۔ پھر جس کام کے لئے دراہم ودنانیر صدقہ یا وقف کئے گئے اگر اس کے انجام پانے کی صورت نہ ہوتی اور وہ روپے یونہی رہ گئے تو اب کیا کئے جائیں گے؟

الجواب:۔ عموماً یہ چندے صدقۂ نافلہ ہوتے ہیں ان کو وقف نہیں کیا جاسکتا کہ وقف کے لئے یہ ضرور

ہے کہ اصل جنس کرکے اس کے منافع کام میں صرف کئے جائیں۔ جس کے لئے وقف ہو نہ یہ کہ خود اصل ہی کو خرچ کردیا جائے یہ چندے جس خاص غرض کے لئے کئے گئے ہیں اس کے غیر میں صرف نہیں کئے جاسکتے۔ اگر وہ غرض پوری ہوچکی ہو تو جس نے دیئے ہیں اس کو واپس کئے جائیں۔ یا اس کی اجازت سے دوسرے کام میں خرچ کریں۔ بغیر اجازت خرچ کرنا ناجائز ہے۔ ہندو مسلم فسادات کے سلسلے میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو بے شک خرچ کرنا کارخیر ہے کہ مسلم اور اسلام کی اعانت اعلاء کلمۃ اللہ ہے اس میں جو کچھ امداد کیجا سکے کار ثواب ہے اور کرنے والا مستحق اجر ہے۔

دراہم ودنانیر کو وقف کیا ہو تو ان سے کوئی چیز خرید کر یا ان کو غیر جنس سے بدل کر جو منافع حاصل کریں ان کو جہت موقوف علیہا میں خرچ کریں۔ اور اگر اس کام کے انجام پانے کی صورت باقی نہ رہے تو واقف نے جو کام بتایا ہے اس کے بعد اس میں صرف ہو اور نہ بتایا ہو تو فقراء، مساکین پر صرف کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ سید شمس السالم شاہدی۔ پورنیہ، سیدباڑہ، مورخہ یکم رجب ۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک وقف کا متولی ہے اور عمرو وظیفہ خوار زید کے ذمہ متولی وقف ہونے کی حیثیت سے عمرو کے پانچ ہزار روپئے چاہیئے۔

عمرو برابر تقاضہ کرتا ہے زید ٹال مٹول کرتا رہتا ہے لہٰذا اب نالش کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر اس رقم کے وصول کی کوئی صورت نہیں نکلی تو عمرو کا دس پانچ ہزار کے علاوہ اور ایک سو ستر روپے ماہانہ کا نقصان ہوگا مگر عمرو کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ نالش کر سکے۔ سودی روپیہ ملتا ہے۔ مگر عمرو لینا نہیں چاہتا کہ حرام ہے اس لئے عمرو اس پانچ ہزار روپیہ کو چار ہزار یا ساڑھے تین ہزار میں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ عمرو بدرجہ مجبوری یہ شرط بھی منظور کرنے کو طیار ہے کہ فی الحال مشتری چھ سات سو روپئے دے باقی وصول ہونے پر ادا کرے لہٰذا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ بیع ناجائز وحرام ہے کہ روپئے کی بیع روپئے سے ہو تو مساوات شرط صحت ہے سه

سه۔ روپئے سے مراد چاندی کا روپیہ ہے۔ جس میں مساوات شرط صحت ہے۔ نوٹ کی بیع نوٹ سے کرنے میں مساوات شرط نہیں۔ کمی بیشی بھی جائز ہے۔ ۱۲ مصباحی۔

کی بیشی حرام و سود ہے۔ اور قطع نظر اس سے دین کی بیع حرام ہے۔ اس کے لئے دست بدست یعنی تقابض بدلین شرط ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو وکیل واجیر روپیہ وصول کرنے کے لئے کیا جاوے وہ جب وصول کرلے اسکی طے شدہ اجرت دے دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از مسیح الدین۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت ذیل میں کہ ۱۹۱۹؁ء/۱۹۱۹؁ء میں پرانے قبرستان کو گورنمنٹ کے بند کردینے کے بعد جناب محمد ابراہیم ملا صاحب نے ایک قطعہ اراضی تقریباً ۱۰ ½ ایکڑ خرید کیا اور اس میں سے ۲۰۰ فٹ مربع (۲۰۰ فٹ × ۲۰۰ فٹ) مسجد اور مدرسہ اور حوض اور کنواں وغیرہ بنانے اور بقیہ اراضی قبروں کیلئے رکھی گئی اور اس کا ایک وقف نامہ ملا صاحب موصوف نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کی غرض سے لکھدیا یہ وقف نامہ انگریزی زبان میں رجسٹرڈ کیا گیا جس کا ترجمہ بزبان اردو اس سوال کے ساتھ منسلک ہے۔ اس وقف کے نظم ونسق کے لئے تیرہ متولیوں کا ایک بورڈ جن میں ایک ملا صاحب موصوف واقف بھی شامل ہیں۔ مقرر کیا گیا اور مذکورہ جائداد وقف ۱۹۲۱؁ء میں تمام وکمال ان کے قبضے میں دے دی گئی اور اب وہی متولی اس کا انتظام کررہے ہیں چونکہ اراضی موقوفہ کے انتظام وقیام ومحافظت کے لئے کوئی نقد رقم نہیں تھی اور نہ واقف نے کوئی آمدنی کی جائداد عطا فرمائی تھی اس لئے متولیوں نے یہ طے کیا کہ اس نئے قبرستان وغیرہ کا انتظام اسی طریق پر کریں۔ جس طرح پرانے قبرستان کا کیا گیا تھا۔ یعنی، (الف) جوان میت کی قبر کھودنے کے لئے فی قبر تین روپیہ بارہ آنہ اور بچے کے لئے فی قبر دو روپیہ چار آنہ تجویز فرمادیئے اور اس کے علاوہ متولیوں نے دوسری ضروریات (یعنی قبروں کے لئے) لکڑی کے صندوق اور لکڑی کے تختے اور بانس اور چٹائیاں وغیرہ قبرستان میں مہیا کردیئے اور (خواہشمندوں کے ہاتھوں) فروخت کرنے کے لئے ان کی قیمتیں مقرر کردیں۔ (ب) چونکہ یہ نیا قبرستان شہر سے بہت دور تھا اس لئے جناب سیٹھ محمد اسمٰعیل عارف صاحب نے ایک موٹر بار برداری جنازہ لانے کے لئے عطا فرمایا جیسا کہ رنگون کی دوسری جماعتوں میں کیا جاتا ہے۔ اس موٹر کا کرایہ فی جنازہ مبلغ سات روپیہ لیا جاتا ہے۔ لیکن غریبوں اور لاوارثوں کے جنازے اس موٹر پر مفت لائے جاتے ہیں، مذکورہ بالا اصول سے حاصل کی ہوئی آمدنی بطور ذیل صرف کی جاتی ہے۔ (۱) گورکنوں کی اجرت۔ (۲) موٹر ڈرائیور کی تنخواہ وغیرہ مثلاً مرمت۔ (۳) پٹرول اور موٹر آئیل۔

(روغن برائے موٹر) کی خرید۔ (۴) قبر کے لئے پلیان (صندوق) تیار کرانے کے مصارف۔ (۵) قبر کے لئے لکڑی کے تختے اور بانس اور چٹائیاں خریدنے میں۔ ان مفصلہ بالا مصارف کے علاوہ بچی ہوئی رقم مصارف ذیل میں خاص طور پر خرچ کی جاتی ہے۔

(۱) غریب اور لاوارث مسلم میت کو لانا اور باقاعدہ صحیح طریقہ پر ان کی تجہیز وتکفین یہ لاوارث زیادہ تر اسپتال کے ہوتے ہیں۔ (۲) قبرستان مذکورہ میں جہاں پر ضرورت ہو آراضی کی درستی۔ (۳) قبرستان کی دیکھ بھال رکھنے والے ملازمین اور ان لوگوں کی اجرت جو غریب اور لاوارث میت کو غسل دیتے ہیں۔ اور مالیوں اور مدرسین مدرسہ کی تنخواہیں۔ (۴) مدرسہ ملازمین کے رہنے کے لئے مکان، غسل خانے، طہارت خانے، کنواں، اور پانی کا پمپ تعمیر کروانے اور انکی حفاظت رکھنے میں اور کنویں سے پانی نکالنے کے لئے الکٹرک کا خرچ۔ (۵) متعلقہ قبرستان کھلے ہوئے مقام کا تار وغیرہ سے احاطہ۔ (۶) اس آراضی ملحقہ کی قیمت جو کہ خرید کرکے قبرستان کے ساتھ شامل کی گئی اور بعض معتبر کمپنیوں کے شہر میں (حصص) خریدے گئے۔ جملہ مصارف مذکورہ کے بعد جو کچھ فاضل رہتا ہے اس کو قبرستان فنڈ کے حساب میں جمع رکھا جاتا ہے اس غرض سے کہ جس وقت اس قدر رقم ہوجائے جو کہ وقف نامہ کے دفعات ۱۰/ اور ۱۱/ کے مطابق وقف کے لئے کوئی دوسری جائداد خریدنے کے لئے کافی ہوجائے تو متولیان اس سے ایسی جائداد خرید سکیں۔ مذکورہ وقف نامہ منسلکہ صفحہ ۲/ سطر ۱۲/ دوسو فٹ طویل اور دوسو فٹ عریض قطعہ زمین پر بعض، دین دار اہل خیر حضرات نے ایک مسجد اور نماز جنازہ کیلئے ایک جماعت خانہ اور کنواں اور وضو کے لئے حوض اور دیواریں تعمیر کی ہیں اور مذکورہ بالا طریقہ پر آمدنی سے متولیوں نے مدرسہ اور ملازمین کے لئے مکانات اور غسل خانے اور طہارت خانے تعمیر کئے ہیں۔ اور ان کی مرمت کرتے رہتے ہیں۔ اور دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا وقف نامہ اور شریعت مقدسہ کے مطابق متولیوں کو مذکورہ بالا انتظامات کرنا۔ آمدنی مذکور سے تعمیر مدرسہ میں روپیہ خرچ کرنا، ملازمین کے لئے مکانات بنانا ۔ غسل خانے تعمیر کرنا، مدرسین کی تنخواہ اور کنویں پر پانی نکالنے کیلئے پمپ کی قیمت ادا کرنا، اور مذکورہ بالا تمام چیزوں کی مرمت اور قائم رکھنے میں آمدنی مذکور خرچ کرنا جائز اور درست ہے؟

اصل مقصد کے لئے وقف نامہ منسلکہ کی تفصیل صفحہ ۲/ سطر ۱۲/ اور دفعہ ۱۰/ و ۱۱/ کی جانب اور بیان کئے ہوئے وقف کے تمام امور کے لئے دفعہ ۱۱/ کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(نوٹ) وقف نامہ مطبوعہ منسلکہ استفتار کو واپس نہ بھیجیں بلکہ اپنے پاس رہنے دیں اس لئے کہ واپسی میں ڈاک کا خرچ پڑھ جائے گا۔

الجواب:۔ وقف نامہ اور سوال کی اس تحریر کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ محمد ابراہیم ملا نے یہ زمین قبرستان کے لئے اور اس زمین کے ایک مخصوص حصہ کو مسجد و مدرسہ ووضوخانہ وغیرہا کے لئے وقف کیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے متعلق کوئی جائداد دوسری وقف نہیں کی جس کی آمدنی اس پر خرچ کیجاتی بلکہ وقف نامہ کے دفعہ ۷، ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آمدنی اور اخراجات کا مدار عطیہ اور چندہ پر رکھا ہے۔ چونکہ یہ قبرستان وقف ہے۔ قبر کی زمین کسی معاوضہ پر نہیں دی جاسکتی کہ آمدنی کا یہ ذریعہ قرار پائے۔ جب عطیہ و چندہ پر آمدنی کا دار و مدار ہے تو دینے والے جس مقصد کے لئے چندہ دیں یا کوئی اہل خیر جس مقصد کے متعلق اپنی جائداد وقف کرے اوسی مقصد میں وہ رقم یا آمدنی صرف کی جاسکتی ہے۔ دوسرے میں صرف کرنا جائز نہیں مثلاً اگر مدرسہ کے لئے ہو تو مدرسہ پر صرف کی جائے اور مسجد کے لئے ہو تو مسجد پر اور قبرستان کی حدبندی کے لئے ہو تو اس پر اور اگر دینے والے نے اس کا صرف کرنا متولیوں کی رائے پر رکھا ہو تو یہ اپنی رائے سے جس میں مناسب سمجھیں صرف کرسکتے ہیں قبر کھودنے کی اجرت جو کچھ لیجاتی ہے۔ چونکہ اس اجرت لینے کا تعلق خاص متولیوں سے ہے۔ گورکنوں کے دینے کے بعد جو کچھ بچے یہ اپنی رائے سے صرف کرسکتے ہیں۔ یا جو چیزیں فروخت کیجاتی ہیں ان میں جو کچھ نفع ہو وہ بھی اور موٹر لاری کا کرایہ یہ سب متولیوں کی رائے پر ہے کہ وہی اس آمدنی کو حاصل کرنے والے ہیں۔ اپنی رائے سے جس میں چاہیں صرف کرسکتے ہیں جبکہ موٹر لاری دینے والے نے اسکو یوں دیا ہو کہ اس آمدنی کے خرچ کرنے کی کوئی جہت مخصوص نہ کی ہو بلکہ متولیان کی رائے پر چھوڑا ہو کہ وہ مسجد یا مدرسہ یا قبرستان جس پر چاہیں صرف کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ جناب حکیم محمد حیات خاں صاحب دہلوی۔ از آگرہ کوچہ حکیمان۔ حیات منزل۔ ذی قعدہ سنہ ۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید منجملہ ۵ رکنوں کا ایک رکن (ممبر) کمیٹی منتظم اوقاف کا ہے جس کے زیر اہتمام بشمول جامع مسجد دیگر مساجد و درگاہیں اور مدارس عربیہ و مکتب متعلقہ ہیں۔ اخراجات کی کفیل صرف وہ آمدنی ہے جو جائداد ہائے متعلقہ اوقاف مقبوضہ کمیٹی کے کرایہ سے وصول ہوتی ہے کمیٹی کا انتظام اور اس کے احکام کا

عمل درآمد بصورت اختلاف کثرت رائے ممبران پر ہوتا ہے۔ زید تقریباً دس برس تک خدمت اوقاف بحیثیت ممبر کارکن (سکریٹری کمیٹی) کے انجام دیتا رہا اور اس زمانے میں کمیٹی کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ لہٰذا قواعد بغرض عملدرآمد جو پہلے مکمل نہ تھے مدون کئے گئے اور کمیٹی کو شعبہ جات ششگانہ تعلیم اوقاف مال تعمیر میں منتظم کیا گیا جس سے بہت سے پچھلی ابتریاں دور ہوگئیں اور ہر صیغہ کا کام اور اس کی جانچ روزانہ اچھی طرح انجام پانے لگے۔ بہت سے نیک کاموں کا اجرا ہوا اکثر مساجد کی مرمت ہوئی اور جو شکستہ اور بوسیدہ اس قابل تھیں ان کو ازسر نو تعمیر کرایا گیا۔ دو برس سے کچھ زائد زمانہ گذرا کہ ایک ذی اثر صائب الرائے ماہر فن تعمیر ممبر کمیٹی (جنہوں نے تعمیری خدمات اوقاف نہایت نیک نیتی سے انجام دی تھیں جو زید کے ہم خیال تھے) بعض سازشوں کا شکار ہو کر مستعفی ہوگئے۔ ان کی جگہ پر کرلی گئی۔ اور جب ہی سے زید کے خلاف دیگر ممبروں نے اپنی متحدہ قوت سے کمیٹی کے منتظم کا نقشہ اور صورت بدل دی اور ہر کام میں ایک عام بے اصولی اپنی کثرت رائے کے زعم پر جاری کردی۔ جس کا نہایت مختصر خاکہ یہ ہے کہ ہفتہ وار مقررہ جلسہ کمیٹی جو اسلامی و قدیمی دستور کے موافق بعد نماز مسجد جامع میں منعقد ہوتا تھا۔ اب چونکہ کثرت رائے سے متروک کردیا گیا۔ جلسہ کمیٹی مدتوں منعقد نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے علاوہ بہت سی ابتریوں کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوگئی، مسجد جامع کے صدر دروازہ کے سامنے زمین کا ایک بڑا حصہ جس سے معقول آمدنی تھی سڑک میں شامل ہوگیا۔ مگر کثرت رائے خاموش ہے۔ مسجد جامع میں فرش و شامیانہ کی سخت ضرورت ہے بعض مساجد اس درجہ مرمت طلب ہیں کہ بے توجہی سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ مگر کثرت رائے بے پرواہ ہے۔ بعض مساجد میں زید کے زمانہ کارکردگی میں ان کے متعلقہ زمینوں پر عمارت بغرض اضافہ آمدنی بنائے جانے کی تجویز تھی عمل کرایہ داروں سے خرید لئے گئے تھے بعض لوگوں سے چندہ دینے کا وعدہ بھی لے لیا گیا تھا۔ مگر اب کثرت رائے کچھ نہیں کرتی۔ منظور شدہ روپیہ بے منفعت پڑا ہوا ہے۔ چندہ وصول نہیں کیا گیا۔ مدت سے بلا وجہ درجۂ تجوید جس کی مقامی سخت ضرورت تھی توڑ دیا گیا۔ حساب کتاب کی یہ حالت ہے کہ سال گذشتہ کے مصارف رمضان المبارک اس سال کے ماہ مبارک اختتام پر درج نہیں ہوئے ایک کرایہ دار کی نسبت معلوم ہوا کہ سات ماہ کا کرایہ اس پر باقی ہے۔ مگر اس کا نام تک درج فہرست کرایہ داران نہیں۔ ایک مسجد جو ایک بڑے بارونق بازار میں واقع ہونے کی وجہ سے معقول آمدنی کی جائداد اپنے تحت میں رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ

سے اس کے کرایہ کا انتظام ایک مستقل مفاد اور آئندہ پیش آنے والی دقتوں پر لحاظ کرکے کیا جاتا تھا موجودہ کثرت رائے نے ایک نمائشی منظر کے ساتھ بالقصد اس انتظام کو توڑ کر بجائے تین سو روپیہ ماہوار کے چھ سوہ۲ روپئے ماہوار پر ٹھیکہ دیا۔ جو بظاہر وقف کے لئے مفید تھا۔ مگر جب تعمیل کا وقت آیا اور شکست ٹھیکہ مجبور کیا تو یہ بے محل حیلہ پیدا کر گئے کہ بلا اجازت جج صاحب کمیٹی کو ایک سال سے زیادہ ٹھیکہ دینے کا منصب نہیں ہے۔ (حالانکہ ساٹھ برس سے زیادہ سے کمیٹی قائم ہے اور کبھی جج صاحب سے اجازت لینے کا ثبوت نہیں) تقریبًا ایک سال کے بعد زرِ چہارم مجتمعہ واپس کرکے ٹھیکہ کو توڑ دیا۔ اور نہ صرف اس دوران بلکہ اب تک اس کا کرایہ جھگڑوں میں ڈال رکھا ہے۔ اس بنا پر بہ روئے حساب تین سال میں جس قدر جزوی کرایہ کرایہ داروں سے وصول ہوسکے گا۔ اس کو منہا کرکے تقریبًا للعہ عللعہ کا وقف کرکے ایک حصہ کو نقصان پہونچا دیئے ہیں۔ اور باوجودیکہ اس کا خراب اثر دوسرے ٹھیکہ داروں اور کرایہ داروں پر پڑ رہا ہے۔ مگر انسداد پر کثرت رائے کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ چنانچہ آمدنیاں بہت گھٹ رہی ہیں آمدنی و خرچ پر کوئی غور نہیں کیا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تقریبًا ۲۹ ہزار روپیہ میں سے جو باوجود مسلسل اخراجات تعمیر وغیرہ جاری رہنے کہ زید کے زمانہ کارکردگی دہ سالہ کا مجتمعہ سرمایہ تھا۔ اس دور بے اصولی میں جسے ابھی دو ہی برس گزرے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اس رقم میں اضافہ ہوتا صرف ۱۵ یا ۱۶ ہزار باقی رہ گیا ہے۔ اور باوجود زید کے مسلسل چیخ و پکار کے کبھی اس کے اسباب و علل پر توجہ تک نہیں کی گئی جس سے اندیشہ ہے کہ اگر یہی لیل و نہار اور یہی حالات جاری رہے تو شاید آئندہ تھوڑے عرصہ کے بعد یہ بھی نہ ختم ہوجائے زید نے جس کو بامید اصلاح کمیٹی ان ممبروں کے ساتھ اتحاد عمل کرتے ہوئے دو برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ مجبور ہوکر علاوہ اپنی اس روزمرہ تحریکوں کے جن کے ذریعہ سے وہ ہر غلطی و لغزش پر ہوشیار کرتا رہا ہے۔ ایک ماہ سے زائد گزرا کہ ایک مفصل و مشرح تحریر مہر بر ممبر کے نام ان جملہ امور کے بارے میں ایک تحریر لکھی اور دو ہفتے میں جواب چاہا۔ مگر کچھ التفات نہیں بلکہ اصرار ہے لہٰذا ان متعدد ممبران کثرت رائے کے واسطے کیا حکم شرعی ہے اور زید واحد ممبر جس کی رائے بمقابلہ کثرت رائے متذکرہ بالا مغلوب ہے آیا باوجود متواتر غلطیوں اور لغزشوں نقصانات اوقاف دیکھنے کے ان ممبروں کے ساتھ اتحاد عمل جاری رکھیں اور احکام و اختیار کثرت رائے کو واجب التعمیل اور ناطق سمجھتا رہے یا خود کو علیحدہ کرلے حالانکہ بظن غالب اس کی علاحدگی سے حالات بد سے بدتر ہوجانے کا قوی احتمال ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایسے منتظمین کو جو وقف کے کام میں سستی کرتے ہوں یا اصحاب رائے نہ ہوں یا ان کی بے توجہی سے وقف کو نقصان پہنچا کرتا ہو۔ معزول کرنا واجب اور ان کی جگہ پر متدین ہوشیار ذی رائے کام کرنے والے کو مقرر کریں۔

درمختار میں ہے۔ وینزع وجوبا بزازیہ لو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون او عاجزا ۔ ردالمختار میں ہے قال فی الاسعاف ولا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود لایحصل بہ[1]۔ اور ایسے لوگوں کی کثرت رائے کوئی شئی نہیں جو نہ صاحب رائے ہیں نہ وقف کے ہمدرد بلکہ اپنی ذاتی منفعت یا آپس میں میل کی وجہ سے یا کسی اور غرض فاسد سے دوسرے کی ہاں میں ہاں ملانے اور رجان جھکر وقف کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ نہ ایسے احکام زید کے لئے قابل عمل ہیں زید جو وقف کا بہی خواہ ہے اور جس کی علیحدگی میں وقف کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے ہرگز اپنے کو علیحدہ نہ کرے بلکہ کوشش کرے کہ یہ بیکار جدا ہو جائیں اور ان کی جگہ کو کارآمد لوگوں سے پر کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ حاجی گھورن خاں معرفت امیر اللہ ولد حاجی عبدالرحیم صاحب حسن پورہ بنارس۔

مورخہ ۱۷ ربیع الثانی ۵۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص بحالت تندرستی اپنی جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتا ہے۔ بیوی اور اپنے لڑکے کو کچھ نہیں دینا چاہتا ہے۔ بیوی کے گذر بسر کے لئے اسی وقف میں ایک رقم مقرر کرنا چاہتا ہے۔ لڑکا باپ سے علیحدہ رہتا ہے۔ اور باپ کی کچھ خبر گیری نہیں کرتا۔ اور لڑکے نے مال کا نقصان بہت کچھ کیا ہے۔ لہٰذا اس ناراضگی کی وجہ سے نفع آخرت کے خیال سے پوری جائداد وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ دلیل شرعی سے مطلع فرمائیے؟۔

الجواب: واقف کی نیت اگر اچھی ہے تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ثواب اخروی کا مستحق ہوگا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے۔ وسببہ ارادۃ محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الآخرۃ بالثواب[2]۔ ہاں اگر وقف سے مقصد ہی صرف یہ ہے کہ وارثوں کو میراث سے محروم کردے تو یہ نیت بری ہے۔ اور ایسا کرنا ناجائز ہے۔

---

[1] ردالمختار ج ۳ ص ۴۲۱ کتاب الوقف۔ ۱۲ مصباحی۔ [2] درمختار ج ۲، ص ۳۹۲ کتاب الوقف۔ ۱۲ مصباحی۔

اگرچہ وقف اس صورت میں بھی ہو جائے گا۔ اور اگر لڑکا بدچلن ہے کہ باپ کی جائداد کو برباد وضائع کر ڈالے گا تو وقف کر دینا بہتر ہے۔ کہ وارث کو محروم کرنا نہیں بلکہ اپنی کمائی کو ناجائز چیزوں میں صرف کرنے سے بچانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ عبدالرحمن۔ از خانقاہ سراجیہ برکت آباد، محلہ برکت پورہ مقام مالیگاؤں، ضلع ناسک۔

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ۔

(۱) متولی مسجد کو شرعاً کیا حق ہے۔ کیا سیاہ، سفید اپنی رائے سے جو کچھ بھی چاہے کر سکتا ہے۔ مسجد کی کوئی چیز اپنے خرچ میں لا سکتا ہے۔ مثلاً مسجد کی جو تی قندیل، مصلا یعنی جائے نماز، لکڑی، چونا، پتھر، لوہا، اینٹ، پھل، وغیرہ وغیرہ اور مسجد کی آمدنی کا روپیہ کھا جانا، یا ان روپیوں کو اپنے کاروبار میں لگانا، اور اپنا کام چلانا، اس کا جو منافع ہو، خود کھانا یا ان روپیوں میں سے خود قرض کے طور پر لینا، ان روپیوں کو دوسرے کو قرض دینا، اور لوگوں کو حساب نہ بتانا، اگر کسی نے حساب کے متعلق کبھی کچھ پوچھ تاچھ کیا تو کچھ ہاں، ہوں غپ شپ باتیں کر کے موقع کو کسی بہانے سے ٹال دینا، یا لڑائی پر تل جانا اپنا پورا قبضہ کر لینا اور کہہ دینا، کہ ہم کھا گئے۔ اب ہمارے پاس کچھ رقم نہیں ہے یا ہے مگر خرچ میں میرے خرچہ ہو گیا۔ اسوقت موجود نہیں۔ جب ہوگا تھوڑا تھوڑا جسطرح ہوگا دیا جائے گا۔ مانگنے پر بہانا کرنا، مقصود دینا نہیں؟

(۲) ایک گاؤں میں ایک ہندو اپنی زمین میں اپنے پیسے سے مسجد بنوا کر مسجد کو مسلمانوں لوگوں کو دیدیا کہ یہ مسجد میں نے دیدیا۔ اب تم لوگ اس میں اپنا نماز پڑھو اور میں اس سے لادعویٰ ہو گیا۔ میرا ہمیشہ کے لئے کوئی دعویٰ نہیں ایسا لادعویٰ لکھ بھی دیا آیا اس مسجد میں نماز پڑھنا مسلمانوں کو بلا کراہت درست ہے یا نہیں یا کراہت ہے؟۔

الجواب:۔ متولی کا کام مسجد کی ضروریات کا انتظام کرنا ہے مسجد کی چیزوں کو اپنے ذاتی صرف میں نہیں لا سکتا، مسجد کی رقم کو صرف کر لینا خیانت میں داخل ہے ایسے متولی کو معزول کرنا واجب ہے کذا فی الدر المختار[1] وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس میں نماز بہر صورت جائز ہے کیونکہ جواز نماز کے لئے مسجد شرط نہیں وہ زمین اور عمارت مسجد اسی وقت ہوگی کہ کافر نے مسلمان کو دے دی اور مالک کر دیا۔ پھر اس کو مسلمان نے وقف کر دیا۔ کیونکہ کافر کا وقف مسجد نہیں ہوتی اور خود کافر کا یہ وقف صحیح نہیں[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] درمختار میں ہے۔ وینزع وجوباً لو الواقف فغیرہ بالاولیٰ غیر مامون او عاجز۔ ج ۳ ص ۴۲۱۔ مصباحی۔ [2] درمختار میں ہے۔ لا یصح وقف حربی اور یہ مسجد شرعاً مسجد نہ ہوئی کہ کافر نے بے تملیک مسلم اپنی ملک میں مسجد بنوائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی۔

مسئلہ: از بریلی، محلہ گندہ نالہ، مرسلہ حافظ محمد یٰسین صاحب سرمہ فروش۔ یکم جمادی الآخرہ ۱۳۶۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔ زید نے اپنی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ و اثاث البیت وزر نقد و آمدنی دکان تجارت سرمہ کو وقف علی الاولاد کیا۔ اور لوجہ اللہ مصارف خیر کے لئے وقف کردیا۔ اور اپنی کل جائداد موقوفہ مذکورہ کا متولی تاحیات خود اپنے آپ کو گردانا، اور اپنے بعد اپنی زوجہ منکوحہ کو حق تولیت دیا۔ اور اس کے بعد اپنے برادر زادہ حقیقی مسمیٰ بکر کو، اور اس کے بعد اولاد بکر کو متولی قرار دیا۔ اور بکر کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں اپنے دیگر برادر زادگان حقیقی اور ان کی اولاد در اولاد کو متولی تسلیم کیا۔ اور حسب وقف نامہ تاحین حیات خود جائداد موقوفہ مذکورہ کا متولی اور اس میں ہر طرح منصرف رہا۔ یعنی وقف کرنے کے بعد بھی ان تمام جائداد موقوفہ مذکورہ میں زید (واقف) اسی طرح تصرف کرتا رہا۔ اور اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا رہا۔ جیسا کہ وقف کرنے سے پہلے اس کا تصرف تھا۔ حتیٰ کہ جائداد موقوفہ سے ایک دکان موقوفہ کو بھی فروخت کر ڈالا جو شرائط وقف نامہ کے بالکل خلاف ہے۔ اور بموجب شرائط وقف نامہ جائداد موقوفہ یا اسکی آمدنی سے مصارف خیر میں کبھی کچھ صرف نہ کیا۔ بنابریں امرات ذیل قابل استفسار ہیں؟

(۱) کیا از روئے شرع شریف زید کو یا کسی اور واقف کو یہ حق حاصل ہے؟ کہ اپنی کل جائداد و اثاث البیت وغیرہ کو وقف علی الاولاد یا وقف فی سبیل اللہ کردے۔ اور اس طرح بقیہ مستحقین ورثاء کو محروم القسمت کردے اگر زید کا یہ عمل شرعاً درست نہیں تو پھر ایسے وقف و واقف کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) زید نے اپنی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ و اثاث البیت و آمدنی دوکان تجارت سرمہ کو وقف علی الاولاد کردیا اور فی سبیل اللہ اس میں سے مصارف خیر بھی تعین کردیا اور وقف نامہ لکھ کر قانوناً و اصولاً ہر طرح وقف نامہ مکمل کردیا۔ اس کے چند روز کے بعد دوسری تحریر متعلق وقف نامہ سابقہ بطور تتمہ لکھا۔ جس میں وقف نامہ اول کے شرائط کے خلاف دیگر تشریحات و توضیحات ہیں۔ مثلاً ۶ راکتوبر ۱۹۲۰ء کو وقف نامہ اول تحریر کیا اور ۲۶ راکتوبر ۱۹۲۰ء کو دوسری تحریر بطور تتمہ لکھا۔

حالانکہ وقف نامہ اول میں کسی قسم کے رد و بدل اور ترمیم و تغیر کا استحقاق نہیں چھوڑا تھا۔ تو ایسی صورت میں تحریر ثانی جو بطور تتمہ ہے۔ معتبر ہوگی یا نہیں؟ اور شرعاً اس پر عملدرآمد درست ہوگا کہ نہیں؟ یا وقف نامہ اول ہی کی تحریر قابل عمل و لائق تسلیم ہوگی؟

(۳) یہ بھی واضح رہے کہ زید (واقف) نے جب وقف نامہ اول مرتب ومکمل کردیا تو بکر موصوف نے زوجہ واقف پر ناجائز دباؤ واثرات ڈال کر طرح طرح سے مجبور کرکے خوشامد درآمد تملق وچاپلوسی سے کام لے کر پوشیدہ طور پر ان کے ذریعہ زید (واقف) سے تتمہ مذکورہ لکھایا۔ اور عرصہ تک اس کو پوشیدہ ہی رکھا حتی کہ بعد وفات زوجہ واقف لوگوں کو اس تتمہ کا علم ہوا۔ دریں صورت یہ تتمہ واجب العمل وقابل تسلیم ہوگا۔ یا نہیں؟

(۴) علاوہ ازیں بعض وہ جائداد جو وقف نامہ اول میں شامل نہ کی گئی تھی۔ اور زید (واقف) نے اسکو مصلحتاً بکر موصوف ہی کے نام سے خرید کی تھی۔ اس کو واقف نے محض اس ارادے سے اپنے نام منتقل کرایا تاکہ تمام مستحقین وورثا کو اس میں مطابق شرع شریف حصہ پہنچے اور ملے کیونکہ واقف موصوف بکر کے علاوہ دیگر برادر زادگان حقیقی وستحقان حصہ اسکو محروم القسمت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور واقف کی نیت خیر تھی۔ مگر بکر موصوف کو واقف کا یہ فعل ہی ناگوار گذرا اور باعث ملال ورنجیدگی خاطر ہوا۔

چنانچہ درپردہ مسلسل کوشش اور عنایت ہوشیاری وچالاکی، خوشامد وچاپلوسی سے بکر نے اسی طرح اس بقیہ جائداد کو زید (واقف) سے وقف کرادیا۔ جس طرح تتمہ لکھانے میں ہوشیاری وچالاکی اور زوجہ واقف کی ذات سے کام لیا گیا۔

چنانچہ ۷، مئی ۱۹۳۲ء کو اس بقیہ جائداد کو بھی واقف موصوف نے بکر کے کہنے سننے اور اپنی زوجہ کے اثرات سے متاثر ہوکر وقف کردیا۔ اور تاریخ مذکور میں وقف نامہ بھی لکھدیا یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ واقف کی نیت ابتداً خیر تھی یعنی وہ بکر کے علاوہ اپنے دیگر برادر زادگان حقیقی کو بھی چاہتے تھے اور کسی طرح کی حق تلفی گوارہ نہ تھی۔ لیکن چونکہ بکر کے اثرات زوجہ واقف پر تھے۔

لہٰذا اس ذریعہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بکر نے واقف کے خیالات کو بدل دیا۔ اور اپنے اثرات سے کام لے کر اس بقیہ جائداد کو بھی وقف کرادیا۔ جیسا کہ واقف کے اس عمل سے بھی ظاہر ہے کہ بقیہ جائداد جو اولاً غیر موقوفہ تھی اس کو بکر کے نام سے اپنے نام منتقل کرالیا؟

(۵) زید واقف کے بعد زید کی زوجہ منکوحہ جائداد موقوفہ مذکورہ کی متولیہ رہی اور اس میں حسب سابق متصرفہ بھی رہی اور اس کے بعد زید کا برادر زادہ حقیقی مسمی بکر متولی ہوا اور ہے۔ لیکن نہ کبھی واقف ومتولی اول نے شرائط وقف نامہ کے مطابق عمل کیا۔ اور نہ آج تک شرائط وقف نامہ مندرجہ وقف نامہ اول پر عملدرآمد ہوا بلکہ ہمیشہ جائداد موقوفہ مذکورہ کو

متولیان موصوف اور متولیہ موصوفہ نے اپنی جائداد اور ملکیت ذاتی کے مثل سمجھا اور اسی طرح اس میں جائز و ناجائز تصرف بھی کرتے رہے۔ ایسی صورت میں وقف نامہ قابل تسلیم وعمل سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور جائداد موقوفہ میں اس قسم کا تصرف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بصورت عدم جواز ایسے متولی و واقف اور ایسے وقف کیلئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) جو جائداد و اثاث البیت وغیرہ زید (واقف) نے وقف کیا اس کی حیثیت وقف کرنے وقت تقریباً ڈیڑھ لاکھ یا سوا لاکھ روپے سے کم کی نہ تھی۔ مگر واقف (زید) نے کل جائداد و اثاث البیت وغیرہ کو وقف نامہ میں بیس ہزار کی مالیت لکھا ہے۔ جو سراسر خلاف حقیقت و اصلیت ہے۔ ایسی صورت میں زید (واقف) کی تحریر شرعاً معتبر ہوگی۔ یا جائداد موقوفہ کی حیثیت کا اعتبار ہوگا؟

(۷) وہ زر نقد موقوفہ جس کو واقف و متولی اول نے وقف کیا اس سے متولی ثالث نے متولی اول (واقف) کی وفات کے بعد ہی فوراً بذریعۂ بیع نامہ جات و رقوجات و رہن نامہ جات دیگر جائداد حاصل کرلی، ایسی صورت میں اس جائداد میں بھی کل مستحقین و ورثار مستحق القسمت ہوں گے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا۔

الجواب: واقف کا مقصد اگر وقف کرنے سے محض یہ ہو کہ ورثار کو جائداد اور میراث سے محروم کردے تو یہ ناجائز و گناہ ہے، حدیث میں ارشاد ہوا ــــ من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ. مگر قصد وارادہ کا دل سے تعلق ہے۔ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اوس کا ارادہ وارثوں کو محروم کرنے ہی کا تھا، ہو سکتا ہے اس نے ثواب کے لئے اپنی جائداد وقف کی ہو لہٰذا وقف بہر صورت جائز و نافذ ہی ہوگا۔ اور اس کا کیا ارادہ تھا۔ اور کیا نہ تھا اسکو نہیں دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی نیت خیر تھی ثواب کا مستحق ہوگا۔ زید نے اپنی جائداد غیر منقولہ کو وقف کیا اس کی صحت میں کلام نہیں مگر شئے غیر منقولہ کا وقف جب ہی درست ہے کہ اس کے وقف کا رواج و تعامل ہو اور جن چیزوں کے وقف کا رواج مسلمانوں میں نہ ہو ان کا وقف درست نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ واما وقف المنقول مقصودا فان کان کراعا وسلاحا یجوز فیما سوی ذالک ان کان شیئا لم یجر التعارف بوقفہ کالثیاب والحیوان لا یجوز عندنا وان کان متعارفا کالفاس والقدوم والجنازۃ وثیابہا ومایحتاج الیہ من الاوانی والقدور فی غسل الموتی والمصاحف لقرأۃ القرآن۔ قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ انہ لا یجوز وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز والیہ ذہب عامۃ المشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ منہم الامام السرخسی کذا فی الخلاصۃ وھو المختار والفتوی علی قول

محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال کذا شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی مختار الفتاوی[1]۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ واقف نے جو جائداد منقولہ وقف کی ہے اور اس کے وقف کا عرف و رواج نہیں ہے وہ وقف نہیں ہے۔ اس میں وراثت جاری ہوگی۔ اور ورثا پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح آمدنی تجارت سرمہ کو وقف کرنا بھی لغو اور بے معنی ہے، اولاً وہ بوقت وقف موجود نہیں ہے۔ اور وقف اسی چیز کو کر سکتا ہے۔ جو بوقت وقف موجود ہو۔ اور واقف کی ملک میں ہو۔ فتاوی عالمگیری میں شرائط وقف میں یہ لکھا ہے۔ ومنہا الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفہا ثم اشتراہا من مالکہا ودفع الثمن الیہ اوصالح علی مال دفعہ الیہ لاتکون وقفا کذا فی البحر الرائق[2] ثانیاً۔ وقف کے معنی ہیں۔ حبس العین، والتصدق بالمنفعۃ کذا فی الدر المختار[3]۔ جب خود آمدنی ہی کو وقف کر دیا تو موقوف علیہم پر کیا چیز خرچ کی جائے گی۔ لہٰذا وقف نامہ کا یہ جزء ہی صحیح نہیں ہے۔ اور جو کچھ آمدنی واقف کی زندگی میں ہوئی اس میں سے مرنے کے وقت جو کچھ بچی ہے وہ ورثا پر تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جب کہ واقف، وقف نامہ کی تکمیل کر چکا تو اب اس کو اس میں ترمیم، تنسیخ کا کوئی حق باقی نہ رہا البتہ اگر وقف نامہ کی کچھ عبارت ایسی ہو جس سے اس کے مقصد کے خلاف کوئی دوسرا مطلب نہیں لیا جا سکتا ہو تو اس کی وضاحت کر سکتا ہے۔ بیان کر سکتا ہے کہ میری مراد اس عبارت سے یہ ہے۔ لہٰذا وقف نامہ اول کے خلاف جو اس نے تتمہ لکھا ہے۔ وہ قابل اعتبار نہیں۔ وقف کو انہیں شرائط پر لکھا جائے گا۔ جو وقف نامہ اول میں درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) تتمہ کو پوشیدہ رکھا ہو یا ظاہر کیا ہو جبکہ وہ اصل وقف نامہ کے خلاف ہے تو معتبر نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) جب زید نے بقیہ جائداد کو ہی وقف کر دیا تو اس وقف کو صحیح مانا جائے گا۔ اس کو توڑنے اور باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے خواہ اس بقیہ جائداد کا وقف اس نے خود اپنی ہی خواہش سے کیا ہو یا کسی کے کہنے سننے سے ایسا عمل کیا۔ بکر نے اگر زید سے کہا اور اس کے کہنے سے زید نے وقف کر دیا، اس کی وجہ سے وقف پر کچھ اثر نہ پڑیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] عالمگیری ج ۲ ص ۳۱۸، کتاب الوقف الباب الثانی۔ فیما یجوز وقفہ ومالا یجوز۔ [2] عالمگیری ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الوقف، الباب الاول شرائط الوقف۔ ۱۲۔ مصباحی۔ [3] در مختار ج ۳ ص ۳۹۱ کتاب الوقف۔ ۱۲ مصباحی۔

(۵) واقف یا متولی کے ناجائز تصرف کرنے سے وقف باطل نہیں ہوتا۔ وہ وقف بدستور وقف رہے گا۔ اور یہ ناجائز تصرف کرنے والا مرتکب حرام دخائن وگنہگار ہوگا۔ اور ایسے واقف، متولی کو وقف سے جدا کردینا اور اس کے قبضہ وتصرف سے وقف کو نکالنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔ وینزع وجوبا بزازیہ لوالواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون اوعاجز۔ ردالمحتار میں ہے۔ قال فی البحر واستفید منہ ان للقاضی عزل المتولی الخائن غیرالواقف بالاولی۔ نیز اسی میں ہے۔ قال فی الاسعاف ولایولی الامین قادر بنفسہ اوبنائبہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود لا یحصل بہ یستوی فیہ الذکر والانثی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۶) جب واقف نے اشیاء موقوفہ کی تحدید وتعیین کردی ہے تو وقف صحیح ہے اگرچہ اسکی مالیت اور قیمت وقف نامہ میں کم دکھائی ہو کیونکہ وقف کی صحت کے لئے موقوفہ کی قیمت بیان کرنا ضروری چیز نہیں ہے ــــ واللہ تعالٰی اعلم

(۷) واقف کے انتقال کے بعد جو کچھ زرنقد موجود تھا، اس کی تقسیم حسب شرائط فرائض تمام ورثاء پر ہوگی۔ متولی ثالث نے جو کچھ جائداد بہ اس سے حاصل کی ہیں ان کے تمام ورثاء مستحق ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ جائداد موقوفہ فی سبیل اللہ تعالٰی یا موقوفہ علی الاولاد اگر ایسی ہو کہ اس کی آمدنی قلیل اور وصولیابی میں مشکلات کثیر ہوں تو ایسی صورت میں اس کو بیع کرکے کوئی دوسری جائداد خریدی جائے جس میں سہولتیں ہوں۔ اور آمدنی زائد ہونے کا گمان غالب ہو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک صورت یہ کہ متولی وقف علی الاولاد کی غیر موقوفہ کوئی زمین ہو اس میں موقوفہ جائداد کو فروخت کرکے کوئی عمارت بنادی جائے۔ اور متولی اس زمین کو بھی اس کے ساتھ وقف کردے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کیا متولی کو وہ زمین مملوکہ وقف کرنا ضروری ہے؟ یا ایسا بھی کرسکتا ہے کہ زمین اپنی ملکیت پر باقی رکھے اور موقوفہ جائداد کی قیمت سے مکان تعمیر کرادے؟

(۴) اگر کوئی وقف نامہ علی الاولاد اس صورت سے ہو کہ اس میں جائدادیں وقف ہیں ان میں سے ایک قلیل ہو اسکی

سے درمختار، ردالمحتار، ج ۳ ص ۴۲۱، کتاب الوقف، مطلب فی شروط التولی۔ ۱۲، مصباحی۔

آمدنی کے بارے میں واقف نے یہ لکھا ہے کہ متولی اسے اہل حرمین شریفین پر صرف کرے۔ اور ایک زائد آمدنی کی جائداد کہ اسے واقف نے متولی کی ذات   واہل وعیال وغیرہ پر صرف کرنا بتایا ہے۔ دونوں جائدادیں دو موضوعوں میں ہیں۔ تو کیا متولی ایسا کرسکتا ہے۔ کہ ان دونوں جائدادوں کو فروخت کرلے جن کا وقف نامہ ایک ہی ہے۔ اور موقوفہ علی اہل حرمین شریفین کی آمدنی جو وقت وقف میں تھی یا جو وقت بیع میں ہے۔ اس کثیر خالص وقف علی الاولاد کی آمدنی سے اہل حرمین شریفین پر خرچ کرنا اپنے اوپر لازم کرے اس لئے کہ وہ اتنی قلیل ہے کہ اس کے انتظام میں خرچہ اور وقت زائد ہوتی ہے؟۔

(۵) وقف نامہ میں واقف نے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں "لہذا یہ تملیک نامہ بطور دستاویز وقف علی الاولاد لکھ دیا" تو یہ جائداد وقف ہوئی یا تملیک۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ واقف کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ جائداد تلف نہ ہو اور قلیل آمدنی والی کی آمدنی اہل حرمین پر بھی صرف ہوا کرے؟

الجواب:- (۱) وقف نامہ کے آخر میں شرط سوم میں واقف نے یہ تصریح کردی ہے کہ کسی قسم کے انتقال کا استحقاق نہ ہوگا۔ واقف کی یہ شرط ہوتے ہوئے وقف کو فروخت کرکے دوسری جائداد اس کے بدلے میں کیونکر خریدی جاسکتی ہے۔ علامہ شامی نے استبدال کی تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کیلئے اس کی شرط کردی ہو۔ اس میں جائز۔[۱] دوسری اور تیسری صورت یہ ہیں   -الثانی ان لایشترطہ سواء شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لاینتفع بہ بالکلیۃ بان لایحصل منہ شئ اصلا اولا یفی بمؤنتہ فھو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ - والثالث بان لایشترط ایضا ولکن فیہ نفع فی الجملۃ وبدلہ خیر منہ ریعا ونفعا وھذا لایجوز استبدالہ علی الاصح المختار۔[۲]

سوال میں جو صورت مندرج ہے وہ قسم سوم میں داخل ہے۔ اور اس میں استبدال جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
باقی نمبروں کی بنا تبادلے کے جواز پر تھی جب تبادلہ ہی ناجائز ہے۔ تو ان نمبروں کے جواب کی حاجت نہ رہی۔ واللہ اعلم
(۵) یہ تحریر وقف نامہ ہی ہے۔ تملیک کا مطلب یہ ہے کہ متولی آمدنی کا مالک ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[۱] رد المحتار ج ۳ ص ۴۲۴ میں ہے۔ الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ اولغیرہ اولنفسہ وغیرہ، فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح " [۲] ایضا۔ ۱۲ مصباحی۔

مسئلہ :- مرسلہ عبداللطیف خاں دکاندار، روبڑ ڈیال، رحیم خاں صاحب محلہ چمیرہتی اٹاوہ۔ ۸ر شوال ۱۳۸۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں۔ مساجد و عیدگاہ کا متولی کیسا شخص ہونا چاہئے۔ اگر شہر والوں نے کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے کسی غیر پابند مذہب اور تارک صوم وصلوٰۃ کو متولی بنادیا تھا۔ تو اب اسکو معزول کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ تولیت کے قابل بہترین ہستیاں جو اس کی اہل بھی ہیں۔ موجود ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- متولی ایسے شخص کو مقرر کیا جائے۔ جو کار تولیت کو بخوبی انجام دے سکے۔ دین دار اور متدین ہو، خائن نہ ہو، اگر اسکی خیانت ثابت ہو اور تولیت کا کام اچھی طرح انجام نہ دیتا ہو تو اسے معزول کرکے دوسرا شخص متولی کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاویٰ امجدیہ جلد چہارم

کتابت کے مرحلہ سے گذر رہی ہے اور بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے ــــ
اربابِ علم اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ خود بھی مطالعہ کریں۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔۔

تذییل مسمّٰی بالاسم التاریخی

قامع الواھیات من جامع الجزئیات

۱۳۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خص لنفسہ المساجد فلم یرض بھا الا لذاکر او ساجد و الصلاۃ و السلام علی من امر بتنزیھھا تحقیقا و حرم ان یمر فیھا نجس او تتخذ طریقا و اتی بالوعد الجمیل لمن عمرھا و اباھا و بالوعید الشدید علی من سعی فی خرابھا صلی و سلم و بارک علیہ الواجد الماجد و علی اٰلہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ الاکارم الاماجد **وبعد** فھذہ تقییدات لطیفۃ و تنقیدات شریفۃ علی وریقات للفاضل المولوی عبد الباری اللکنوی الفرنگی محلی جمع فیھا بزعمہ جزئیات من کتب الفقہ فی جواز ھدم المسجد و جعلہ طریقا للکل کافر و ملی تحاد لا بتقوم ماصدر منہ فی مسجد کانفور صینت عن الشرور اذ ھدم بعض حکام النصاری شقصا منہ بلاحاجۃ و ادخلہ فی الطریق الواسع من قبل فوق الحاجۃ لتحسینہ و تزیینہ کما نظروا و اراد المسلمون اعادۃ بنائہ فقتلوا و اسروا ثم جاء نائب السلطنۃ و اراد جبر خاطر المسلمین و اعلن انہ یحفظ فی ھذا احکام شریعۃ المؤمنین فاشارہ الفاضل المذکور الی ان تجعل ارض المسجد طریقا للعامۃ کما فعل الھادمون و بناء ظلۃ فوقھا لاھل مسجدھم یؤذن المسلمون ثم اعلن فی العوام ان الذی فعلوہ ھو حکم الاسلام و فیہ لہ الاحترام التام و الف لبیان ذلک ھذہ الوریقات و الفاضل بیننا و بینہ صداقۃ و من حق المسلم علی المسلم لاسیما الصدیق علی الصدیق ان یردہ عن الباطل و یریہ سواء الطریق فالفت ھذہ الکلمات تنبیھا لما وقع فی الوریقات من الاغلاط و الواھیات و سمیتہ قامع الواھیات من جامع الجزئیات (۱۳۳۱ھ) و ما قصدی بھذا و للہ الحمد الا صون المساجد عن صولۃ کل مبطل صائل و ان یمیز اللہ الخبیث من الطیب و یحق الحق و یبطل الباطل لانی خشیت علی من لا یعرف و لم یقف تلک المواقف ان تزل قدم بعد ثبوتھا او یستحل حرمۃ المساجد من لم یکن من اھل الغنی و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب و ھو حسبی و نعم الوکیل و الحمد للہ القریب المجیب لما ردّ علی

حضرة شیخنا مجدد المائة الحاضرة مؤید الملة الطاہرة ادام اللہ تعالی لنا برکاتہ ومتع المسلمین بطول حیاتہ فی فتواہ ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری بحسین دلائل قاہرۃ وکتابی ہذا ذیلہ فبنیت علیہ الثمرۃ **فاقول** وبحول اللہ اصول

(۵۱) **قال** الفاضل الفرنگی محلی سددہ اللہ والی حفظ حرمات الدین ارشدہ اللہ الارض بعد صیرورتہ مسجدا لایجوز استبدالہ بشیئ مخصوص یرجع نفعہ الی شخص بعینہ یرید ان یحول کل ما شحنت بہ الزبر المذہبیۃ وردوا دین الاسلام الحدیثیۃ والفقہیۃ بل القرآن العظیم نفسہ من خلوص المساجد للہ عزوجل وتنزیہہا عن حقوق العباد قاطبۃ وحفظ آدابہا وتحریم السعی فی خرابہا وتحریم ان تجعل الشیئ لم تبن لہ وتحریم ان یتصرف فیہا بالعبث فیہا للمہانۃ الی غیر ذلک ما شاع وذاع وملأ الاسماع والبقاع الی استبدالہا بما یرجع نفعہ الی شخص بعینہ اما لو استبدلت بما لایختص نفعہ باحد معین فلیست فیہ تلک النصوص القاہرۃ القطعیۃ الاجماعیۃ الایمانیۃ الایقانیۃ وتلک کلمۃ ہو قائلہا ما انزل اللہ بہا من سلطن وقد قال فی رد المحتار تحت قول الدر عن البزازیۃ لایجوز اخذ الاجرۃ منہ ولا ان یجعل شیئا منہ مستغلا ولا سکنی مانصہ وبہذا علم حرمۃ احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی الخ قال ورأیت تالیفا مستقلا فی منع ذلک اھ ومعلوم ان الخلوات فی المساجد لا تبنی لشخص بعینہ

(۵۲) بل نص العلماء قاطبۃ ان الوقف لایحول الی غیر ما ہو وقف علیہ وان نص الواقف کنص الشارع فی وجوب الاتباع وان غرض الواقفین واجب اللحاظ قال فی الجوہرۃ النیرۃ صفۃ التحدی ان یستعملہا فی غیر ما وقفت لہ اھ فاذا کان ہذا فی عامۃ الاوقاف فکیف فی المساجد وہل یجوز ان یقول مسلم ان المسجد بین ہو مسجد یحل جعلہ خانا او رباطا او اصطبلا لدواب الغزاۃ او حماما او واد ما ینتفع بہ العامۃ حاش للہ ان یتفوہ بہ مسلم فضلا عن عالم۔

(۵۳) سیعترف صاحبنا الفاضل فی ہذا التالیف نفسہ آخر ص ۲ ان محل جواز ان یجعل تحتہ سرداب لمصالحہ وغیر ذلک ما ہو نافع للعامۃ واہل المسجد کالطریق والحمام وموضع الوضوء انما ہو قبل ان یصیر مسجدا لابعدہ کما صرح بہ الفقہاء وانت تعلم اذ قبل المسجد یۃ لیس بمسجد فاین الاستبدال

وہذا احد فوائد قولنا ان المسجد حین ہو مسجد۔

(٥٤) **قال** فلا یجوز ان یبنی فوق سطحہ للامام بیتا ارأیت لو بنی لکل من یؤم فانہ لا یکون الا لنفع شخص بعینہ فان قلت لا بد من التعیین عند السکونۃ **قلت** لا یتأتی شیئ من الاستعمالات الا من معین فان الہذیۃ لا انفکاک عنہا الوجود العینی فلا یتطرق اذ تطرق الا مین فان **قلت** ہم کثیرون بخلاف الامام **قلت** فلیجز بناء بیت للائمۃ اذا کثروا کائمۃ المسجد الحرام ثم من العجب ان لا یجوز لواحد ویجوز للکثیرین فان العلۃ الاستہانۃ وہی فی الاکثر اکثر فان **قلت** ارید الاستبداد بما دام موجودا وان جاز التعاقب **قلت** فالدار مستبد بموضع ممرہ ما دام مارا لاستحالۃ التداخل فی الاجسام وبالجملۃ فالعینیۃ الذہنیۃ لیست للامام ایضا اذ ابنی لمن یؤم کما ہو المعتاد والزید والخارجیۃ لابد منہا للمار ایضا فطاح الفرق فافہم۔

(٥٥) **قال** ولا تحتہ حوانیت وان کان لمصالح المسجد والایقاف علیہ نقصا عن ذل فان مصالح المسجد لیست ما یرجع نفعہ الی شخص بعینہ

(٥٦) **قال** لا جعل المسجد ما ینتفع بہ العامۃ کالطریق ففیہ مذاہب الاول لا یجوز جعل کلہ طریقا الثانی عکس الاول وہو جعل کلہ طریقا الثالث لا یجوز ان یجعل شیئا منہ طریقا الرابع عکس الثالث وہو ان یجعل بعضہ طریقا ومر الکلام خذ من خاص وہو الخلف فی الطریق وعداہ الی العام وجعل الخاص مثالا للعام فجعل المذاہب الاربعۃ فی جعل المسجد کلا او بعضہ اصطبلا للغزاۃ او مرحاضا للمسافرین او حماما للحائض والنفساء وادہم المسلمین ان من ائمتہم من قال یجوز جعل المسجد کلہ بیت خلاء للعامۃ وان منہم من قال یجوز ان یجعل بعضہ للبول والغائط ویبقی بعضہ للسجود ویا للمسلمین ہل سمعتم بمثل ہذا فی الاسلام ام یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم۔

(٥٧) المذہب الثانی من مخترعاتہ لیس فی کلمات العلماء عین ولا اثر وسیعترف بہ بالاخرۃ ای مسلم یتصور منہ الحکم بان یجعل المسجد کلہ طریقا وما ہو الا تخریبہ ومنع الصلاۃ فیہ فانہا ممنوعۃ فی الطریق وقد سمع ربہ تعالی یقول ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا

اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الاخرة عذاب عظيم فلا يأتى هذا من يؤمن بالقرآن العظيم ونسبته اليهم فرية بلا مرية عند كل ذى عقل سليم۔

(۵۸) مع قطع النظر عن ذلك فى تربيع المذاهب خبط بديع فان القائل الاول ان جوز جعل بعضه طريقا نظرا الى المفهوم المخالف كان عين الرابع وان لم يجوز كان عين الثالث ولو نظر المؤلف الى الحصر العقلى انه هل يجوز جعل كله طريقا ام لا وعلى الثانى هل يجوز جعل بعضه ام لا لعلم ان لا امكان ههنا لرابع الا ابعا لم تذكره ولا يتوهمه الا مجنون وهو جواز جعل الكل دون البعض بلى على طريقة المؤلف الفاضل بجوز التوهين الكثير دون القليل كما اشرنا اليه وسيأتى النص منه عليه فاذن كان عليه ان يجعل الرابع هذا الباطل الجلى ولكن النظر يخطى ويزيغ وبما ذكرنا ظهر وزبر ان لا تربيع ولا تثليث، لان الشق الاول لا يتفوه به مسلم فما ثم الا قولان ولم يذكر فى الكتب الا اثنان ولكن حَوّل عين العقل بجعل الاثنين اربعة۔

(۵۹) استند للمذهب الاول بقول الدر بان جعل الامام الطريق مسجدا لا عكسه لجواز الصلاة فى الطريق لا المرور فى المسجد واستشعر ورود جواز ان المراد بالعكس عموم السلب لا سلب العموم فيرجع الى الثالث فقال صرح الشارح بان المراد ههنا الكل بقوله وفيه نوع مدافعة لما تقدم (اى من قول المتن جعل شيئ من الطريق مسجدا لجاز لا عكسه) الا بالنظر للبعض والكل اقول اولا فاذن يرجع الى الرابع فاين المحيص وثانيا المحشى لم يصرح بهذا بل نقله عن الشرنبلالى ثم عدل عنه الى اختلاف الرواية وحق لان يعدل فان التعليل قاض بارادة عموم السلب وقد اشار اليه المحشى بقوله لقرينة التعليل المذكور وسننقل كل ذلك عنه ولكن الفهم يخص الله به من يشاء۔

(۶۰) ثم ايد هذه الارادة الفاسدة بما نقل الشامى فى الطريق عن الشرنبلالية ايضا ان فيه نوع تدارك بما تقدم الا ان يقال ذلك فى اتخاذ بعض الطريق مسجدا وهذا فى اتخاذ جميعها ولم يدر ان القران فى الذكر لا يوجب القران فى الحكم كيف والتعليل ناطق بفساد ذلك المراد هنا۔

(۶۱) فقال قال صاحب رد المحتار اما جعل كل المسجد طريقا فالظاهر انه لا يجوز قولا واحدا لا ادرى

مافائدۃ ایرادہ فی المذہب الاول غیر القضاء علی نفسہ بان نسبۃ المذہب الثانی الی العلماء من باب الافتراء بلا امتراء۔

(۶۲) قال فی بیان ما اخترعہ من المذہب الثانی (لم ار تصریحا من ذہب الیہ احد) فمن این ابتدعتہ (الا انہ یفہم من کلام بعض الفقہاء) حاش للہ ولا من کلام واحد قط (قال صاحب رد المحتار لایخفی ان المتبادر انہما قولان فی جعل المسجد طریقا) بل قال شکک اربعۃ (بقرینۃ التعلیل المذکور) فلم تسکت بمن یقضی علیک (ثم قال) ای صاحب رد المحتار (انہ لایجوز قولا واحدا) اصاب واخطأت

(۶۳) ثم نقل عن العلامۃ الشامی الاستئناس لہ بما فی التاتارخانیۃ عن ابی القاسم من جواز جعل المسجد رحبۃ والرحبۃ مسجدا قال الشامی ورحبۃ المسجد ساحتہ یا سبحن اللہ اذا کانت الرحبۃ صحن المسجد فہو مسجد قطعا یعبر عنہ بالمسجد الخارج والمسجد الصیفی وعن الداخل بالمسجد الداخل والمسجد الشتوی توہم بعض العصریین سنۃ الف وثلثمائۃ وسبع انہ لیس بمسجد وکتب فی ذلک فتوی فشدد العلماء النکیر علیہ ورجع الامر الی شیخنا العلامۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ حفظہ اللہ تعالی فکتب فیہ رسالۃ سماہا التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد بین فیہا المطلوب بعشرۃ دلائل قاہرۃ ثم ختمہا بنص الحلیۃ ان المسجد الخارج صحن المسجد فانقطع الرجل ولم یأت لشیئ من الدلیل الخاص بما ہنا ما افادہ شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی فی جد الممتار تعلیقاتہ الشریفۃ علی رد المحتار حیث نقل نص المسئلۃ عن الخانیۃ وخزانۃ المفتین وغیرہا بلفظ المسجد الخارج مکان الرحبۃ کما سیأتی واذا کان الصحن مسجدا فای مساس لہذا بما نحن فیہ فلیس فیہ جعل المسجد غیر المسجد بخلاف جعلہ طریقا فلئن جاز ہذا فی الکل لم یدل علی جواز جعلہ طریقا فی البعض ولا فی بعض البعض فضلا عن الکل فاین الاستئناس ہذا علی ما اولت فحولت اما ما اراد العلامۃ الشامی فبری مما بدلت کما سیاتی عن جد الممتار شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی

(۶۴) من محققی العلماء من لم یقر علی ہذا ایضا قال المحقق حیث اطلق فی الفتح لہم جعل الرحبۃ مسجدا وقلبہ کذا فی الخلاصۃ الا ان قولہ وعلی القلب یقتضی جعل المسجد رحبۃ وفیہ نظر اھ وفی الشلبی علی الکنز ثم الطحطاوی علی الدر قولہ وعلی القلب یقتضی جعل المسجد رحبۃ وفیہ نظر اھ فاذا لم یرضوا بہذا انہم یجعل المسجد طریقا امنع

لفظ فراز از افتراء بلااحتساب

ولذا قال العلامة الشرنبلالی بعد نقل کلام الفتح فی غنیة ذوی الاحکام فکیف یجعل طریقا وفیه تسقط حرمة المسجد فلیتأمل اھ وبہ علم جہالة من تشبث بذیل الفتح فی جواز جعل شیئ من المسجد طریقا واللّٰہ الہادی الی سواء الطریق۔

(٦٥) العلامة الشامی نفسہ لم یستقر علی ہذا الاستئناس ولینہ بقولہ فہذا ان کان المراد بہ جعل بعضہ رحبة فلا اشکال فیہ وان کان المراد جعل کلہ فلیس فیہ ابطالہ من کل جہة لان المراد تحویلہ بجعل الرحبة مسجدا بدلہ بخلاف جعلہ طریقا تامل اھ فلم یبق بیدک ولا حشیش تتشبث بہ فی ابتداع المذہب الثانی وقد نقلت ہذا ایضا فالک تاخرنا بہ علی الحق تعثر ثم تقیم علی ما تزل بہ وتعثر وتنسب الی العلماء ما ہم عنہ براء۔

(٦٦) ثم اراد ان یبدی من کیسہ ما یتوصل بہ الی ابطال کل المسجد فنقل عن الحمادیة مسجد ضاق فقال رجل اعطونی المسجد واعطی مکانا یسعکم لاینبغی ان یعطوہ حتی یبنوا مسجدا یستغنی عن ہذا المسجد فحینئذ لاباس ولستر فادرہ سوی الاثم اجاب عنہ بقولہ ہذا مبنی علی قول محمد اھ اقول سبحن اللّٰہ قول محمد فیما خرب اوخرب ما حولہ فاستغنی عنہ لعدم من یصلی اما ان یکون المسجد والمحلة عامرین فیبنوا مسجدا لیعطلوا الاول بل یبطلوہ فتبطل مسجدیتہ وتعود لمکالبانی فحاشا محمدا ان یقول بہ وما ہو الا دخول بین فی قولہ تعالی وسعی فی خرابہا الی قولہ تعالی ولہم فی الاخرة عذاب عظیم فالفرع باطل قطعا لاکل الرجوع الیہ بل ولا یجوز العروج علیہ۔

(٦٧) ہو عند محمد یعود عند الخراب لمکالبانی وورثتہ لالاہل المحلة ولا لکل من قال اعطونی مسجدکم واعطیکم داری فلا مبنی لہ علی قول محمد ولا قول احد۔

٦٨ اطبقوا ان المسجد اذا ضاق باہلہ وبجنبہ ارض لرجل توخذ کرہا بالقیمة وقد فعلہ الصحابة رضی اللّٰہ تعالی عنہم ولم یخالف فیہ محمد فلو کان یجوز تحصیل ہذا عندہ وجب ان یخالف فی ذلک لان اخذ مال الغیر کرہا حرام بالاجماع اذا کان ثم مندوحة عنہ وہذا بحمد اللّٰہ سبحنہ دلیل آخر علی بطلان ہذا الفرع بالاجماع اذ لو ساغ لما ساغ القول بالکرہ لمن یذہب الیہ۔

(٦٩) ذکر فی الہندیة عن الذخیرة عن محمد فی نفس الفرع حکم محمد بتحریمہ فقال قال محمد لایسعہم ذلک اھ

وہذا ہو الماشی علی الجادۃ واین الحمادیۃ من الذخیرۃ وقد نقلت ہذا ایضا فلم نسب الی محمد ما ہو عنہ بری۔

(۷۰) **قال** وہو غیر المفتی بہ تفید ان البطال المسجد راسا جعل کالطریق اعندک قول المفتی بہ حتی لا ترضی تائیدہ بما ہو غیر المفتی بہ فسبحن من علقمۃ الفاخر۔

(۷۱) **قال** والیضا فیہ منفعۃ لرجل مخصوص لا للعامۃ لو فرض جوازہ عند محمد فالرجل المخصوص انما ینتفع بہ بعد بطلان المسجدیۃ کالبانی وورثتہ وکان ماذا۔

(۷۲) **قال** فہذا لا یطابق بالمقصود وہہنا لم لا واذا جاز الاستبدال بما ینفع شخصا بعینہ فجواز جعلہ بما ینفع العامۃ من باب اولی ما امہر بالاصول والمفہوم والمعقول من یزعم ان الدلالۃ علی المقصود لا تطابق المقصود نعم قل ہکذا ان الفرع یدل علی جواز ابدالہ بما ینفع شخصا بعینہ وہو باطل قطعا بالاجماع فالفرع لا یکل الاستشہاد بہ ولا الالتفات الیہ فان قلت ہکذا صبت الا ان التقیید بالمعین وہ یہدم ما تبنی علیہ فیما یلحق

(۷۳) **قال** وعند محمد ان لم یستغن عن المسجد لا یجوز نقلہ الی شخص بعینہ) افیجوز الی شخص لا بعینہ حاش للّٰہ لم یقل بہ محمد ولا احد۔

(۷۴) **قال** فرع وقع فی بلاد استولت علیہا الکفرۃ انہم ہدموا المساجد لاجل الطریق العامۃ وبنوا مسجد آخر واعطوا المسلمین او ردوا القیمۃ للمسلمین بدل مسجد منہدمۃ وقد افتی بجواز الصلاۃ فی المسجد المبدل بعض معاصرینا) ای شبہۃ فی جواز الصلاۃ فی مسجد آخر وانما اجاز المتہور علی ما سمعنا استبدال المسجد وہو فیہ مفتر علی اللّٰہ تعالی وقد استحسنت فتیاہ اذ جعلت ما تزعمہ احسن منہا۔

(۷۵) **قال** وعندی احسن من ہذا ان یطالب اولا بناء مسجد عوض المسجد) یا سبحن اللّٰہ تقول استولت الکفرۃ وبنوا مسجدا واعطوا المسلمین او ردوا القیمۃ فہما وجہان وتختار منہما الا یکون مسجد ابدا ان یطالبوا اولئک ببناء مسجد عوض المسجد وہل یصح بناء مسجد من کافر واللّٰہ تبارک وتعالی یقول ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللّٰہ شہدین علی انفسہم بالکفر اولئک حبطت اعمالہم وفی النار ہم خلدون ۰ انما یعمر مسجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر الاٰیۃ انظر نصوص الفقہاء قاطبۃ۔

(۷۶) **قال** فلما تم البناء یصلون فی المسجد الجدید حتی یستغنی عن المسجد القدیم الکان امکان الصلاۃ

فی مسجد موجبا للاستغناء عن غیرہ حتی یجوز ہدمہ فکم من مساجد تہدمہا دعلی محمد تحل دمہا وکذا حصول الصلاۃ فی غیرہ من دون نیۃ تعطیلہ وان کان ذلک اذا صلوا فی آخرنا دین تعطیل الاول فہذا ہو تخریب المسجد ومن احل الصلاۃ بہذہ النیۃ۔

(۷۷) الصلاۃ لاتتوقف علی البناء ولا ہو شرط المسجد کما نص علیہ فی الخانیۃ والہندیۃ وغیرہما فلم تطالب بالبناء وربما یتأخر الامر الی سنۃ او سنتین بل قل بیطالبوا بارض فیصلوا فیہا لتکون تشفترتک الی حلق المسجد اسرع۔

(۷۸) قال فلو ہدم الاول لاباس بہ قد علمت ان ہذا لیس قول محمد ولا احد انما یکون المسجد والمحلۃ عامرین فیبنوا جدیدا ویبطلوا قدیما ویہدموہ اما قولک لاباس بہ فنعم ای باس فی ہدم المسجد انما الباس فی ہدم شقص من جدار دارک۔ یا دفراہ اخدام الکعبۃ وہدام المسجد کلا ورب البیت۔

(۷۹) قال وہذا وقت الضرورۃ الشدیدۃ زعمت بناءہ علی قول محمد وقول محمد غیر مقید بوقت الضرورۃ وانما یقول کما فی الہدایۃ والکافی والتبیین وغیرہا انہ عینہ لنوع قربۃ وقد انقطعت فصار کہدی الاحصار اذا زال الاحصار فادرک الحج کان لہ ان یصنع بہدیہ ما شاء اھ فان قلت قیدتہ بہا لان قولہ غیر مفتی بہ فلا یعمل بہ الا للضرورۃ قلت الست زعمت ان المتاخرین افتوا بقول محمد وقلت ان المفتی بالخیار ان شاء افتی وان شاء لم یفت لان اباحنیفۃ کما روی عنہ موافقۃ ابی یوسف یروی عنہ موافقۃ محمد فان قلت انما قلت عن المتاخرین انہم افتوا للضرورۃ ودفع التظلم علی قول محمد قلت معناہ علی فرض صحتہ انہم رأوا ان فی القائہ مسجدا ابدا وقد خرب ما حولہ وتفرق الناس عنہ مظنۃ ان تتصرف الظلمۃ فی نقضہ وارضہ وتسری الاہانات الی المسجد فافتوا بہ لہذا فہذا حاملہم علی الافتاء لا قید اجازۃ العمل بہ نظیر ما ذکرہ الشامی فی افتائہم بروایۃ ابی یوسف الاخری وانت القائل ان المفتی بالخیار وای خیار عند الضرورۃ۔

(۸۰) قال کالتشدد من الحکومۃ انما التشدید بالان الجہلۃ باعۃ دینہم بدنیا غیرہم یتمنون الیہا ان فی الشریعۃ الاسلامیۃ جواز ہدم المساجد للطریق ولو اخبرہا المسلمون ان ہذا حرام فی دیننا وقد وعدت ان لا تزاحمنا فی دیننا لااحجمت۔

(۸۱) قال اوالارصاد سبحن اللہ الارصاد ایضا من الضرورۃ نسأل اللہ السلامۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ اویکون عطفا علی الضرورۃ فیکون انص واصرح واشنع واقبح وبالجملۃ جعل الناس بیت الواحد القہار مالک الملکوت کاوہن البیوت بیت العنکبوت بجل ہدمہ لارصاد حاکم نصرانی وان لم یکن منہ تشدید فیہ فالی اللہ المشتکی ولیبک علی الاسلام من استطاع البکاء

(۸۲) قال والدلیل فیہ ما مر من الحمادیۃ قد علمت انہ باطل نصا واجماعا کما اقمنا البرہان علیہ نبذت بانت ایضا الاباحۃ جعل المسجد العامر ملک شخص بعینہ وہو باطل قطعا حتی عندک فما ہو الاسہو صریح او تحریف قبیح وباللہ العصمۃ ومن سہنا ظہر ان ایرادک ایاہ بصورۃ السؤال ثم جوابک عنہ بانہ علی قول محمد وہو غیر مفتی بہ انما کان تسترا وکان ببالک ان تستند الیہ وتعتمد علیہ وتجعلہ ایضا مفتی بہ وتخیر المفتی بین اختیارہ واختیار غیرہ۔

(۸۳) علی تسلیم ذلک الباطل ای دلیل فیہ علی جوازہ للارصاد فانہ لضرورۃ الضیق فالدلیل اخص من المدعی۔

(۸۴) قال اما المتاخرون فافتوا للضرورۃ علی قول محمد این ومن ولا تنس تمام دعوٰک ثم قد علمت ان الذی ابتدعت لیس قول محمد ولا احد۔

(۸۵) قال والمفتی بالخیار ظلم رددت اولا فرع الحادیۃ تسترا بانہ علی غیر المفتی بہ فان قلت ذلک حکمی فی الاصل وہذا حکمی فی الضرورۃ قلت الضرورۃ والخیار لا یجتمعان۔

(۸۶) قال المذہب الثالث لایجوز ان یجعل شیئا من المسجد طریقا قیل ہو اصح تصحیح ایہا المسلمین کان ذلک سعیہ فی ذلک الباطل المبین واذا اتی علی ذکر الحق خدشہ بزیادۃ قیل من عند نفسہ ولیس الترجیح والترتیب بیدہ المریدان الذی صححہ ہو الامام الفقیہ الجلیل ابو اللیث من اکابر ائمۃ الفتوی والامام الجلیل برہان الدین محمود صاحب المحیط والذخیرۃ وان خلافہ لم یصحح وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع ہذا علی فرض الاختلاف والا فالتحقیق ان لا خلاف راجع جد الممتار تعلیقات شیخنا المجدد علی رد المحتار ترعجبا وتجتن رطبا وتجتنب عطبا فانا اذکر لک بعض ما افاد

قال حفظہ الملک الجواد علم ان المسجد منزہ عن حقوق العباد جمیعا اجماعا ولا یحل لاحد ان یجعلہ او شیئا
منہ لغیر ما بنی لہ من العبادۃ والاذکر ویحرم قطعا تحویلہ ولشیئ آخر تبدیلہ ما دام مسجدا وہذا اجماع من دون نزاع
قال اللہ تعالٰی وان المسٰجد للہ قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح المسجد خالص لہ سبحنہ لیس لاحد
فیہ حق قال اللہ تعالٰی ان المسٰجد للہ مع العلم بان کل شیئ لہ کان فی ہذہ الاضافۃ اختصاصہ بہ وہو
بانقطاع حق کل من سواہ عنہ اھ وفیہ ایضا قبلہ المسجد جعل للہ تعالٰی علی الخصوص محررا عن ان یملک
العباد فیہ شیئا غیر العبادۃ وما کان کذلک خرج عن ملک الخلق اجمعین اصلہ الکعبۃ الحق المسجد بہا اھ
وقال الامام برہان الدین فی الھدایۃ المسجد جعل خالصا للہ تعالٰی ولذا لا یجوز الانتفاع بہ اھ وقال بعدہ
لانہ (ای المسجد) تجرد عن حقوق العباد وصار خالصا للہ تعالٰی وہذا لان الاشیاء کلہا للہ تعالٰی واذا
اسقط العبد ما ثبت لہ من الحق رجع الی اصلہ فانقطع تصرفہ عنہ اھ وقال الامام الاجل فخر الدین فی الخانیۃ
المسجد ما لا ینتقل الی مکان آخر اھ وقال الامام السمعانی فی خزانۃ المفتین رامزا نص لفصول العمادیۃ
لو کان مسجدہم ضیقا فاستبدلوہ بدار رجل ہی اوسع لم یجز اھ وفی الذخیرۃ ثم الہندیۃ قال محمد لا یسعہم
ذلک اھ وفی فصول العمادی ثم خزانۃ المفتین مسجد واسع جعل المتولی بعضہ حانوتا للمسجد لا یجوز اھ
وفیہا عن فتاوی الامام فخر الدین لو جعل القیم تحت المسجد حوانیت للغلۃ او لیفنائہ لم یجز اھ وفی نوازل
الامام الفقیہ ابی اللیث ثم التجنیس والمزید للامام برہان الدین صاحب الہدایۃ ثم فتح القدیر وفی فتاوی الامام
قاضی خان وتہذیب الواقعات والاسعاف فی احکام الاوقاف ثم فتاوی الانقروی وفی محیط
الامام شمس الائمۃ السرخسی ثم الفتاوی العلمگیریۃ واللفظ لہا قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد
او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ وہذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم
المسجد اھ وفی وجیز الکردری والبحر الرائق والدر المختار لا یجوز للقیم ان یجعل شیئا من المسجد مستغلا
ولا مسکنا اھ وفی القنیۃ ثم البحر قیم الجامع القدیم آجر موضعا تحت ظلۃ الباب لبعض الصکاکین
لا یصح اھ وفی جامع الفتاوی والتاتارخانیۃ ثم البحر والنہر والدر بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح
اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق اھ قال البحر والدر فاذا کان ہذا

التحقیق المنیر البازغ والتوفیق الجلیل البازغ فی مسألۃ جعل شیئ من المسجد طریقا

فی الوقف فکیف لغیرہ فیجب ہدمہ ولو علی جدار المسجد اھ ومر فی الکتاب اعنی رد المحتار ما یصنعہ بعض
جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانہ لایحل ولو دفع الاجرۃ اھ وفیہ وبہذا علم حرمۃ احداث
الخلوات فی المساجد الی آخر ما مر وبالجملۃ النقل فیہ کثیر شہیر مستفیض شہیر اذا علمت ہذا فجعل شیئ من المسجد
طریقا لہ صورتان الاولی ان یقطع من المسجد وتبطل مسجدیتہ ویدخل فی الطریق فیتحول طریقا لمفوظا
بعدما کان مسجدا محفوظا فتمر فیہا الحائض والنفساء والجنب والدواب والحمیر والکلاب وتردث وتبول
وتمنع الصلاۃ فیہ شرعا کما ہو حکم الطریق والثانیۃ ان یبقی المسجد بجمیع اجزائہ مسجدا کما کان وتجب آدابہ
وتحفظ حرماتہ غیر ان یؤذن بالمرور فیہ عند الحاجۃ للمشاۃ غیر الجنب واختیہ والدواب ومن علم ذلک
الاصل الاصیل المقرر المحرر المدلول علیہ بکتاب اللہ واجماع الامۃ وکان فی قلبہ تعظیم حرمات اللہ و
شعائر اللہ علم قطعا ان فی قول الجواز لاتصلح الاولی ان تکون مرادۃ بل الثانیۃ ہی المقصودۃ بالافادۃ
فہی معنی جعل شیئ من المسجد طریقا کما فی الکنز والغرر والتنویر والخلاصۃ والفتح او جعل ممر فیہ کما فی تبیین
الحقائق والعینی والبحر والنہر والدر وابی السعود والشرنبلالی والخادمی والعجیمی واخی زادہ علی الدرر
وغیرہا ولایحل ان یحمل الا علیہ لفظ الزیادۃ فی الطریق من المسجد کما فی العنایۃ عن خواہر زادہ او توسیع
الطریق منہ کما فی الاشباہ ومختار الفتاوی والملتقی او ادخال بعضہ فی الطریق کما فی المنح فان الطریق
اذا کان ضیق وبجنبہ مسجد واسع یحتمل المرور فاذن للناس ان یدخلوا فیہ من جانب ویخرجوا من جانب
آخر غیر محدثین بالحدث الاکبر ولا رکوبا ولا مدخلی دابۃ ولا نجاسۃ فقد حصل لہم من المسجد ما یحصل من الطریق
والطریق لم یکن طریقا الا لاستطراقہ والتوصل الی المقصود بالمرور فیہ فاذا اسقطنا حرمتہ ہذا من دخل من
المسجد للحاجۃ مع ابقائہ مسجدا کما کان وابقاء سائر الحرمات والاحکام فقد حصل فیہ معنی الطریق وما بہ الطریق
طریق وما کان محظورا او اذن فیہ لحاجۃ فانما یتقدر بقدرہا ولایحل تعدیہا ولاحاجۃ الی اسقاط سائر الحرمات
فآل المعنی الی الصورۃ الثانیۃ وہو الواجب حتما عند کل من رزق حظا من العقل والدین ولم یلہہ اللمم
ولاکان من المفسدین ان یرد المحتمل الی المفسر والمخرج بایہام ضعیف عن اصل مقرر ولاینسب طائفۃ
من علماء الدین الی مخالفۃ نص القرآن العظیم وانتہاک حرمات الشرع القویم ولایرضی بادخالہم فی

من منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا اولئک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الآخرۃ عذاب عظیم
لاجرم قد نص المجوزون انفسہم علی ارادۃ الصورۃ الثانیۃ وبمرأی منک عبارۃ الشرح نقلا عن
الزیلعی ونص الزیلعی تحت قول الکنز ان جعل شیئ من الطریق مسجدا صح کعکسہ معناہ اذا بنی قوم
مسجدا واحتاجوا الی مکان لیتسع فادخلوا من الطریق فی المسجد وکان ذلک لایضر باصحاب الطریق
جاز وقولہ کعکسہ ای کما جاز عکسہ وہو ما اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اہل الامصار فی الجوامع وجاز
لکل احد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لما عرف فی موضعہ ولیس لہم ان یدخلوا
فیہ الدواب اھ فانظر کیف فسر الاول بادخال جزء من الطریق فی المسجد ثم اذا اتی علی العکس
حاد عن ذلک السنن کیلا یوہم خلاف المقصود وقال جعل فی المسجد ممر وحصر المراد فیہ لقولہ وہو ما اذا
جعل وعبارۃ البحر الرائق لصاحب الاشباہ المذکورۃ ومعنی قولہ کعکسہ انہ اذا جعل فی المسجد ممرا فانہ
یجوز لتعارف اہل الامصار الی آخر ما فی التبیین معزیا الیہ وتبعہ علیہ الامام العینی والعلامۃ عمر بن نجیم
فی النہر والسید الازہری فی الفتح وناظر الدرر الشرنبلالی والخادمی وحسن العجیمی المکی وعبد الحلیم الرومی
ولما نقل فی جامع الفصولین عن العدۃ جعل شیئا من المسجد طریقا او من الطریق مسجدا جاز اھ قال العلامۃ
الخیر الرملی فی حاشیتہ قال العلامۃ الغزی (ای صاحب المنح المذکور) ان جعل شیئ من الطریق مسجد
صح کعکسہ قال شارحہ الزیلعی عکسہ ہو ما اذا جعل فی المسجد ممرا (الی قولہ الدواب) وہذا یوافق ما نقلہ المصنف
عن العدۃ انتہی کلام الغزی اھ وافاد ہؤلاء الجلۃ ارادۃ الصورۃ الثانیۃ وبطلان الاولی باربعۃ وجوہ
الاول الاستدلال بتعارف ذلک فی جوامع الامصار ومن زعم ان ابطال مسجدیۃ جزء من المسجد
وتحویلہ طریقا مما یتعارف فی جوامع الامصار فقد افتری والثانی تحریم ان یدخلہ جنب او حائض او
نفساء والثالث الاحالۃ علی ما عرف فی موضعہ من کتاب الطہارۃ انہ لایجوز دخول ہؤلاء فی المسجد
والرابع تحریم ان یدخلوا فیہ الدواب وہذا صاحبنا السید العلامۃ المحشی نقلہ عن التتارخانیۃ عن الفتاوی
عن الامام بکر خواہر زادہ بلفظ تجوز الزیادۃ فی الطریق من المسجد لان کلہ للعامۃ اھ ثم جعلہ عین ما علیہ المتون
ما علیہ المتون بما فسر والاکابر ما سمعت ثم بنفسہ فی آخر کلامہ لقولہ ہو جواز جعل شیئ منہ سطرا او تسقط

حرمة المرور فیه للضرورة لکن لا تسقط جمیع احکام المسجد فلذا لم یجز المرور فیه لجنب و نحوه کما مر اھ فافتح العین
وادفع الغین یذھب الشین ویزھق المین وظاہر ان الزیادۃ فی الطریق من المسجد وتوسیعھا منه وادخال
شیئ منه فیہا متساویة الاقدام فی ذلک الابہام ومع ذلک لم یرد ہذا صاحبنا السید العلامة المحشی عن
تفسیرہ بالصورۃ الثانیة ورده الی الحق بل لم یقدح منه فی ذہنه الا المحمل الصحیح لعلمه بان خلافه من ابطل الاباطیل
واشنع المحالات لا یخطر ارادتها فی قلب من اوتی تعظیم الحرمات وما علی امثال ہذه التصریحات الجلیة بل منہا
ایرادہم مسئلة جعل المسجد رحبة فی مبحث جعل شیئ منه طریقا قال العلامة الشرنبلالی فی الغنیة تحت قوله
جاز جعل شیئ من الطریق مسجدا لا عکسه ما نصه نقل المسئلة فی فتح القدیر وقال ولہم جعل الرحبة مسجدا وقلبه
کذا فی الخلاصة اھ فقد جعل المسألة عین المسألة وقال العلامة السید احمد الطحطاوی علی قول الدر کما جاز
جعل الامام الطریق مسجدا ما نصه لم یقیده فی الدرر بالامام بل الذی فی الہندیة عن الکبری مسجد اراد اہله ان
یجعلوا الرحبة مسجدا او المسجد رحبة لہم ذلک اھ وسیأتی لعلامتنا المحشی الملام به حیث اورد مسألة الرحبة
فی ہذه المسألة وقال ورحبة المسجد ساحته اھ قلت وذکر المسألة فی الخانیة وخزانة المفتین بلفظ لو احتاجوا
الی تحویل باب المسجد او جعل المسجد الخارج داخلا ونحوه فالرأی فی ذلک لافضلہم ولا لاکثرہم اھ فالمعنی واحد
واللفظ مختلف فلو کان الکلام علی تحویل المسجد الی غیرہ لکانت کلماتہم ہذه کلام من لا یمیز بین المبحث وجهه
کلا بل افادوا ان المراد ہی الصورۃ الثانیة ای المرور فی المسجد مع ابقائه مسجدا بحاله ولیستقیم ایراد ابتنائها علی
الرحبة فیه لان المر انما یکون عادۃ فی الساحات دون المنازل المسقفة فاذا جعل المسقف من المسجد مسجدا
صیفیا غیر مسقف فالذی یدخل المسجد لیمر فیه الی جانبه الآخر انما یقصد ہذا الصحن الذی کان مسقفا من قبل
فیتحقق المرور فی جزء من المسجد بعد ما لم یکن فیه ولو استقصینا ادلة ہذا لطال الکلام ولا حاجة بعد ما تشہد به
قلوب اہل الاسلام فالحمد للہ علی وضوح المراد وانقطاع عرق الضلال والفساد وبما ذکرنا لمع التحقیق وباللہ
التوفیق فالمانعون ارادوا الصورۃ الاولی والمجوزون قصدوا الصورۃ الاخری وللہ الحمد ہذا وجه ووجه
آخر ان یتوارد الکلامان معا علی الصورۃ الثانیة ومع ذلک یتفقان وذلک لما علمت ان الاصل فیه

بالاحتیاج قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر فی کتاب الکراہۃ من الخلاصۃ عن الفقیہ ابی جعفر عن ہشام عن محمد انہ یجوز ان یجعل شیئ من الطریق مسجدا او یجعل شیئ من المسجد طریقا للعامۃ اھ یعنی اذا احتاجوا الی ذلک اھ ولمولٰنا السید المحشی رحمہ اللہ تعالٰی علی قول الدر کعکسہ ہذا عند الاحتیاج کما فیدہ فی الفتح اھ ونظیرہ قول البزازیۃ لایجعل شیئ من الطریق مسجدا ولا شیئ من المسجد طریقا للعامۃ اھ فافادکم الاصل فی الموضعین وذلک لان الاصل فی الطریق ان لایؤخذ منہ شیئ لغیرہ وانما یدخل بعضہ فی المسجد اذا احتیج الیہ ولم یضر بالمارۃ کما قدمنا عن التبیین ومن معہ من کثیرین وفی الفتح لوضاق المسجد وبجنبہا ارض وقف علیہا او حانوت جاز ان یؤخذ ویدخل فیہ ولوکان ملک لرجل اخذ بالقیمۃ کرہا فلوکان طریقا للعامۃ ادخل بعضہ بشرط ان لایضر بالطریق اھ وفی الدر جعل شیئ من الطریق مسجد الضیقۃ ولم یضر بالمارین جاز قال ط ومحشینا افاد ان الجواز مقید بہذین الشرطین اھ ہکذا فیہم کلمات الفقہاء ومن ساعدہ التوفیق وباللہ التوفیق لارب سواہ وہنا وجہ ثالث سبق منہ لبعض خلاف دقیق وان استقصی الکن ان یؤدی الی التوفیق وہو ان نقول کلا الکلامین فی الصورۃ الثانیۃ وحالۃ الحاجۃ غیر ان الحاجۃ اعم من الضرورۃ ومواضع الضرورۃ مستثناۃ بالضرورۃ فالمانعون لایجیزون ولو للحاجۃ مالم تبلغ حد الضرورۃ والمجیزون یعتمدون مطلق الحاجۃ کما یدل علیہ تعلیلہم بالتعارف دون الضرورۃ **فان قلت** فاذن ما المرجح منہما **قلت** النفع مصحح بصریح التصحیح من الامامین الجلیلین ابی اللیث الفقیہ والبرہان محمود کما سیأتی للمحشی عن التاتارخانیۃ عن ابی اللیث ومثلہ فی الہندیۃ عن المحیط ولاکذلک فی الاجازۃ غیر ان کلام اکثر النظار ناظر الیہا اما قول مولٰنا المحشی رحمہ اللہ تعالٰی ان المتون علی الثانی فکان ہو المعتمد **فاقول** المتون مطلقۃ کالروایۃ عن محمد سواء بسواء ولابد من التقیید اجماعا لاطباقہم علی عدم جواز المرور فی المسجد الا بعذر ففی الاشباہ لایجوز اتخاذ طریق فیہ للمرور الا لعذر اھ قال الحموی یعنی بان یکون لہ بابان فاکثر فیدخل من ہذا ویخرج من ہذا اھ وفیہ عن منیۃ المفتی لایمر فی المسجد ویتخذہ طریقا فان کان لعذر لم یکرہ اھ وفی فتاوی الامام قاضی خان وخزانۃ المفتین لایجوز ان یتخذ فی المسجد طریقا یمر فیہ من غیر عذر فان فعل لعذر جاز اھ وفی فتاوی الخلاصۃ والبحر الرائق والعالمگیریۃ رجل یمر فی المسجد ویتخذہ طریقا ان کان

بغیر عذر لایجوز وبعذر یجوز ثم اذا جاز یصلی فی کل یوم مرۃ لا فی کل مرۃ اھ وفی البزازیۃ یمر فی المسجد ویتخذہ طریقا ان بعذر
یعذر وبدونہ لا ویصلی فی کل یوم مرۃ لا فی کل دخلۃ اھ وفی التنویر یکرہ الوطء فوقہ والبول والتغوط واتخاذہ
طریقا بغیر عذر اھ وفی الغیاثیۃ لو اتخذ ممرا فی المسجد ان کان بعذر جاز دفعا للحرج وبغیر عذر یکرہ ثم فی موضع
العذر یحترز عن التکثیر بالمر حتی قالوا یمر فی الیوم مرۃ ومسائل ہذہ فاشیۃ فی الزبر دائرۃ فی الکتب وقد اطلقہا
کثیرون علی عادتہم من ترک قیود قد عرفت ففی البحر عن الحاوی یکرہ التوضؤ فی المسجد کالبزق والمخط لما فیہ من
الاستخفاف وکذا یکرہ ان یتخذ طریقا او یحدث فیہ حدیث الدنیا ویکرہ الدخول فیہ لغیر طہارۃ اھ وفی غنیۃ ذوی
الاحکام لایجوز ادخال نجاسۃ فیہ ولا استطراقہ اھ ویأتی للشارح فی الحظر عن الوہبانیۃ ~ ولیس متاعا لمرء بحاجہ مع
ومن علم الاطفال فیہ ویوزر ~ قال ط فلا تقبل الشہادۃ اذا کان مشہورا بہ اھ قال الشرنبلالی والحیلۃ لمن ابتلی
ان ینوی الاعتکاف حال الدخول ویکفی فیہ سکنات فیما بین الخطوات اھ وفی الہندیۃ عن فتاوی التمرتاشی عن
صلاۃ الجلالی لا یتخذ طریقا فی المسجد بان یکون لہ بابان فیدخل من ہذا ویخرج من ذلک اھ فمرۃ اطلقوا المنع واخری اطلقوا
الجواز واخری بینوا واوضحوا ان ہو المراد فی جمیع المواضع فاطلاق المنع مقید بالاستثناء واطلاق الجواز مقید بالشرط واذا کان
الامر علی ہذا فان قیدنا بالضرورۃ وافقت المتون قول المنع وان قیدنا بالحاجۃ کما فعل کثیر من النظار وافقت
قول الاجازۃ فلیس فی نفس المتون ما یرجح احد القولین وکذلک استثناء وہم العذر فان اردنا بہ التعذر
وافق الاول وان عممناہ التعسر وافق الثانی ہذا ما یعطیہ ظاہر النظر وانا **اقول** وباللہ التوفیق وبہ الوصول
الی ذری التحقیق القی ربی فی قلبی ان استطراق المسجد ای جعلہ طریقا بالمعنی الذی وصفنا لا بمعنی التبدیل
الباطل المستحیل علی سبعۃ اوجہ لا یصلح منہا للخلاف الا وجہ واحد بیان ذلک ان المرور فی المسجد یتحقق
بکل من الدخول والخروج فان الامام مثلا اذا دخل من الباب ثم تقدم الی المحراب لا بد لہ من نقل الاقدام
وقطع المسافۃ وہو المرور وعقد الامام البخاری فی الجامع الصحیح باب المرور فی المسجد وروی فیہ حدیث
ابی موسی رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال من مر فی شیئ من مساجدنا واسواقنا
بنبل فلیأخذ علی نصالہا لا یعقر بکفہ مسلما قال الحافظ فی الفتح باب المرور فی المسجد ای جوازہ وہو مستنبط
من حدیث الباب من جہۃ الاولویۃ اھ وعقد قبلہ باب یاخذ بنصول النبل اذا مر فی المسجد واخرج فیہ

حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال مر رجل فی المسجد ومعہ سہام فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امسک بنصالہا غیر ان الدخول والتقدم وان لم یخل عن معنی الاستطراق لان ما بین الباب والمحراب کان طریقا الیہ ومعلوم ان کل جزء من المسجد مسجد لکن لایقال علیہ استطراق المسجد فی متفاہم العرف فان الطریق لایقصد لنفسہ وہہنا مقصودہ المسجد فلا یتعلق غرضنا بہذا الفصل ولا ہو مفرز بحکم بل حکمہ حکم ما قصد الدخول فمن ماموربہ کما ذکرنا فی الامام وکالمقتدین الاولین یقربون منہ ومن بعدہم یصلون الصفوف ومن رأی فی صف فرجۃ تقدم وسدہا ولو تخطی الصفوف ومنہ الدخول لبناء المسجد ومرمتہ وتنظیفہ وتجمیرہ والعکوف ومنہ دخول القاضی لیجلس فیہ للقضاء والدخول لعقد النکاح وما ذون فیہ کدخول المدعی علی القاضی عین کونہ فی المسجد وتقدم للمنفرد الی حیث شاء خانہ لا یمر ان لایمر بعد الباب والدخول للتعلیم والتعلم والذکر کل ذلک بشرطہ ومنہی عنہ کالدخول لحدیث الدنیا الی غیر ذلک لایخفی اما المرور للخروج منہ فلا محید لہ عن استطراقہ وان لم یکن الا داخلا للصلاۃ صلی فآب فانہ لاتعبد المسجد بل انما یمر فیہ لیتوصل بہ الی بیتہ مثلا وہذا ہو الاستطراق وقد عقد الامام البخاری باب الخوخۃ والممر فی المسجد واورد فیہ حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایبقین فی المسجد باب الاسد الاباب ابی بکر وحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدوا عنی کل خوخۃ فی ہذا المسجد غیر خوخۃ ابی بکر قال الامام العینی فی العمدۃ الظاہر ان مراد البخاری من ہذہ الترجمۃ الاشارۃ الی جواز اتخاذ الخوخۃ والممر فی المسجد لان حدیث الباب یدل علی ذلک فان قلت لیس فیہ ذکر الممر قلت الممر من لازم الخوخۃ فذکرہا یغنی عن ذکرہ اھ ومعلوم ان لالزوم للخوخۃ الا لان یدخل منہا للصلاۃ ویؤب فقد جعلا اتخاذ ممر فی المسجد واقرہ وبمرأی منک ما یفیدہ العلامۃ المحشی علی قولہم لتعارف اہل الامصار فی الجوامع انہ یجد فی اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفۃ للمشی فیہا وقت المطر ونحوہ لاجل الصلاۃ او للخروج من الجامع لا لمرور المارین مطلقا ولعل ہذا ہو المراد اھ فترجی ان مرادہم بجعل الممر فی المسجد بالدخول للصلاۃ والخروج للبیت اذا عرفت معنی الاستطراق فلنتکلم علی وجوہہ وباللہ التوفیق فاقول استطراق المسجد علی سبعۃ اوجہ لانہ اما لازم او عارض والعارض

اما لاجل المسجد او لغیرہ وما لغیرہ اما حادث او منوی والمنوی اما منطوی او مستقل والمستقل اما حاجۃ او دونہا
وما لحاجۃ اما بلغت حد الضرورۃ اولا ونعنی باللازم ما لا نظر فیہ الی مقصود آخر غیر الرجوع فان کل من
دخل المسجد ولو لحاجۃ لا بد لہ فی الرجوع من قطع مسافۃ ما فی المسجد فان لم یرد الا ہذا فہو اللازم وان قصد
مقصدا آخر وتوصل الیہ باستطراق المسجد فہو العارض کمن دخل للصلاۃ وخرج من باب یلی السوق
لیدخلہا واللازم حکمہ حکم الدخول لان الخروج لا بد منہ للولوج ولازم الشیء لہ حکمہ فان کان دخل للصلاۃ
مثلا فہو فی رجوعہ ایضا فی الصلاۃ تکتب آثارا ایابہ کآثار ذہابہ حسنات والضد بالضد فہذا اشمل الدخول
لا یفرز بحکم والعارض ان کان فی رجوعہ من طریق رجوعہ فہو مغمور فی اللازم فان زاد نیۃ مباح لم تزد
شیئا کمن یرجع الی بیتہ ناویا انو ما مباحا او نیۃ حسنۃ کان یرید فی قفولہ اعانۃ ملہوف او زیارۃ عالم
فقد استجد حسنۃ ذاتیۃ تزید فی حسنۃ الرجوع العرضیۃ اذا کان الدخول حسنۃ وتبارئ سیئۃ الرجوع
العرضیۃ اذا کان الدخول سیئۃ ومن ذلک خروج من دخل المسجد مجتازا فندم فانہ یؤمر بان یخرج من
حیث دخل اعدا ما جنی کما فی البزازیۃ والبحر قال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا عملت سیئۃ فاتبعہا حسنۃ تمحہا
رواہ الامام احمد عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ تعالی عنہ بسند صحیح او نیۃ سیئۃ فلما اعظمہا فرادنا بالعارض ما استجد فیہ نظر
کما مثلنا او لم یرد بہ الرجوع کما یأتی لان فی کل منہا استطراقا جدیدا غیر القفول عنہ ما للمسجد کنائم احتلم
فی المسجد وجب علیہ الخروج للاغتسال وحائض یرید الصلاۃ علیہ الخروج للتخلی وکذا من اراد اخراج الریح علی الصحیح ومنہ الخروج
لیأتی بآلات لتعمیرہ ومن سراجہ وتجمیرہ ونحوہ وسائر مصالحہ ومنہ خروج المؤذن للاذان والمتوضئ ولو متوضئا
للوضوء لکراہتہما داخلا الی غیر ذلک وہذا کلہ مطلوب شرعا من الندب الی الوجوب اما ما لغیرہ فان بدا لہ
ہذا القصد ولم یکن من نیتہ حین دخل فحادث وان کان منہا تبعا کمن دخل للصلاۃ وہو یرید ان یخرج
بعدہا الی السوق فمنطوی والحادث لا ریب فی جوازہ اذا کان دخولہ وخروجہ کلاہما ماذونا فیہ
کمن دخل للصلاۃ وغیرہا مما تقدم من المطلوبات وخرج للسوق وغیرہا من السائغات فان الداخل
لا یؤمر بالخروج من باب معین بل لہ ان یخرج من ای الابواب شاء ولا نعلم احدا تقید بذلک بل کل
یخرج الی باب یلی مقصدہ الآن کبیتہ او بیت عالم یرید ان یسألہ او صدیق لیقصد زیارتہ او سوق یشتری

فیہا الی غیر ذلک من الحوائج کل ذلک مشہود فی الحرمین الشریفین وغیرہما من غیر نکیر من العلماء بل العلماء انفسہم یفعلونہ وکذلک المنوی المطوی فانہ لایصیر بہ دخولہ للاجتیاز لان مقصدہ الاول متعلق بالمسجد کالصلاۃ والدرس والذکر ونحوہا وکونہ ینوی انہ اذا فرغ من ہذہ یذہب الی کذا لایجعل دخولہ لکذا کمن نوی ببستان بنی عامر وفی قلبہ انہ یدخل بعدہ مکۃ شرفہا اللہ تعالٰی لم یلزمہ الاحرام وکمن نوی مسیرۃ لیلۃ وانہ یذہب من ہناک مسیرۃ لیلتین لم یجز لہ القصر الا فی الرجوع اذا رجع بقصد واحد ومن الدلیل علیہ مسألۃ مقیم الجماعۃ بل من خرج للجماعۃ فی مسجد حیہ او استاذہ لدرسہ او لسماع وعظہ فانہ یباح لہ الخروج من المسجد ولو بعد الاذان احرازا للفضل کما مر فی الکتاب شرحا عن النہر وحاشیۃ عن الدرایۃ والتتمۃ فانہم لم یقیدوہ بان لایکون ہذا الخروج من نیتہ عند الدخول بل ہو الظاہر من حال المتفقہ العارف بالمسألۃ العازم علی الصلاۃ فی مسجد الاستاذ اما المنوی المستقل فہو لمن دخل المسجد لم یدخلہ الا للاجتیاز منہ الی مقصدہ وہذا ہو مطمح الانظار وہو المراد فی النصوص التی قدمنا من کراہۃ المرور فی المسجد الا لعذر ولاشک انہ اتخاذ طریق فیہ لانہ اذا دخل المسجد لا للمسجد بل لیجوزہ ویتوصل منہ الی مقصدہ فلا معنی للطریق الا ہذا وقد سمعت کلام الہندیۃ والحموی والتمرتاشی والجلالی حیث فسروا اتخاذ طریق فیہ بان یکون لہ بابان فیدخل من ہذا ویخرج من ذلک فمن یتوہم ان المراد جعل ممر فی المسجد او اتخاذ طریق فیہ تحویل بعضہ طریقا فقد سفہ وظلم فہذا ان کان بدون حاجۃ لم یجز وفاقا وان اعتاد فسق وصار مردود الشہادۃ منفیا عن الامامۃ وان کان لضرورۃ جاز اجماعا بل قد یجب کمن لم یجد السبیل الی مأمنہ من عدو یرید قتلہ ظلما الا من مسجد والمسائل کلہا الی ہنا لاتصلح للخلاف فی النظر الفقہی بقیت الصورۃ الاخیرۃ السابعۃ ان یدخل المسجد لمحض الاجتیاز منہ لحاجۃ لم تبلغ حد الضرورۃ فہذا الذی یتصور فیہ الخلاف ویظہر لی واللہ تعالٰی اعلم ان الراجح فیہا ہو المنع فان المحظورات انما تباح للضرورات والا فحاجات الانسان عرض عریض فلو ابیح المحظور لکل حاجۃ لکاد ان یفقد الحظر من الدنیا الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردہا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لہذا رواہ مسلم واللفظ لہ والترمذی والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والحاجۃ ہہنا معلومۃ ولم یقبلہا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

لامکان الانشاد خارج المسجد وان لم یکن کشلہ داخلہ فربما لایبلغ الصوت کل من فیہا ولا یصغی لہ لاشتغالہ
بالذکر وان انتظر خروج جمیعہم واحدا بعد واحد یضاق علیہ ولربما فاتہ الشیئ وربما یکون عند احدہم العلم فان
تعداہ اشتغل بالایفید وترک ما یفید وقد لا یلقاہ بعد وتصحیح المحیط والامام ابی اللیث یشمل الحاجۃ لقولہما
ان اراد اہل المحلۃ ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لہم ذلک وانہ صحیح فانہ یدل انہ
قیل ان لہم ذلک وہذا لایقال الا لحاجۃ بل ولا یظن بالمسلمین ان یریدوہ عبثا اما الضرورۃ فمستثناۃ
عقلا ونقلا ولا نسلم تعارف ذلک فی جوامع الامصار بین العلماء والاخیار وافعال الجہلۃ الرعاع
لا تصلح للاعتبار نعم قد تعورف الحادث والمطوی ولا ارتیاب فی جوازہما واذا جاز فان بنیت لہ رواقات
مسقوفۃ فی اطراف صحن المسجد کما ہو واقع فی المسجدین الکریمین المکی والمدنی لیکون مرورہم بعیدا عن
المصلین ولیکون اعظم حرمۃ لمحل الصلاۃ کما سیفیدہ العلامۃ المحشی کان احسن وازین ولا یعارضہ تصحیح
الامامین فان المتبادر من ارادۃ اہل المحلۃ ان یجعلوہ طریقا للمسلمین ہو المرور المستقل العام وہذا لیس بہ
فلو حمل کلام المجوزین علی ہذا وعلی الضرورۃ فان الجواز یشملہما ویکون التعلیل بالتعارف نظرا الی ہذا
واستثناء الجنب والحائض والدواب نظرا الی الصورۃ الاخری یحصل التوفیق ولا یعکر علیہ قولہم حتی الکافر
فان الکافر الذمی او المستأمن ایضا قد یدخل لبعض مصالح المسجد او غیرہا من المہمات کما افادہ العلامۃ
المحشی نعم ان خرج لمقصد آخر من باب آخر ومشی فی ہذا الممر فلا ضیر ولا ضرر او نقول کلامہم مخصوص بہذہ
الصورۃ دون الضرورۃ بدلیل الاقتصار فی التعلیل واستثناء الجنب ومن معہ منقطع ولا غرو فانہ فی
الکلام کثیر ہذا غایۃ ما یقال فی التوفیق علی ہذا الوجہ الثالث فان قبل والا بقی الخلاف فی الصورۃ السابقۃ
فقط والاظہر کما علمت ترجیح التصحیح الصریح فانہ احق واوثق وبالادب اوفق وان کان الآخر ایسر وارفق
واللہ سبحنہ اعلم بالحق ہذا کل ما ظہر لعبد دون رفیق وارجو ان یکون غایۃ التحقیق ونہایۃ التوفیق وباللہ
التوفیق ومنہ سبحنہ ہدایۃ الطریق والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالی علی سیدنا وآلہ وصحبہ اجمعین
انتہی ما افادہ شیخنا العلام فی ہذا المقام فانظر الی ہذا التحریر المنیر المشرق التنویر العدیم النظیر وما لنا
بعدہ حاجۃ الی کلام کثیر وانما نشیر الی کلم یسیر والحمد للہ اللطیف الخبیر۔

(٨٧) ذکر عبارات فتاوی ابی اللیث والتاتارخانیۃ ورد المحتار والمحیط والہندیۃ ولم یفرق بین قولہم قد قیل لیس لہم ذلک وانہ صحیح وبین زعمہ قیل ہو الصحیح بلی علم فبدّل ولکن نقل فنقض ما غزل۔

(٨٨ الی ٩٠) ثم اتی علی المذہب الرابع وہو ملاذہ بعد الثانی المخترع لو تم لہ ولکن قدمنا ما لیس بعدہ للباطل الا الزہوق وقدم روایۃ الفتح عن الخلاصۃ عن الفقیہ ابی جعفر عن ہشام عن محمد لما سیدیہ ثم تردیہ بحول اللہ تعالی لکن العجب ذکر عبارۃ التنویر وشرحہ الدر حیث قال وفی الدر المختار وشرحہ جاز لعکسہ وہو ما اذا جعل فی المسجد ممر) الی آخر ما مر فسبحن اللہ من تسیم بالعلم وتیکلم فی الفقہ ولا یعرف النافع من المضر ولا الظل ولا الحرور ولا الظلمات ولا النور اقلب ورقۃ وانقلب الی بدء کلامک جعلت استبدال المسجد لشیئ آخر علی وجہین احدہما استبدالہ لشیئ مخصوص یرجع نفعہ الی شخص بعینہ وحکمت علیہ انہ لا یجوز ولم تذکر فیہ خلافا وہو کذلک والآخر جعل المسجد ما ینتفع بہ العامۃ کالطریق وقلت فیہ مذاہب فخرقت اربعۃ ہذا ہو الرابع منہا ان یجعل بعضہ طریقا وممرا لا کلہ فمزعومک تحویل المسجد کلا وبعضا الی الطریق واستبدالہ بہا وما حکیت عن الدر یالیتہ کان سا کنا عما ترید فلم یک تشبثک الا کتمسک الغریق بالحشیش لا یغنی ولا یفید لکنہ تام علیک برد شدید لا برد واحد بل بیدیٔ ویعید فقولہ لتعارف اہل الامصار فی الجوامع رد علیک وقولہ جاز ان یمر فیہ الا الجنب والحائض رد ثان وقولہ والدواب رد ثالث کما تقدم تقریر ذلک کلہ وبالجملۃ فالعبارۃ بکل لفظۃ لفظۃ منہا حاکمۃ بان المسجد مسجد بحالہ لم یتحول ولم یستبدل ولکن المبدلین لا یفقہون۔

(٩١) لما کان تعلیلہم بالتعارف من اظہر ما قاص علیہ بالتعسف حاول ابطالہ لیستجیز محالہ فبدء سائلا قائلا فانما علت قد انکر صاحب رد المحتار علی تعلیلہ لقولہ لانعلم ذلک فی جوامعنا الخ وعاد مجیبا بقولہ اقول لا شک ان فی تعلیل المصنف وغیرہ بالتعارف محل تامل والحق ان تعلیل المسألۃ ہو الحاجۃ والاستغناء عن بعض المواضع لا التعارف) قد علمت ان المستدلین بالتعارف ائمۃ اجلاء وتبعہم من بعدہم من کبار العلماء وقد اثرنا ذلک عن الامام الاجل فخر الدین الزیلعی والامام الاجل بدر الدین العینی والمحقق صاحب البحر الرائق والمدقق عمر صاحب النہر الفائق وخاتمۃ المدققین العلائی صاحب الدر المختار والمحقق العلامۃ

حسن الشرنبلالی والعلامۃ حسن العجیمی المکی والفاضل الخادمی والفاضل اخی زادہ عبد الحلیم الرومی والعلامۃ السید ابی السعود الازہری وغیرہم رحمہم اللہ تعالی ورحمنا بہم وہذا الکلام یشتمل علی شیئین احدہما روایۃ ان ذلک متعارف فی امصارہم فی اعصارہم ولا سبیل الی انکارہ فانہم ثقات اجلاء والعلامۃ الشامی لم ینکرہ وکان لہ ان ینکرہ انما قال لانعلم ذلک فی جوامعنا فانکر علمہ بہذا فی عصرہ ومصرہ فان لم یقع فشیئ کان وبان وان لم نعلم فمن یعلم حجۃ علی من لا یعلم والآخر درایۃ ان ذلک حجۃ فی الجواز ومالک ولا الالوف امثالک ان تباریہم فی الدرایۃ فکیف یقبل الجنب اطباقہم مجرد انکارک یغنیک من دون دلیل یکفیک فضلا عن تاملک الدال علی عدم وثوقک بما یختلج فیک وعدولک فی ذلک الآن الی الجزم بالبطلان تقولک والحق کذا دلیل علی انک لا تمیز بین شکک وجزمک وتاملک وعزمک۔

(۹۲) ہب انک بزعمک تفوقہم فی الدرایۃ فہل تکذبہم ایضا فی الروایۃ وہی المقیمۃ علی مزعومک الطامۃ الکبری ہم یقولون ان ہذا متعارف فی جوامع الامصار فہل تری ان المتعارف تحویل المساجد وتبدیلہا بالطرق۔

(۹۳) ہب ان العلۃ ما ذکرت ولکن ما المسألۃ المر فی المسجد مع بقائہ بحالہ واحکامہ وآدابہ فلا قرۃ عین لک فیہ اذ تحملہ علی التبدیل ام التبدیل فہو لکلامہم صریح تبدیل وتحریف مستحیل۔

(۹۴) ثم قال نعم المتعارف فی الجوامع المصریۃ والشامیۃ ومکۃ والمدینۃ بل فی مسجد لہ بابان المرور بغیر تعیین الطریق لا یعینون موضع المرور فی المسجد بل یمرون فی مساجد لیست فیہا رواقات مسقوفۃ وہذا خلاف الشرع فان المرور فی المسجد مکروہ بغیر العذر تعلم من رد المحتار وتکلم من دون افتکار ولم یدر النافع من الضار وانہ قضاء علی مزعومہ بالتبار رد المحتار انکر تعارف المر فی الامصار ثم قال نعم تعارف الناس المرور فی مسجد لہ بابان وقد قال فی البحر یکرہ ان یتخذ المسجد طریقا اھ ای ان الذی نعرف من التعارف ہذا ولا حجۃ فیہ فانہ خلاف الشرع ای وانما تعارفہ الجہلۃ ولا اعتداد بہم ہذا مراد الکلام علیہ یعرف من جد المتار شیخنا حفظہ اللہ تعالی ولکن صاحبنا بادر الی تقلیدہ بدون فہم ولم یدر انہ اذا لم یجز ان یجتاز احد فی المسجد بالدخول من باب والخروج من آخر کیف یجوز ان یجعل فیہ ممر للعامۃ یسلکہ المسلم

والكافر واذن لايكون تعيين الطريق الا تقرير الاثم وتكثيره وكيف يحل التعيين ان لم يكن من البانى قبل تمام المسجدية كما تقدم النقل فيه عن البزازية والبحر والدر وغيرها وسينقل بعضه صاحبنا ايضا واذا كان هذا الشنع والفحش فاقدر اذن قدر ما تريد بل فعلت من تحويل المسجد طريقا وعلى هذا الجواب عما اعترض به العلامة السيد احمد الطحطاوى حيث قال ثم يقال ان كان البانى عين الطريق وجعل ما على حافتيها مسجدين فالمانع من مرور الحائض والنفساء فى الطريق والا كان بعد انعقاد المسجدية فلا يجوز احداث الطريق فيه اھ وما ذكر بعده ان ظاهر كلام المصنف والشارح جوازه الا انه لا يعطى حكم الطريق من كل وجه اھ فلا يصلح جوابا بل هو المحط للايراد على تقدير هذا المراد۔

(٩٥) قال الا ادغير حرام فلذا انعقد[1] البخارى فى صحيحه باب المرور فى المسجد) المرور بالمعنى الممنوع ان لم يكن حراما فكروه تحريما كما تقدمت النصوص عليه فكيف يفرع عليه عقد البخارى بابا فى جوازه وقد تقدم فى كلام شيخنا المسجد حفظه الله تعالى بيان ذلك الباب وحديثه واى دلالة فيه على المرور المخلوع

(٩٦) لما انكر تعارف المرور اثبت تعارف المرور وظن ان قدروه على هولاء الاكابر الصدور اراد ان يرحمهم ويستخرج وجه صحة لكلامهم فقال اللهم الا ان يستدل بمطلق المرور الثابت[2] تحت التعارف ويقاس عليه اخذ الطريق لجمع المرور[3] فيهما او يجمعهما[4] العذر والاحتياج) اى ان المتعارف وان لم يكن الا المرور من دون تعيين ممر فى المسجد لكن الائمة احتجوا بهذا المتعارف قائسين عليه اخذ الطريق من المسجد اى جعل بعضه ممرا وطريقا للعامة بجامع المرور بينهما او بجامع العذر والاحتياج قال فافهم فانه دقيق) واى كلام ادق من الفاظ جمعت ولا معنى تحتها ففيه اولاً ان حكم المقيس عليه اذا كان الحظر والمنع كما اعترفت فكيف يتعدى الى المقيس الجواز فان قلت يجوز بالعذر قلت فرجع الامر الى الاحتجاج بالعذر دون التعارف نفيم تقول اللهم۔

(٩٧) وثانيا المقيس عليه المرور والمقيس اتخاذ الممر وتجعل الجامع بينهما المرور اى ان المقيس عليه هو الجامع بين نفسه ومقيسه

(٩٨) وثالثا ان كان التعارف المقيس عليه من دون عذر فكيف يجمع بينهما العذر وان كان بعذر

[1] قال الا اد اى كيف انعقد البخارى كيون عقده وحتى كان ذہابا حتى انعقد ۱۲
[2] اى التعارف فيما بينهم ...
[3] ... لم يركب ...
[4] ... ويطلقها على الصدر ۱۲

فكيف قلت هذا التصرف لا يستدل به لانه خلاف الشرع

(۹۹) ورابعًا اذا استند الامر الى العذر دخل تحت اصل اصيل منصوص عليه فى القرآن الجليل قال تعالٰى ما جعل عليكم فى الدين من حرج الى غير ذٰلك من النصوص والداخل تحت النص لا يحتاج الى تمسك

(۱۰۰) وخامسًا الحاجة تلجئ الى المرور لا الى تعيين الممر بل التعيين تضييق والحاجة تطلب التوسيع فاى عذر يدعو الى التعيين۔

(۱۰۱) وسادسًا سلمناه فاى حاجة الى تحويل تلك القطعة عن المسجدية فبطل ما تحمل عليه من الاستبدال

(۱۰۲) وسابعًا الحكم على الطبيعة المتمكنة من اى فرد شاءت او الفرد المنتشر على القولين سار بنفسه الى اى فرد وجد فلا معنى للتعدية الا ترى ان من حرر فى كفارته عبده زيدًا لا يقال انه قاس هذا المعين على مطلق العبد المذكور فى قوله تعالٰى فتحرير رقبة۔

(۱۰۳) قال المقيس هو عين الطريق) نعم ان كان الشیٔ عين مباينه فان الممر المذكور هنا جزء المسجد وجزء المسجد مسجد والطريق الذى تريد بها ين المسجد الم ترانك فى الاستبدال۔

(۱۰۴) قال والمراد بالطريق ههنا اعم قال فى رد المحتار اطلق الطريق فعم النافذ وغيره ط) كلام ط ورد المحتار هذا فى جعل شیٔ من الطريق مسجدًا وانت عديته الى عكسه فصار المعنى يجوز ان يجعل شیٔ من المسجد طريقًا للعامة او لاهل درب خاص فان هذا هو معنى الطريق النافذ وغيره فعدوت عن جواز الاستبدال بنفع العامة الى جواز الاستبدال بنفع خاص فكان صاحبنا لا يدرى ما يخرج من رأسه۔

(۱۰۵) ثم تحرك عرق التمسك بالمفر القاطع فقال انى اذكر لك بعض عبارات الفقهاء فى جواز جعل المسجد طريقًا قال فى العلمگيرية اذا جعل فى المسجد ممرا فانه يجوز لتعارف اهل الامصار فى الجوامع) اى فانهم يهدمون لبعض مسجدهم ويبدلونه بالطريق۔

(۱۰۶) جاز لكل واحد ان يمر فيه الا الجنب والحائض والنفساء) اى لانه لا تحول طريقًا لم يجز لهولاء ان يدخلوه لان مرورهم فى الطريق حرام انما يمرون فى المسجد لا سيما المسجد الحرام۔

(۱۰۷) وليس لهم ان يدخلوا فيه الدواب) لان الطريق مصون عن ذٰلك انما تسلى الدواب فى المسا[جد]

لانها اذا راثت فی الطریق ولیس علیها حائط ضاعت الارواث بخلاف المساجد فانها محفوظة موطة وان لم تکن حرزا۔

(۱۰۸) ثم ذکر عبارة ردالمحتار[1] عن التتابیة عن خواہرزادہ وقد تقدم بیانا شافیا کافیا فیها اثرنا عن جد الممتار لکن عرقة التحرک بحسبان کل ضار نافعا الجاہ الی ان قال فعلم ان جواز اخذ بعض المسجد للطریق مع ابقاء احترام البقعة وسقوط حرمة المرور ظاہر الروایة) واشار به الی ما قدم عن الدر والتبیین والہندیة من تحریم دخول الجنب والحائض والنفساء وادخال الدواب ولم یدر انه الحجة القاطعة علی ابطال ما زعم وفعل من الاستبدال۔

(۱۰۹) قال بل الزعم بانه قول ضعیف لم یذہب الیه احد[2] من الفضلاء قول[3] لم یخرج من فم تاملہ الابالغفلة والاغفال) نعم الذی ترید وفعلت من الاستبدال والابتذال لیس قولا ضعیفا بل باطل فاسد یقینا قطعا ولم یذہب الیه احد من الفضلاء ہٰذا والجمع بین الجملتین سواء کان منک او ممن اثرت عنه زعمه جمع بین النصب والنون فانه لایکون قولا ضعیفا مالم یذہب الیه ذاہب واذا لم یذہب الیه احد لایقال انه قول ضعیف۔

(۱۱۰) ثم اورد علی نفسه سوالا ساقطا من راسه واجاب عنه باربعة ساقطة بانفسها او علیه قائلا فان قلت یمکن ان الجواز علی قول محمد لا بالقول المفتی به او قول یحتمل ان یکون عند ابی یوسف فرق بین جمیع المسجد وبعضه) لاسوال فیم جلیت ولا جواب علم اجبت فان الکلام فی العامر وخلافهما فی الغامر۔

(۱۱۱) المذاہب لاتقرر بلعل وتحتمل بل رأیت فی ہٰذا نقلا عن ابی یوسف ام المذاہب ایضا تخترع من عندک۔

(۱۱۲) انت مستدل فما ینفعک تحتمل۔

(۱۱۳) قال او یکون الفتوی علی قول محمد فی البعض وعلی قول ابی یوسف فی الکل) بناء علی القاعدة علمت

(۱۱۴) الافتاء لایحصل بالاختراع۔

(۱۱۵) الاحتمال لایفید الاستدلال۔

[1] فی نسخة رد المحتار
[2] ای بین ۱۲ فی نسخة ای ۱۲
[3] فی نسخة قولا بالنصب ۱۲

(۱۱۶) قال او یحمل الاختلاف علی صورة انتقال المسجد الی المنفعة الخاصة من المنفعة العامة) الآن یریدان ابا یوسف القائل بتابید المسجد وعلیه الفتوی انما نہی ان ینقل المسجد الی نفع خاص اما نقله الی نفع عام کجعله کلا اصطبلا للغزاة او حماما للحائضات او بیت خلاء للمسافرین فیجوز وفاقا بلا خلاف صدق رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم اذا وسد الامر الی غیر اہله فانتظر الساعة ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

۱۱۷ ان صح شیئ من ہذه الترہات لم یکن معنی لاستثناء الجنب والحائض والنفساء والدواب لان المنتقل مخرج عن المسجدیة واذا لم یبق مسجدا لم یتقید بشیئ الا تری ان الخراب اذا رجع عند محمد الی بانیه او وارثه کان له ان یصنع به ما شاء وبالجملة مبنی ہذه الاراجیف کلہا علی ارادة معنی التحویل والقطع عن المسجدیة وہو مع بطلانه نصا واجماعا باطل بنفس ہذه النصوص الناصة علی تحریم دخول الجنب والحائض وادخال الدواب۔

(۱۱۸) قال او یکون الاختلاف فی وقت خروج الارض عن حکم المسجد بالکلیة بخلاف ما نحن فیه فانه مسجد الی الابد کما ہو قول ابی یوسف الا انه سقطت حرمة المرور فیہا ولا یجوز ان یمر فیه الجنب والحائض والدواب) کانت الثلاث السوالف سواقط بانفسہا وہذا ساقط علیک فقد آمنت بانه مسجد ابدا ولا یحل لجنب وحائض ودابة فبطل زعمک الاستبدال فسبحن الله ممن یرید ان یتکلم فی الفقه ولا یمیز بین الیمین والشمال ولا یدری ما اخذ وما ترک وما اجتنب وما سلک ومن ملک ومن ملک ومن نجا ومن ہلک

(۱۱۹) انما الخلاف فی خروج الارض عن حکم المسجد اذا خرب او خرب ما حوله فقال ابو یوسف یبقی مسجدا ابدا وقال محمد یعود ملکا وانت تقول ان الاختلاف حین ہذا الخروج واذا فقد الخروج فنعم الخلاف او تقول اختلفنا فی وقت الخروج فقال محمد عند الخراب وقال ابو یوسف بوقت غیره وبالجملة ما ہو الا ضیق نطاق بیانک۔

(۱۲۰) اذا کان ما انت فیه لا خلاف فیه فما معنی قولک کما ہو قول ابی یوسف بل قل اجماعا۔

(۱۲۱) ثم احتج بعبارة الاشباه لہم ان یوسعوا الطریق من المسجد) وقد قدمنا عن جد الممتار ما یکفی ویشفی بل حسبه قول نفسه الآن انه مسجد الی الابد لا یجوز ان یمر فیه جنب وسیصرح بعد صفحة تحت ہذا القول

نفسہ ان المراد سقوط حرمۃ المرور خاصۃ مع بقاء سائر احکام المسجد ثم اورد سوالا اجاب لمیا واطال فی جوابہ بنقل عبارۃ الاشباہ والحموی ولا شغل لنا بہ وما فیہ من ذکر الفناء فسیاتی الکلام علیہ۔

(۱۲۲) ثم اورد علی نفسہ نص الاشباہ لایجوز اتخاذ طریق فیہ للمرور الا بعذر) وہو کما علمت منصوص بنصوص الائمۃ فی عامۃ الکتب واقتصر منہا علی الاشباہ تخفیفا علیہ وحاول الجواب عنہ بوجہین الاول قال اتخاذہ للاحتیاج دخل فی الاستثناء) ولم العلیم انہ بالمعنی المراد وللائمۃ حق وقد فسرہ شارحہ الحموی بقول العینی بان یکون لہ بابان فاکثر فیدخل من ہذا ویخرج من ہذا واما بمعنی التحویل الذی تحاول فلا ولا کرامۃ۔

(۱۲۳) الثانی وما ادریک ما الثانی نحن العقل والنقل جمیعا ثان وما لہ فی تعاجیب الدہر من ثان شنو بہ وجہ نحو صحیفۃ وحاصلہ ان الاجتیاز فی المسجد علی وجہین الاول ان یجتازہ واحد من دون ان یتخذ الناس فیہ موضعا معینا للطریق فہذا لایجوز الا بعذر وہو مراد الائمۃ فی ہذہ النصوص لا یکفی اتخاذ ہذا الواحد ایاہ طریقا والثانی ان یعین الناس حصۃ من المسجد للاستطراق فہذا جائز بلا کراہۃ ولا تشملہ النصوص المذکورۃ ویجوز لکل ان یمر ولو کافرا ولکن انسانا طاہرا۔ قال اوالمراد) ای مراد الاشباہ فی المسئلۃ المذکورۃ عدم جواز ان یمر احد لغیر جعلہ لبعض المسجد طریقا کما فہم منہ الحموی حیث قال العینی بان یکون لہ بابان الخ قال فقد علم من ہذا ان کراہۃ المرور فی المسجد الذی لایعین فیہ طریق المرور ولا یجعل منہ طریقا اما الذی یجعل فیہ طریقا فلا باس ویسقط حرمۃ المرور خاصۃ ولا یجوز ادخال الدواب فیہ ولا یجوز للجنب والحائض والنفساء ان یدخلوا فیہ فینبغی ان یحمل کلام القوم علی ہذا ولا یجوز ان یتخذ رجل واحد طریقا قبل جعلہ طریقا للعامۃ) فہذا اولا قاض علی نفسہ بالخطاء وعلی مزعومہ بالبطلان لان بقاء الحرمات والتحریمات لیقطع عرق الاستبدال۔

(۱۲۴) ثانیا یا سبحٰن اللہ اذا بقی مسجدا کما آمنت بہ ولم یجز الاستطراق لواحد لانہ انتہاک حرمتہ فکیف یحل لکثیرین ان ینتہکوا ویہلکوا فالاثم ان اتی بہ واحد فاثم واحد واثنان فاثنان او الوف فالوف آثام فاجتماع الآثام کیف یحیل الاثم مباحا وکانہ نظر الی المثل الفارسی مرگ انبوہ جشنی دارد

ولعمری ماشکلہ الا کمن یقول ان صفع الاب ولطم خدہ لایحل للابن مالم یجعلہ عامۃ اولادہ ابنائہ واخذوہ محل الضرب فاذا جعلوہ محل ضربہم وعینوا خدہ وقفاہ موضعا للصفع واللطم جاز لکل احد من اولادہ ان یضربہ ویلطمہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۱۲۵) ثالثا ما یجدی تعیین الناس بعد تمام المسجدیۃ فکل من فعل فانما احدث حدثا مردودا علیہ واحدا کان او جماعۃ ولو جاز الاحداث لجماعۃ لجاز ان یجعلوا البعض المسجد کنیفا للعامۃ فانہ خیر عندک من بناء بیت لسکنی الامام لکونہ یرجع الی نفع شخص بعینہ۔

(۱۲۶) قال فی الحاشیۃ نظیرہ کراہۃ الوضوء فی المسجد فان اعدلہ محلا فلا کراہۃ) الی من الضمیر فی اعدان کان للبانی حین بنی قبل تمام المسجدیۃ نفق والتنظیر باطل فان الکلام ہہنا فی المسجد وان کان لغیرہ اولہ بعد ما تمت فباطل مردود انظر جد الممتار۔

(۱۲۷) رابعا تعیین الناس موضعا فی المسجد للطریق لو لم یجز عندک الا للعذر لطاح الفرق بین الواحد والجماعۃ فان الواحد ایضا ماذون لہ بالعذر فوجب تجویزک ایاہ لہم ولو بدون عذر ولا حاجۃ وقد اخبرناک انہ باطل من افحش الاباطیل وانظر الی قول رد المحتار تحت ما مر عن خواہر زادہ اذا کان الطریق ضیقا الی قولہ لان کلہا للعامۃ بانصہ وتسقط حرمۃ المرور فیہ للضرورۃ وانظر قولہ وہذا عند الاحتیاج وقول الفتح یعنی اذا احتاجوا الی ذلک۔

(۱۲۸) **خامسا** ناقضت بہ نفسک فانت القائل فی صدر بیان المذہب الرابع یجوز عند الاحتیاج وقلت الحق ان تعلیل المسألۃ ہو الحاجۃ وقلت یجمعہما العذر والاحتیاج۔

(۱۲۹) سادسا انت الزاعم تعارف الناس الاجتیاز فی مسجد ذی بابین وقلت وہذا التعرف لا یستدل بہ لانہ خلاف الشرع لان المرور فی المسجد مکروہ لغیر العذر کما سیأتی فقد اعترفت ان حکم الناس وحکم الواحد فی ہذا سواء فالک تقر بالحق ولا تستقر ثم الاحالۃ علی ما یأتی وہو خلاف ما مر عجیب عاجب لکن لا منک۔

(۱۳۰) ثم اراد ان یأتی بشاہد علی ما ابتدعہ من الفرق بین الواحد والجماعۃ **فقال** انہم ہو ذوالمرور

لکل احد حتی الکافر واورد صاحب الرد اعتراضا وجوابا یظہر منہ تصریح ماقلت حیث قال اعترض بان الکافر لایمنع من دخول المسجد الحرام فلا وجہ لجعلہ غایۃ ہنا ظہرت فی البحر عن الحاوی لاباس ان یدخل الکافر لمصالح المسجد وغیرہا من المہمات مفہومہ ان فی دخولہ لغیر مہمۃ باسا وبہ یتجہ ماہنا فافہم انتہی اشار الی ان عدم منع دخول الکافر مطلقا مقید بالمہمۃ وہہنا جواز دخولہ غیر مقید وقد مر من قبل جاز لکل واحد فلیتذکر[1]) نعم ان لم یکن ذلک تصریحا بما زعمت کان تلویحا الیہ لو ان جعل الممر کان مطلقا لکنہ مقید بنفسہ بالضرورۃ والاحتیاج کما مر عن الشامی نفسہ والفتح فبطل قولک انہ ہہنا غیر مقید[2] وطاح الفرق وتمام الکلام فی جد الممتار لشیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی وقد مر طرف منہ فی ابانۃ المتواری[3] ما یکفی ویشفی

(۱۳۱) دع الشامی الم تصرح فی غیر موضع ان الجواز عند العذر والاحتیاج فکیف تقول انہ ہہنا غیر مقید وانما العلۃ انک لاتدری مایخرج من راسک واذن حاصل زعمک ان التقیید بالعذر انما ہو للمسلمین اما الکافر فالمسجد مطلق لجولانہ کیف یشاء ومتی یشاء ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(۱۳۲) ابی المسلمین ان یقولوا لم یقنع بمسجد کانفور بل جمع ہذہ الوریقات لیجعل مساجد الہند کلہا عرضۃ للہدم والتبدیل بالطرقات والانہار وسکک الحدید وغیر ذلک مما لایرجع نفعہ الی شخص بعینہ کما صرح بہ اول مافتح اللسان فی ہذہ الوریقات فاراد مداواۃ ہذا الداء العضال ولات حین مناص

فقال ولا یختلج فی بالک ان فی اظہار جواز اخذ الطریق مفسدۃ عظیمۃ فی البلاد التی استولی علیہ الکافر فانہم یحصلونہ حیلۃ لانہدام المساجد لانا نقول لایمکن لہم) سبحن اللہ تنکر الامکان وقد وقع وانت القائل قد وقع کثیرا فی البلاد التی استولت علیہا الکفرۃ انہم ہدموا المساجد لاجل الطریق العامۃ الی اخر ما مر فاذا فعلوہ بلا حیلۃ فکیف اذا کانت بایدیہم وریقاتک حاکمۃ بجواز تبدیل المسجد بما تنتفع العامۃ۔

(۱۳۳) قال ولا یجوزان یاخذ جزء المسجد للطریق) لم وانت المبدل بنفع العامۃ بل انت القائل ان من ائمتنا من جوز جعل المسجد کلہ طریقا فمالک تقر ولا تقر۔

(۱۳۴) قال ولا یجعل الممر فی المسجد الا لحاجۃ ارضاء اکثر اہل المحلۃ من المسلمین) ہذہ حاجۃ جدیدۃ

[1] ـہ الذی فی نسخۃ فلیتذکر ۱۲
[2] ـہ کان البلاد منہ غفرلہ
[3] ـہ انتہی ذلک ۱۲ منہ غفرلہ

ابتداعتماد معناہ ان اکثر اہل المحلۃ ان غضبوا احترام بیت اللہ واقامۃ آدابہ فیجوز لارضائھم ان یؤذن لھم فی الانتہاک ۔ یا ہذا لاتنتھک حرمات اللہ لارضا احد واللہ تبارک وتعالیٰ یقول

واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین۔

(۱۳۵) **قال** فبمثل ہذا الاخذ لایخرج ذلک الموضع من المسجدیۃ) کم مرۃ تمنی وتھدم این ذا الاستبدال الذی کنت تردم۔

(۱۳۶) **قال** فلا فائدۃ لھم فی اغراضھم الفاسدۃ لعدم امکان تصرفاتھم فی ذلک الموضع قبحہا العیان وناقض ما قدمت من البیان وقل انتشار فوقعۃ کالنفور فی سیماد عادیک کیتہ لاتحمی

(۱۳۷) **قال** فانہ یبقی مسجدا الی الابد ویسقط فیہ حرمۃ المرور فقط وکما لا یخرج عن المسجدیۃ لایخرج عن احکامہ) ارجع واسرع فقد وقع الحریق فی عریش التبدیل۔

(۱۳۸) ثم ادر د سوالا وجوابا لاحاجۃ بنا الی الکلام علیھما ولکن یبدان نریہ مالم یرہ **قال** فانقلت مسئلۃ الدر مقیدۃ بالامام ا البانی فلا یقاس علیہ غیرہ قلت صرح بہ صاحب رد المحتار بانہ غیر قید لم یصرح بہ بل استظہر ولا جزم للمستنظر فضلا عن التصریح وصرح قبلہ السید العلامۃ الطحطاوی انہ قید حیث قال قلت لایخالف ان ما فی المصنف فی جعل البانی وما فی الہندیۃ فی جعل اہل المحلۃ ثم یقال ان کان البانی عین الطریق وجعل ما علی حافتیھا مسجدین الی آخر ما قدمنا وتحقیق الحق ما اسلفنا عن جد الممتار۔

(۱۳۹) ثم لم یرض بتسویۃ المسجد بالطریق بل اراد تفضیل الطریق علیہ وان تبدیل المسجد بالطریق اسھل من تبدیل الطریق بالمسجد **فقال** الا ان الطریق لو جعل مسجدا ففیہ خلاف) ای ولو جعل المسجد طریقا جاز بلا خلاف قال لتعلق حق العامۃ فی الطریق لا المسجد فان الحق فی المسجد لاہل المحلۃ ای والضرر الخاص یحمل لدفع الضرر العام ولا یعکس فالمسجد یجعل طریقا والطریق لا یجعل مسجدا ہذا مؤدی کلامہ وبطلانہ واضح عند کل مسلم لاسلامہ ولم یدر ان لا حق فی المسجد لاحد من العباد لانہ ینفی الخلوص للہ عزوجل وقدمنا عن الفتح والہدایۃ نعم لھم العبادۃ فیہ ولا یختص بھم فقد نصوا ان لیس لھم منع غیرھم بل لو شرط البانی

اختصاصھم لم یقبل قال فی الهندیة عن الذخیرة بنی مسجد الاہل محلة وقال جعلت ہذا المسجد لاہل ہذہ المحلة خاصة کان لغیر اہل تلک المحلة ان یصلی فیہ اھ

(۱۴۰) الطریق منه عام وخاص وقدمت ان المراد ہہنا اعم وکذا المسجد مسجد شارع او حی فبطل التخصیص

(۱۴۱) ما ابتدعه من تجویز استبدال المسجد بما ینفع العامة اذ لم یجد الطریق الیہ من الطریق رام الذہاب الیہ من السرداب فاتی بجواز بناء سرداب تحت المسجد لمصالحه او بیت فوقه للامام لانه ایضا من مصالحه قال ویدخل فی ہذا الحکم ما ہو نافع للعامة واہل المسجد کالطریق والحمام وموضع الوضوء وغیر ذلک) وکفانا ردا علیہ اقرار نفسه فان صاحبنا متعود بان یبنی ویہدم حیث قال متصلا به وینبغی ان یعلم ان محل الجواز ہو قبل تمام البناء اما بعد ما تم البناء فالظاہر انه لا یجوز کما صرح الفقہاء) فابان بنفسه ان لا اساس لہذہ الفروع بما ہو فیه فان کلامه فی استبدال المسجد بما ینفع العام وقبل تمام المسجدیة لا مسجد ولا استبدال ومن سوء التعبیر قوله قبل تمام البناء وقوله اذا تم البناء فالبناء لیس من ارکان المسجد بل من الاوصاف کالاطراف وانما المناط تمام المسجدیة کما عبر به فی الدرر وغیرہ وقدمر

(۱۴۲) قوله فالظاہر من باب الدسیسة وای حق له ان لا یجزم وقد صرح به الائمة جازمین کما نقل ہو وقدمناہ عن الدرر والبحر والنہر والتتارخانیة وجامع الفتاوی۔

(۱۴۳) ووجه آخر ان کلامھم ہذا انما ہو فیما لمصالح المسجد وانت الناقل عن العینی فی شرح الکنز والدر المختار وشرحه[1] انه لا یضر لانه من المصالح ثم قلت وفی رد المختار ایضا[2] محل عدم کونه مسجدا فیما اذا لم یکن وقفا علی مصالح المسجد وبه صرح فی الاسعاف ثم قلت به اخذ کثیر من الفحول ثم قلت وقال فی فتاوی الاختیار[3] الا اذا کان السرداب والعلو لمصالح المسجد وقفا علیه) ومعلوم عند کل صبی ان استطراق المسجد ودخول الاہل للاجتیاز منه الی مقصد آخر لیس من مصالح المسجد فی شیء فالاستدلال علیه بہذہ العبارات من سوء الفہم۔

(۱۴۴) ماذا یرید بقوله ما ہو نافع للعامة واہل المسجد اہل المسجد من حیث اعیانہم او من حیث انہم اہل المسجد الاول باطل کما علمت وعلی الثانی یکون الشیء من مصالح المسجد فلن یدخل فیہ الطریق بالمعنی

[Marginal note, partly legible:] سه ذکر الدر المختار من طغیان قلم فان الدر عنده بعد التنویر ولیس فیه من عبارة التنویر شئ الا ہی عبارة شرح الدر ہو عنده رد المختار الشامی ۱۲ ... لما کان ذلک عنده فی رد المختار الشامی ... ۱۲

المقصود وایضًا یضیع ضم العامۃ لان مصالح المسجد مصالح عامۃ المسلمین. وان ارید بالعامۃ ماہو اعم فلا یبتنی الجواز علیہ بل یکفی کونہ من مصالح المسجد وان لم تکن فیہ منفعۃ ما اصلا لمن لیس اہل مسجد مطلقا وہو الکافر والعیاذ باللّٰہ تعالٰی۔

(۱۴۵) فی خلال ہذہ الفروع اتی بروایات شاذۃ عن الصاحبین فساق عبارۃ الاختیار الی قولہ

(وعن محمد انہ لما دخل الری اجاز ذلک کلہ لحال الضیق المنازل وعن ابی یوسف مثلہ لما دخل بغداد) یرید انہما اجازا ان یجعل العلو وحدہ مسجدا والسفل مملوک لاحد فادلی بالجواز ما فعلتہ بکا نفور من جعل العلو مسجدا والارض طریقا للمارین ولم یدرا ودری ولم یخف اللّٰہ تعالٰی ان ہذا المروی عنہما فی اتشار المسجد مذہب الامام وظاہر الروایۃ عنہما انہ لا یصیر مسجدا مالم یخلص من جمیع جہاتہ للّٰہ تعالٰی وروی عنہما فی خلل الری وبغداد حیث یکثر العمران وتضیق الارض ان یجعل العلو والسفل مسجدا ویبقی الآخر مسکنا بحکم الضرورۃ ام یقولان ان المسجد یجوز ان یفعل بہ ما فعلت من جعلہ مسکنا او طریقا ورفع ظلۃ فوقہ یکون بہ المسجد او العیاذ باللّٰہ من الجرارۃ علی اللّٰہ۔

(۱۴۶) لم یصبر علی استبدال المسجد بالطریق حتی اراد جعل المسجد بیت خلاء فنقل عن الشامی لو جعل الواقف تحتہ بیتا للخلاء لم ارہ صریحا نعم سیاتی انہ لو جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز) وہو کما تری لیس نقلا ولیس فی قولہ نعم سیاتی الحکم بتجویزہ ولا ما یصلح دلیلا علیہ فالفرق بین السرداب وبیت الخلاء واضح وصیانۃ المسجد عن الروائح الکریہۃ واجب ومع قطع النظر عنہ انما کلامہ فیما اذا جعلہ الواقف قبل المسجدیۃ کما ہو حکم العلو والسرداب فای تعلق لہ بما انت فیہ۔

(۱۴۷) ومع ہذا فالکنیف للمصلین لاسیما المعتکفین من مصالح المسجد کالمتوضأ والمغتسل بخلاف ماتریدہ بالمساجد وقد فعلتہ۔

(۱۴۸ الی ۱۵۴) ثم اراد التردی فیہ من مسألۃ البئر فقال بل یجوز ان تیغیر المسجد بما ینفع بکل الوجوہ غیر ضار بوجہ من الوجوہ نعم فی رد المحتار فی الہندیۃ عن الکبری اراد ان یحفر بئرا فی مسجد اذا لم یکن فی ذلک ضرر بوجہ من الوجوہ وفیہ نفع من کل الوجوہ فلہ ذلک کذا قال ہنا وذکر فی باب المسجد

ای التغییر صفۃ المسجد … [illegible] … ۱۲

قبل کتاب الصلاۃ لایحفر وفیھن والفتوی علی المذکور ہنا) قال شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی فی

جد الممتار صوابہ والفتوی علی المذکور ہناک ای فی باب المسجد کذا ہو فی نسخۃ العلمگیریۃ الہندیۃ

ج ۵ صفحہ ۱۴۰ وکذا ہو فی نسختنا المصریۃ ج ۵ صفحہ ۳۸۹ فالکاف ساقطۃ من نسخۃ الشامی الہندیۃ

او من ناسخی رد المحتار وفی فتاوی الامام الاجل قاضی خان وخزانۃ المفتین والہندیۃ والبحر الرائق

والاشباہ وغیرہا واللفظ للامام لایحفر فی المسجد بئرا لانہ لو حضر یدخل فیہ النسوان والصبیان

فتذہب حرمۃ المسجد ومہابتہ ولو کان البئر قدیما تترک کبئر زمزم اھ ولفظ البحر قالوا ولا تتخذ فی

المسجد بئرا لانہ تخل بحرمۃ المسجد لانہ یدخلہ الجنب والحائض وان حفر فہو ضامن بما حفر الا ان ما کان

قدیما فیترک کبئر زمزم فی المسجد الحرام اھ وفی غمز العیون لایحفر فیہ بئرا لما فیہ من اذہاب حرمتہ اھ

قلت وترک القدیمۃ للحمل علی انہا من البانی قبل تمام المسجدیۃ الا تری ان زمزم وجد حین لا البلد

ولا مسجد وہذا لو وقف شیئا ثبتت مصارفہ فینظر الی ما کان یفعلہ القوام من قبل فانہ مظنۃ ان ذلک بشرط

الواقف **اقول** [۱۳۱] فیہ علۃ اخری اشد من الاولی وہو منع قطعۃ حضرت فیہا البئر عن الصلاۃ وعن

ذکر اللہ فیدخل تحت قولہ تعالی **ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ و**

سعی فی خرابہا وقد اشار الامام الی ہذا التعلیل فی مسألۃ غرس الشجر فی المسجد قال فی الخانیۃ

وخزانۃ المفتین والہندیۃ وغیرہا یکرہ غرس الشجر فی المسجد لانہ یشبہ البیعۃ ویشغل مکان الصلاۃ الخ

ونص فی الظہیریۃ والبزازیۃ والبحر وغیرہا انہ اذا کانت ارض المسجد نزۃ لا تستقر بہا الاسطوانات

جاز الغرس لجذبہا والا فلا قال فی منحۃ الخالق وفی قولہ والا فلا دلیل علی انہ لا یجوز احداث الغرس فی

المسجد ولا القاؤہ فیہ لغیر ذلک العذر ولو کان المسجد واسعا کمسجد القدس الشریف ولو قصد بہ الاستغلال

للمسجد لان ذلک یؤدی الی تجویز احداث وکان فیہ ادبیت للاستغلال او تجویز ابقاء ذلک بعد

احداثہ ولم یقل بذلک احد بلا ضرورۃ داعیۃ ولان فیہ ابطال ما بنی المسجد لاجلہ من صلاۃ واعتکاف

ونحوہما وقد رایت فی ہذہ المسألۃ رسالۃ بخط العلامۃ ابن امیر الحاج الحلبی الصافی ارد علی من اجاز

ذلک فی المسجد الاقصی ورأیت فی آخرہا بخط بعض العلماء انہ وافقہ علی ذلک العلامۃ الکمال

ابن ابی شریف الشافعی اھ وقد مر فی الکتاب اعنی رد المحتار نقلا عن تلک الرسالۃ للامام ابن امیر الحاج
انہ قال فی تعلیل عدم جوازہ لان فیہ شغل ما اعد للصلاۃ ونحوھا وان کان المسجد واسعا او کان فی الغرس
نفع بثمرتہ والا لزم ایجار قطعۃ منہ ولا یجوز ابقاؤہ ایضا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم
حق لان الظلم وضع الشیئ فی غیر محلہ وھذا کذلک اھ ومن نظر ھذہ الکلمات الشریفۃ بعین الانصاف
لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیہ شغل محل منہ لغیر ما بنی لہ سواء کان بیتا او حانوتا او
دکۃ او منارۃ او حاصلا او خزانۃ او بئرا او حوضا او شجرا او او او قلت وفی کل ذلک فوق ما مر قطع
الصف وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ رواہ النسائی
والحاکم وصححہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اقول ویظہر لی بتوفیق اللہ تعالٰی لقول الجواز اربعۃ توجیہات
بعضہا الطف من بعض الاول ان المراد حفر البانی قبل المسجدیۃ والدلیل القاھر علیہ ما علمت من النص
القرآنی ونصوص الائمۃ والاصل المقرر ان المسجد حین ھو مسجد لایمکن جعلہ لغیر ما ھو لہ والقرینۃ علیہ فی
نفس الکلام قولہ اذا لم یکن فی ذلک ضرر بوجہ من الوجوہ فان انفکاک حفر البئر فی المسجد عن الضرر
تصویر محال کما ستری ان شاء اللہ تعالٰی وقد علمت الاشارات الیہ ففی قولہ فی مسجد مجاز الاول
وھو محمل مسألۃ بیت البواری الثانی ان المراد بقولہ فی مسجد فی حدود المسجد وفنائہ وھی محاورۃ
سائغۃ شائعۃ ولما قال فی الکافی مستدلا علی سنیۃ الطہارۃ لخطبۃ الجمعۃ انہ ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد
فصار کالاذان قال الامام المحقق فی فتح القدیر ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان
فی داخلہ اھ وھو محمل مسألۃ وضع الحباب الثالث معناہ لایجوز وذلک لانہ علق الجواز بما اذا لم
یکن فی ذلک ضرر بوجہ من الوجوہ وھو تعلیق بالمحال فحاصلہ نفی الجواز بالمآل واستحالتہ لان اقل
ما فیہ شغل مکان الصلاۃ ومنع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ لان کل بقعۃ من المسجد مسجد کما نصوا علیہ
ولکیفا فیہ تفریق الصفوف وقطعہا وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمعت وایضا الماء
شیئ لایحل منہ فتدخلہ النساء والصبیان والکفرۃ الارجاس وتذہب مہابۃ المسجد وتنتہک
حرماتہ کما نصوا علیہ ورحم اللہ علماءنا اذ لم یامنوا مع ذلک دخول الجنب والحائض وھو اخبث

واشنع فہذہ مضار لازمۃ او غالبۃ لا انفکاک عنہا عقلا او عادۃ وما علق بمحال محال فکان معناہ المنع ولہذا نظائر فی الحدیث والفقہ اما الحدیث فقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الرمل کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطہ فذاک رواہ مسلم وابو داود والنسائی والامام احمد عن معویۃ بن الحکم السلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ علق الجواز بالموافقۃ وہی غیر مقدورۃ لعدم العلم بکیفیۃ خط ذلک النبی علیہ الصلاۃ والسلام فکان معناہ المنع قال الامام الجلیل ابو زکریا یحیی النووی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح الصحیح ان معناہ من وافق خطہ فہو مباح لہ ولکن لا طریق لنا الی العلم الیقینی بالموافقۃ فلا یباح والمقصود انہ حرام لانہ لا یباح الا بیقین الموافقۃ ولیس لنا یقین بہا اھ واما الفقہ ففی التجنیس رعف فکتب الفاتحۃ بالدم علی جبہتہ وانفہ جاز للاستشفاء وبالبول ایضا ان علم فیہ شفاء اھ وحققنا فی فتاوٰنا ان معناہ المنع للتعلیق بالعلم ولا سبیل الیہ وفی الفتح ثم البحر ثم الشامی اہل الطب یثبتون للبن البنت نفعا لوجع العین واختلف المشائخ فیہ قیل لا یجوز وقیل یجوز اذا علم انہ یزول بہ الرمد ولا یخفی ان حقیقۃ العلم متعذرۃ فالمراد اذا غلب علی الظن والا فہو معنی المنع اھ وانت تعلم ان الکتابۃ المذکورۃ لیست من باب المظنون ایضا فلا یاتی فیہ تاویل الفتح ولا یکون معناہ الا المنع ففی الہندیۃ ثم الہندیۃ الاسباب المزیلۃ للضرر تنقسم الی مقطوع بہ کالماء المزیل لضرر العطش والی مظنون کالمسہل وسائر ابواب الطب والی موہوم کالکی والرقیۃ اھ الرابع محلہ الضرورۃ الصحیحۃ الملجئۃ کمسجد لیس قربہ ماء ولا حولہ فناء احاطت بہ طرق العامۃ ودور الناس ومعلوم ان المسجد لا بدلہ من الماء اذ لا صلاۃ الا بطہور فلاجل الضرورۃ لو حفرت فی اخریاتہ بئر بعیدۃ عن الباب لم یکن بہ باس لان فیہ احیاءہ معنی اذ لو ترک بلا ماء لربما تعطل او تقل جماعۃ بل المرجو انہ لا یکون اذن احداثا فان کل بانی مسجد یقصد لہ تہیئۃ ماء ان لم یکن فلا یشک انہ قصدہ وقصرت بہ النفقۃ او حدث بہ حادث فلم یتیسر لہ فہذہ اربعۃ وجوہ یحصل بہا التوفیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق ہذا ہو النظر فی ہذا الباب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والحمد للہ العزیز الوہاب وصلی اللہ تعالٰی علی السید الاواب محمد والاٰل والاصحاب انتہی ما فی جد الممتار وقد تمت بہا علیک ستۃ ردود کما اشرنا

الیہا بالثمرات و[154] السابع ان البئر من مصالح المسجد بل من ضروریاتہ فکیف تعم حکمہا کل ماینفع العامۃ لتتوصل بہ الی راتہوی وقد فعلت من استبدال جزء من المسجد طریقا عامۃ تنبیہ اوردہنا فی خلال کلامہ متفرقا فروعا لاتعلق لہا بالمقام کجعل الرحبۃ مسجدا وبالعکس بل ہو قاض علیہ کما علمت وان لاہل المحلۃ تحویل الباب وان لم ینقض المسجد وبنارہ احکم وغیر ذلک لانتعرض لہا واعاد کثیرا مما سبق منا الکلام علیہ فنکتفی فیہ علی التذکیر واللہ المستعان ۔

(۱۵۵) قال وفی جامع الفتاوی لہم تحویل المسجد الی مکان آخر ان ترکوہ بحیث لایصلی فیہ) قال شیخنا حفظہ اللہ تعالی فی جد الممتار معناہ اذا خرب واستغنی عنہ فیکون مبنیا علی روایۃ نادرۃ عن ابی یوسف او روایۃ ہشام عن محمد ومحال ان یراد الترک قصد التعطیل فیبطل فما ہو الا منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ والسعی فی خرابہا وہو حرام شدید کبیرۃ عظیمۃ بنص الذکر الحکیم و لن یبطل بہ المسجد بل القصد الفاسد مردود علی وجہ القاصد وقد یشیر الی ما ذکرنا قولہ ترکوہ بحیث لایصلی فیہ ای علی حالۃ فیہ تقتضی ذلک حیث لم یقل ترکوہ لایصلون فیہ ولا ترکوہ بحیث لایصلون فیہ فالفرق لایخفی علی عارف نبیہ اھ فلیس فیہ قرۃ عین لک فان کانت عبارۃ جامع الفتاوی ہکذا کما نقل عنہ فی رد المحتار والذی مر عنہ فی الحمادیۃ نقلا بالمعنی زاد ذلک ثلمۃ شدیدۃ فی نقلہا فاذن خطأ شدید صریح وغلط فی العزو قبیح ۔

(۱۵۶) قال ولہم بیع مسجد عتیق لم یعرف بانیہ وصرف ثمنہ فی مسجد آخر سائحانی) انقل تمامہ کی یتم لک مرام ہدم المساجد فی باب البحر عن القنیۃ لو خرب احد المسجدین فی قریۃ واحدۃ فللقاضی صرف خشبہ الی عمارۃ المسجد الآخر اذا لم یعلم بانیہ ولا وارثہ وان علم یصرفہا ہو بنفسہ قلت انشاء اھ فلا تختص المسألۃ بما لم یعرف بانیہ وانما شرطہ لیصیر کاللقطۃ فیجوز للقاضی صرفہ الی مسجد آخر کما نصوا علیہ اما اذا عرف ہو او وارثہ فالملک لہ لیصرف ان شاء این شاء وبہ علم ان المسألۃ فی النقض وانہا مبنیۃ علی قول محمد کما نص علیہ فی الاجناس والسراجیۃ وجواہر الاخلاطی کما ذکر نصوصہا شیخنا حفظہ اللہ تعالی فی جد الممتار ولکن ہذا کعادتہ صرفہ الی المسجد العام فلم یبق ثمہ مسجد اعتیقا فی مشارق الارض ومغاربہا الا جعلہ جائز

البیع والھدم ان عرف بانیہ فلہ ذلک والافللقاضی وای ظلم اشد واخبث من ہذا انہدام المساجد وتخدم الکعبۃ کلا والذی فلق الحبۃ ۔

(۱۵۷) قال اجارۃ شیئ منہ قیل یجوز وقیل لا قال الناطفی القیاس ان یجوز اجارۃ سطحہ لمرمتہ محیط کفانا ردا علیہ ما قال عقیبہ قد رد فی الفتح ما بحثہ فی الخلاصۃ من انہ لو احتاج المسجد الی نفقۃ تو جر قطعۃ منہ بقدر ما ینفق علیہ بانہ غیر صحیح اھ ثم ہو لضرورۃ المسجد واذا صحت الضرورات ابیحت المحظورات فاین ہذا من الطریق الذی انت فیہ ۔

(۱۵۸) قد علمت ان الذی فعل فی مسجد کانفور ہوا شارۃ النصاری الی ان یبقوا ارض المسجد داخلۃ فی الطریق العام ویبنی المسلمون عوضا عنہا ظلۃ فوقہا ولا یخفی علی مسلم ان صنعہ ہذا ظلم شدید بالمساجد وانتہاک عظیم لحرماتہا کما بینہ شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی فی ابانۃ المتواری باً بین بیان وکان من الرد علیہ ما قدمنا من النصوص القاہرۃ عن کتاب شیخنا المجدد جد الممتار عن النوازل والتجنیس والفتح والخانیۃ وتہذیب الواقعات والاسعاف والانقروی ومحیط السرخسی والہندیۃ وفصول العمادی وخزانۃ المفتین ووجیز الکردری والبحر الرائق والدر المختار وغیرہا انہ لا یجوز للقیم ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لما فیہ من اسقاط حرمتہ فاراد عنہ الخلاص ولات حین مناص فاخترع وجہین الاول قال ہذا لا یدل علی ان لا یجوز ان یجعل تحتہ[۱] ممرا من المسجد للعامۃ) ای کما فعلتہ انا فی کانفور برفع المسجد علی السماء وجعل ارضہ مداسا للکلاب والدواب (فانہ لا تسقط حرمۃ المسجد بہ بخلاف الحانوت) یا للمسلمین بقول حانوت البیع والشراء یذہب حرمۃ المسجد اما ان یمر فیہ الجنب والحائض والنفساء والکلاب والحمیر والدواب وتروث وتبول فلیس فیہ خلاف حرمتہ اصلا فانا للہ وانا الیہ راجعون انہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

(۱۵۹) والثانی قال وایضا لا یدل علی ان لا یجوز تحت لبعض اجزاء المسجد شیأ[۲] وان کان ما ینتفع) وہو الطریق الذی ابحثہ فی کانفور فان الطریق وان کان واسعا من قبل فوق الحاجۃ لکن جعلتہ

لہ ارجع یا ناصب فہو المجری المناسب ۱۲
سلہ ابطل قول النحاۃ ان الفاعل مرفوع ۱۲

اوسع لیکون ازین وہذا القدر کاف فی نفع یحل لہ ہدم المساجد اولا یفرہ) لان الجنب والحائض والنفساء والکلاب والحمیر والدواب والابوال والارواث لاتنقص من المسجد شیأ بل بما تنفع الابوال ارضہ کرش الماء وانما لایدل الفرع علی منعہ (لان) الائمۃ انما نہوا عن ذلک فی حد المسجد وفنائہ وتحت المسجد لیس فی حدہ ولا فناہ) اما فناء الفناء فغنی عن البیان لان الفناء حولہ وہذا تحتہ واما عدم حدہ فلانا ابدلنا المسجد فی کالفور بالظلۃ ومعلوم ان الارض لیس فی حد الظلۃ فاذن ارض المسجد قد خلا لک وجعہا فبل فیہا واخر رفانہ اباح لک وامر وہذا کلام شرحہ یغنی عن جرحہ بل حکایتہ تغنی عن نکایتہ ولکن الی اللہ تعالی المشتکی فلیبک علی الاسلام من استطاع البکاء۔

(۱۶۰) اما سمعت ماقدمنا عن جد الممتار عن خزانۃ المفتین عن الخانیۃ لو جعل القیم تحت المسجد حوانیت للغلۃ او لقائلہم بحجر

(۱۶۱) اما علمت ان المسجد مسجد فی جانبیہ من تحت الارض الی عنان السماء وتستغلانت ماتکلم علیہ کلام من لایعلم کما تعلم۔

(۱۶۲) انت القائل آنفا یجعل تحتہ ممر من المسجد واذالم یکن ما تحت المسجد مسجدا کیف یجعل تحتہ ممر من المسجد۔ ان الباطل کان زھوقا۔

(۱۶۳) ثم اورد فرع البزازیۃ لایجوز اخذ الاجرۃ ولا یجعل شیئ منہ مستغلا ولا سکنی) وہو کما تری علیہ لا لکن اراد ان یزید فی الطنبور نغمۃ وفی الشطرنج بغلۃ۔ فقال وقد استثنی عنہ علیہ مماسبق الدکاکین التی بنیت لمصالح المسجد او للموقف علیہ کما فی الاسعاف اذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفا علیہ صار مسجدا انتہی) ہذہ فریۃ علی الاسعاف انما فیہ لواراد قیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حرم المسجد وفنائہ قال الفقیہ ابو اللیث لایجوز ان یجعل شیأ من المسجد مسکنا ومستغلا اھ فہل تری فیہ شیأ ومسئلۃ السرداب والعلو فی انشاء المسجد قبل تمام المسجدیۃ کما تقدم تحقیقہ لافی جعل شیئ من المسجد سردابا او علوا حتی یدل علی شیأ کالباطلۃ الا تری الی قولہ فیما نسبت الیہ صار مسجد اما ماقدمت عن الاشباہ من قولہ قالوا الناظر ان یوجر فناءہ للتجار لیتحر دافیہ لمصلحۃ المسجد ولہ وضع

۱۲ سکت عن
ان الصبیان
ایضا یبولون
منتحم ۱۲
۱۲ الاحسن
بناء ۱۲

السرير بالاجارة فی فنائہ اھ فکما تری فی الفنار لافی المسجد فمن این اخترقت الثنیا فی المسجد ثم ہو مجحوج بما قدمنا من النصوص القاہرۃ عن الکتب المتظافرۃ منہا بحر صاحب الاشباہ ثم ہو شیئ انما یعرف نقلہ عن واحد وہو ایضا تردد فیہ غیر جازم بہ قال فی الہندیۃ عن التتارخانیۃ عن الیتیمۃ عن الخجندی سئل عن قیم المسجد یبیع فناء المسجد لیتجر القوم ہل لہ ہذہ الاباحۃ فقال اذا کان فیہ مصلحۃ للمسجد فلا باس بان شاء اللہ تعالٰی قیل لو وضع فی الفناء سررًا فآجرہا الناس لیتجروا علیہا واباح لہم فناء ذلک المسجد ہل لہ ذلک فقال لو کان لصلاح المسجد فلا باس بہ اذا لم یکن ممر العامۃ اھ واستثناؤہ فی الاول استثناؤہ فی الثانی وقد تواردت الائمۃ الاجلۃ علی المنع والقاعدۃ العمل بما علیہ الاکثر وقولہم مدلل والمدلل مرجح وہم جازمون وفی الجزم الحکم فوجب التعویل علیہ بوجوہ افادہ شیخنا فی جد الممتار ولو فرضنا ترجیح الجواز فی الفناء بل الاجماع علیہ لم یغن عنک شیئا کما علمت۔

(١٦٤) ثم عاد الی بیت الخلاء وقد تقدم ردہ۔

(١٦٥) ثم عاد الی بناء الواقف بیتا للامام فوق سطح المسجد وقد علمت انہ قبل تمام المسجدیۃ لکنہ ارادیہ ہہنا مداواۃ لما خالف بتصریح الفقہاء الکرام من زعمہ ان تحت المسجد لیس فی حدہ فنقل اولا ذلک التصریح عن الدر المختار وعن الشامی عن البیری عن الاسبیجابی انہ مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثری ثم عقبہ بفرع بیت الامام ثم جعل یمہد۔ **فقال** فقد علم ان قولہم المسجد مسجد الی السماء والی تحت الارض ان لم یجعل تحتہ او فوقہ شیئ آخر اما جعل الممر تحتہ فانہ سکت عنہ فی ہذا المحل (تقدم مرارا وقد اعترف بہ ایضا ان کل ہذا قبل تمام المسجدیۃ لان المسجد انما یصیر مسجدا بجعلہ فاذا بنی فوقہ او تحتہ بیتا او سردابا للمصالح لم یجعل ہذا القدر مسجدا فکان منعا لا نزعا ودفعا لا رفعا بخلاف ما اذا تمت المسجدیۃ ولم یجعل تحتہ ولا فوقہ شیئا فقد صار مسجدا فی جانبیہ الی منقطع الجہتین باقرارک ایضا فکیف یحل الآن النزع والرفع والاخراج والقطع وکلامک فی ہذا اذ ہو فی الاستبدال وہو فعلتک فی کانفور فما تغنی الحیل۔

(١٦٦) مصالح المسجد توابع المسجد وتابع الشیئ لہ حکم الشیئ تقول مافی الدار غیر الامیر ومعہ خدمہ ما سمعت

له الاخبار ان فوق السماء رقیب ١٢ ... ان تحت الارضین ١٢ عنہ نقل سکوت عنہ ١٢

انقدم عن الکتب الکثیرۃ ونقلتہ ایضاان الفنارتبع للمسجد فیکون حکمہ حکم المسجد۔

(۱۶۷) غیران التابع لیس لہ ان یباری الاصل فلایحل الاستبدال ولو بتابع کما تقدمت النصوص القاہرۃ علیہ عن جد الممتار فاظنک بخارج اجنبی فکیف تقول ان جعل الم سکوت عنہ فی ہذا المحل۔

(۱۶۸) یا ہذا اتق اللہ انت جعلت الم تحتہ اوجعلت نفسہ طریقا واستبدلت بہ ظلۃ فوقہ فلم ہذہ التلبیسات۔

(۱۶۹ الی ۱۷۳) خلع العذارۃ وطفق یحتج علی استبدال المسجد بالطریق بما ذکروا فی استبدال اوقاف الغلۃ واشباہہا **فقال** قال فی فتح القدیر والحاصل ان الاستبدال اما عن شرط الاستبدال اولا عن شرط فان کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیہم فینبغی ان لایختلف فیہ وان کان لالذلک بل اتفق انہ امکن ان یؤخذ بثمنہ ماہو خیر منہ مع کونہ منتفعابہ فینبغی ان لایجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ) فان کان لایفہم فحرام علی مثلہ الکلام فی الفقہ وان کان یفہم ویکتم فالوزر اشد واعظم الم یر **اولا** ان فیہ جواز الاستبدال مطلقا اذا شرطہ الواقف ومن زعم ان بانی المسجد ان شرط ان یبیع المسجد متی شاء ویستبدل بہ آخر جاز لہ بیع المسجد العام فقد افتری علی اللہ تعالی **وثانیا** نقل ہذا عن رد المحتار ولم یر فی نفس ہذا المبحث تحت قول المتن و الشرح جاز جعل غلۃ الوقف لنفسہ عند الثانی وعلیہ الفتوی وجاز شرط الاستبدال حینئذ قول رد المحتار ای حین اذ کان الفتوی علی قول ابی یوسف واشار بہذا الی ان اشتراط الاستبدال مفرع علی القول بجواز اشتراط الغلۃ لنفسہ اھ فقد جعلت المسجد شیئا یوقف للاستغلال بہ وجعلت ابا یوسف قائلا بجواز ان یبنی المسجد لیستغلہ لنفسہ وعلی ہذا تفرع جواز ان یشترط البانی استبدالہ **وثالثا** نقل قولہ لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیہم وحملہ علی المساجد فلعلہ یری ان المساجد و مسجد فرنگی محل خاصۃ وقف علیہ **ورابعا** حمل علی المساجد قولہ یؤخذ بثمنہ ماہو خیر منہ فلعل المساجد فی لکھنؤ تباع **وخامسا** نقل قولہ الواجب ابقاء الوقف علی ماکان دون زیادہ

وجعلنا فی المسجد مما زاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم امیر المؤمنین عمر ثم امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہما ثم المسلمون فکل ذلک غیر الواجب انما کان الواجب ابقاء المسجد علی قدرہ الاول ای وما ذکر الائمۃ وفعل الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم من اخذ ارض ناس کرھا للزیادۃ فی المسجد کان حراما لانہ کان لامر غیر واجب ولعمری لو استقصینا فی ابانۃ فساد ہذا الوہم الشنیع والظلم الفظیع لاتسع الخرق ولکن مسفر الاصباح غنی عن المصباح۔

(١٧٤ الی ١٩١) ثم تذکر عمدا استمساکہ بالنظائرات بل استغاثۃ بالنائرات **فقال** فلنذکر عبارات الفقہاء المحققین الدالۃ علی جواز اخذ بعض المسجد) وسود فیہ نحو ورقتا فاطال اولا بایراد عبارۃ البحر برمتہ بعالۃ تعلق بالمحل ومالا **وفیہا** اذا ضاق المسجد وبجنبہ ارض لرجل تؤخذ ارضہ بالقیمۃ کرہا) لم وانما الواجب عندک ابقاء المسجد علی ما کان دون زیادۃ **وفیہا** لما روی عن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم اخذوا ارضین بالقیمۃ بکرہ من اصحابہا وزادوا فی المسجد الحرام) اخذوا عندک والتواعاذ اللہ بالغصب حرام **وفیہا** معنی کلمۃ جعل فی المسجد ممرا) فتح المعین فجعل شیء من الطریق مسجدا او القول ادخلوا شیئا من الطریق لیتسع المسجد واذا اتی علی عکسہ حاد عن ہذا السنن وقال معناہ جعل فی المسجد ممرا **وفیہا** فانہ یجوز لتعارف اہل الامصار فی الجوامع) فتح المعین واطرح المین **وفیہا** جاز لکل ان یمر الا الجنب والحائض والنفساء) اسمع ان کان لک اذن تنفع **وفیہا** لما عرف فی موضعہ) ایقظ قلبک واترک ریبک **وفیہا** ولیس لہم ان یدخلوا فیہ الدواب) لاتقربوا الکلام وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون **ثم** عبارۃ النہر **وفیہا** عکسہ وہو اذا جعل فی المسجد ممرا) ام اخذ بعض المسجد کما قلت وحول طریقا کما فعلت **وفیہا** لتعارف الجوامع) انہم یاخذون بعض المسجد فیبیعونہ ویاکلون ثمنہ **وفیہا** یجوز لکل ان یمر الا الجنب والحائض والنفساء) فانہ حرام علیہم ان یخلو الطریق **وفیہا** ولیس لہم ان یدخلوا فیہ الدواب) لانہا انما تدخل عند المنبر والمحراب **ثم** عبارۃ الزیلعی والعینی **وفیہا** عکسہ وہو اذا جعل فی المسجد ممرا) بان ہدم المسجد وجعلہ طریقا للکلاب والدواب ورفع فوقہ طاقۃ

لعبادۃ رب الارباب وفیہا[۱۸۷] لتعارف اہل الامصار) الامصار فی لغتہم بمعنی کالنفور والاہل ہو صاحبنا المذکور وفیہا[۱۸۸] جاز لکل ان یمر الا الجنب والحائض والنفساء) لانہ الآن صار محترما بجعلہ طریقا لبعض حکام البرطانیہ وفیہا[۱۸۸] لما عرف فی موضعہ) ای فی جامع الجزئیات ان المسجد یُبان والطریق یُصان وفیہا[۱۸۹] لیس لہم ان یدخلوا فیہ الدواب) لانہ صار طریقا لحکام الدولۃ والنُّوّاب ثم[۱۹۰] اطال بایراد عبارۃ طویلۃ عن ابی السعود لامساس لہا بالمسألۃ نبّ الاحرف فی آخرہا عن الشرنبلالی عن الزیلعی وفیہا لکل ان یمر الا الجنب) وہو الذی جانب الحق وجانَعَ الباطل (والحائض) ای لسان بالترہات فالحائض (والنفساء) وہی القریحۃ التی تلد الاباطیل وترمی بدماء التحریف والتبدیل وفیہا[۱۹۱] ولیس لہم) ای للمسلمین (ان یدخلوا فیہ) ای فی مبحث فقہی (الدواب) التی لاتعلم ولاتعقل ولاتفہم۔

(۱۹۲ الی ۱۹۷) ثم بعد الاتیان بہذہ الصرائح القاہرۃ الباہرۃ الواضحۃ القاضحۃ لمزعومہ عدالی الاتیان بالمبہمات المجملات المحتملات حاملا ایاہا بمحض الجزاف بل خلاف المفسرات علی مفہومہ فاورد[۱۹۲] عن المعدن عن الذخیرۃ صح عکس المذکور بان جعل لبعض المسجد طریقا وعن[۱۹۳] الدرر والغرر جاز جعل شیئ من الطریق مسجدا وعکسہ کذا فی کتاب الکراہیۃ من الخلاصۃ وعن[۱۹۴] الہندیۃ عن العدۃ جعل شیئ من المسجد طریقا جاز وعن[۱۹۵] مسکین عن الذخیرۃ کعکسہ بان جعل المسجد طریقا اھ کذا فی نسخۃ وعبارۃ[۱۹۶] مسکین جعل لبعض المسجد وعن خزانۃ الفتاوی عن محمد یجوز ان یجعل شیئ من المسجد طریقا للعامۃ وعن[۱۹۷] خزانۃ الروایات روی الفقیہ ابوجعفر عن ہشام عن محمد لاباس بان یجعل شیئ من المسجد طریقا لان الکل لعامۃ المسلمین اھ وانت تعلم ان لو کانت الوخالم تسمن ولم تغن من جوع فمعنی۔ الکل ماتقدم فی المفسرات المتواترات القاہرات الاتری ان مافی المعدن ومسکین ہی مسألۃ الکنز المفسرۃ بماسلف فانما علیہا تکلما اذ ہما شرحاہ وما مسألۃ الغرر الا ہذہ فانہا متن کالکنز وہی مسألۃ المتون وقد عزاہا فی دررہ الی الخلاصۃ والتی فی الخلاصۃ مصرح فیہا بانہا روایۃ ابی جعفر عن ہشام عن محمد وہی المذکورۃ فی خزانۃ

الفتاوی وخزانۃ الروایات ولما عزاہا فی الدرر الخلاصۃ قال العلامۃ حسن العجیمی المکی فی حاشیتہ ہذا العزو لا نظیر الحاجۃ لہ اذ ہو فی الکنز کذلک اھ فظہر ان الکل واحد والمعنی واحد والفرق فاسد والوہم کاسد۔

(۱۹۸) بل لولا ذلک لوجب الحمل علیہ للدلائل القاہرۃ المارۃ عن جد الممتار۔

(۱۹۹) بل لو احتمل الامران لکان الاحتمال یقطع عرق الاستدلال فالاستناد بکل حال خرط القتاد۔

(۲۰۰) کیف نقلت قول محمد ان المسجد لعامۃ المسلمین ورضیت بہ مع قولک فیما تتعلق حق العامۃ فی الطریق لا للمسجد فان الحق فی المسجد لا ہل المحلۃ۔

(۲۰۱ و ۲۰۲) لم یترک تعودہ باتیان المضرات فادخل فی خلال المبہمات قول الدرر جاز ایضا جعل الطریق مسجدا لا عکسہ اذ تجوز الصلاۃ فی الطریق لا المرور فی المسجد وقول العمادیۃ ذکر رشید الدین الامام لو جعل المسجد طریقا لا یجوز ولو جعل الطریق مسجدا جاز لانہ تجوز الصلاۃ فی الطریق فجاز ان یجعل مسجدا ولا یجوز المرور فی المسجد فلا یجوز جعل المسجد طریقا اھ ولم یدر ان فیہ الرد البالغ علیہ کما تقدم فی النمرۃ ۵۹ فان امتناع المرور فی بعض المسجد شائع فی کلہ بل لا یکون المرور الا فی البعض۔

(۲۰۳) اورد عن العمادیۃ اجمع العلماء علی جواز بیع المسجد وحصیرہ اذا استغنوا عنہ) من اجل انہ فی تالیفہ ہذا وطن انفسہ علی استبدال المسجد کیفما استطاع سقط من قلمہ ہنا لفظ البناء فانتسب البیع الی المسجد وانتصب علی جواز بیعہ اجماع العلماء وہو من ابین الاباطیل وانما عبارۃ العمادیۃ دعنہا فی جامع الفصولین علی جواز بیع بناء المسجد الخ وای مکرمۃ لک فیہ فالبناء وصف فی المسجد لا المسجد وکلامک فیہ وبہ فعلت فعلتک التی فعلت۔

(۲۰۴) انما محل الاجماع نقض انفصل من المسجد فبقی وبقی مابقی مما لا حاجۃ الیہ للمسجد او ہدم لبنائہ الحکم فعفصل شیئ لا محل لہ کما اذا کان سقفہ من جذوع فبنوا مکانہ قبۃ فالجذوع تبقی فارغۃ لا حاجۃ الیہا فمثل ہذا الحفظ للحاجۃ الآتیۃ فان تعسر او خشی فسادہ او ضیاعہ او وقع الاستغناء مطلقا

کمافی الجذوع فہذا یجوز بیعہ باذن القاضی اجماعا ویدخر ثمنہ لحاجۃ البناء خاصۃ لا یصرف الی غیرہ من مصالح المسجد کما بینہ شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی فی رسالتہ التحریر الجید فی بیع حق المسجد ۱۳۱۵ من رسائل فتاواہ المبارکۃ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ فای مساس لہ بالمسألۃ وان حملتہ علی العامر بطلت دعوی الاجماع بل المفتوی علی انہ لا یباع قال فی ردالمحتار قال فی البحر الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد اھ والمراد بالآلات المسجد نحو القنادیل والحصیر بخلاف النقاضۃ لما قدمناہ عنہ قریبا ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر اھ ولئن فرضنا فما یجدیک العامر وکلامک فی العامر

(۲۰۵) **قال** وفی فتاوی قاضی ظہیر الدین[له] بیع البناء الموقوف لا یجوز قبل الھدم ویجوز بعدہ

اقول اما ہو فی البناء فما فیہ عنک غناء۔

(۲۰۶) **ثانیا** تمام کلام الظہیریۃ وکذا الشجر المثمر الموقوف جاز بیعہ بعد القطع لا قبلہ ولو کان الشجر غیر مثمر جاز بیعہ قبل القطع وبعدہ اھ جامع الفصولین فلو فہمت الکلام لمیزت بین الحلال والحرام واذ لم تفہم فالق السمع وانت شہید وقف الشجر المثمر یکون للاستغلال بثمارہ اولیاکلہا الموقوف علیہم لا لان تقطع ویقلع وکذا البناء للاستغلال او للسکنی لا لان یہدم ویعدم فلا یحل قطع الشجر المثمر حتی لعمارۃ الدار الموقوفۃ لما فیہ من تغییر صیغۃ الوقف ولو فعلہ القیم استحق العزل حتی لو یبس نصفہ لم یحل قطع الباقی فی حال المتار عن العقود الدریۃ عن فتح القدیر عن الامام ابی القاسم الصفار انہ سئل عن شجرۃ وقف یبس بعضہا وبقی بعضہا فقال مایبس منہا فسبیلہ سبیل غلتہا وما بقی فمتروک علی حالہا اھ وفیہ عنہا عن البحر الرائق عن الظہیریۃ لیس لہ ان یبیع الشجرۃ ویعمر الدار ولکن یکری الدار ویستعین بالکراء علی عمارۃ الدار لا بالشجرۃ اھ وفیہ عنہا سئل فی ناظر وقف قطع اشجار البستان الوقف الیانعۃ الغیر الشائبۃ ولا الیابسۃ وباعہا بلا وجہ شرعی فہل اذا ثبت ذلک علیہ بالوجہ الشرعی یستحق العزل الجواب نعم وافتی الشیخ اسمعیل بمثل ذلک اھ اما غیر المثمر الذی یقصد منہ حطبہ فانما یجعل لینتفع الوقف بثمنہ فیجوز بیعہ لمصارف الوقف ولو قائما والبناء کالمثمر فلا یحل

[Margin: فی نسخہ … [illegible]]

بیعہ قائما ولا ہدمہ الا اذا خیف وجدا وارید بناء احکم منہ ثم اذا انہدم او ہدم لما قلنا فلا یحل
بیعہ الا لیصرف ثمنہ الی العمارۃ کما قدمنا عن الفتاوی الرضویۃ فظہر ان القلع والقطع والبیع
کل ذلک لمصالح الوقف والاحرم فاین ہذا مما تقول وفعلت من تطہیر المسجد لغیر المسجد وبالجملۃ
تجعل کل السلیم یجد سبیلا فی المسجد الی التہدیم سے بغت الطغار نور اللہ عمۃ ؁ ویابی اللہ الا ان یتمۃ

(۲۰۷) داوردعن مختار الفتاوی لو ضاق الطریق وسع من المسجد) نعم کما امر الائمۃ من
جعل ممر فیہ لا یدخلہ جنب للحائض ولا نفسار ولا دابۃ کما علمت وبہذا اللفظ ذکر فی الاشباہ
وقد فسرہ فی بحرہ بما سمعت وتقدم عن جد الممتار ما فیہ رد الممتار علی الدر المختار عند السادۃ
الاخیار والحمد للہ العزیز الغفار ہذا کل ما اتی بہ لتطمئن القلوب وقد رأیت انہ لم یأت الابما
لا یفیدہ او ما یضرہ غومہ وبیدہ وکذلک کل من جانب الحق وتبع الباطل فان الباطل
لا یؤیدہ الا باطل ومحال ان تطمئن قلوب الاسلام بقلب الشرع وانتہاک حرمات الغرینہ
العلام الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

(۲۰۸) اذ دار رجل عدوۃ قاصیۃ وخبط بعصاہ فی کل زاویۃ ولم یجد لدائۃ دارئۃ ولا مدویۃ
وکان من اعظم ما یرد علیہ بل یرد علیہ انہ اشار بابقاء ارض المسجد مدخلۃ فی طریق العامۃ
فقد اباح المسجد لکل جنب وحائض ونفسار وکلب وحمار وکل دابۃ دبولہا وروثہا وخثیہا
وفرثہا وای اہانۃ اشد من ہذا للمسجد ولا یمکن سد ہذا الباب بعد قطعہ من المسجد وادخالہ فی
البیع لا سیما فی سلطنۃ النصاری ولذا حقق شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی فی کتابہ
ابانۃ المتواری ان مسألۃ جعل الممر فی المسجد مختصۃ بالسلطنۃ الاسلامیۃ وان المراد بقولہم
حتی الکافر ہو الذمی او المستأمن وقد بینہ بما تقبلہ القلوب المطمئنۃ بالایمان فراجعہ فانہ
برای منک اراد ان یخرج عن ہذا الضیق باباحۃ المسجد للجنب ونظائرہ فقال فی خزانۃ
الفتاوی وذکر ابو الیسر یباح للجنب الدخول فیہ لغیر الصلاۃ والمستحاضۃ تدخل اذا امنت
تلویث المسجد) یا ہذا احاطب لیل انت ام جارف سیل التقاط الروایات الضعیفۃ المرجوحۃ

المجروحۃ المطروحۃ لایسمن ولایغنی من جوع وقد علمت مافی الدر وغیرہ ان الحکم والفتیا بالقول المرجوع جہل وخرق للاجماع فضلاعن مثل ہذا الباطل باجماع ائمتنا بلا نزاع۔

(۲۰۹) ہذا ان کان روایۃ والذی جئت بہ لیس من الروایۃ ایضا فی شیئ بل ہو قول تفرد بہ ابوالیسر من المشائخ قال فی البحر بعد ذکر حدیث البخاری فی تاریخہ وابی داود وابن ماجۃ عن ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہا عن النبی صلے اللہ تعالی علیہ وسلم انی لااحل المسجد لحائض ولاجنب ہو باطلاقہ حجۃ علی الشافعی فی اباحۃ الدخول علی وجہ العبور وعلی ابی الیسر من اصحابنا فی اباحۃ الدخول لغیر الصلاۃ کما نقلہ عنہ فی خزانۃ الفتاوی اھ ومعلوم ان بحثا یتفرد بہ بعض المشائخ علی خلاف اجماع ائمۃ المذہب لایحل العروج علیہ لاسیما ولا ویل یومی الیہ ویعری من تتبع امثال ہذا کان من افسق عباد اللہ کما قال الامام الاجل عبداللہ بن المبارک تلمیذ سیدنا الامام الاعظم امام الائمۃ رضی اللہ تعالی عنہ وعنہم۔

(۲۱۰) سلمنا فاین ذہبت عنک الحائض والنفساء ردای غنار فی حدیث المستحاضۃ۔

(۲۱۱) عدونا عنہم فما بال الدواب والکلاب والابوال والارواث فاخرج روایۃ فی الحائض والنفساء وثالثۃ فی البول والعذرۃ وحینئذ یخلولک وجہ المسجد وتجد ضالۃ کنت تفقد اعوذ باللہ من علم لاینفع وقلب لایخشع ودعاء لایسمع۔

(۲۱۲) **قال** فی الخلاصۃ یکرہ التوضی والمضمضۃ فی المسجد الا ان یکون فیہ موضع اتخذ للتوضی ولایصلی فیہ) تقدم ان ہذا فیما اتخذہ البانی قبل تمام المسجدیۃ فلم یکن فی المسجد لان ہذا الموضع یبقی مستثنی لان المسجدیۃ انما ہی بجعلہ فاذا استثنی موضعا لمصالح المسجد صح ولم یکن الموضع مسجدا ولا عن المسجدیۃ مانعا۔

(۲۱۳) قد اعترف بہ ہو فیما سلف حیث ذکر موضع الوضوء وغیر ذلک ثم قال محل الجواز ہو قبل تمام البناء لکنہ یقر ثم لیغیر ہذا ہو دیدنہ المستمر۔

(۲۱۴) **قال** فی مفید المستفید شرح الایضاح کرہ ابوحنیفۃ وابویوسف الوضوء فی المسجد لان

الماء المستعمل نجس عندہما وقال محمد لا باس بہ اذا لم یکن علیہ قذر لانہ عندہ طاہر کاللبن کذا فی خزانۃ الروایات) قال الامام ملک العلماء ابوبکر بن مسعود الکاسانی فی البدائع یکرہ التوضی فی المسجد لان ماءہ مستقذر طبعا فیجب تنزیہہ عنہ کما یجب تنزیہہ عن المخاط والبلغم اھ رد المحتار قال شیخنا حفظہ اللہ تعالی فی جد الممتار ہذا تعلیل علی مذہب محمد المفتی بہ اما علی قول الامام بنجاسۃ الماء المستعمل فظاہر وبہ ظہر الجواب عما ذکر فی خزانۃ الروایات من جوازہ عند محمد اذا لم یکن علیہ قذر قال لانہ عندہ طاہر کاللبن اھ فان حرمۃ البصاق فی المسجد مقطوع بہا ہی وطہارۃ البصاق معا ولا یجلہ محمد ولا احد وصحاح الاحادیث فیہ مشہورۃ مستفیضۃ والطہارۃ لاتنفی الاستقذار فلا یصح انہ عندہ کاللبن وبہ علم ان فرض ما اذا لم یکن علیہ قذر کفرض محال فان ماءہ مستقذر بنفسہ اھ ای جد الممتار وعلی التسلیم ما ذا ینفعک الکلون البوال الکلاب ایضا طاہرات بل کاللبن فاذن لیصیر عندک نجوہا کالحلوا فان اقمت علی ہذا نجوت ودجدت ما رجوت ان لم یکن بعد الیوم غد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲۱۵) کان ربما یاتی الائمۃ فی جعل ممر فی المسجد لاجل الحاجۃ مع حفظ حرماتہ وتحریم دخول الجنب واخواتہ وادخال حیوان ونجاساتہ وفی قلبہ ان کل ذلک الزام ما لا یلزم وتعسف وتحکم مس حکم فلم یتالک نفسہ ان اظہر ما اضمر فوضع الاختتام لسنانیۃ الزام کی یبوح بسرہ شفاء لصدرہ فقال لقائل ان یقول ان تاویل الطریق بالممر ہو علی مذہب الامام ابی یوسف لانہ لا یجوز عندہ ان یحول المسجد من مکان الی مکان آخر فلذا احتیج الی التعلیل وعلوہ بالتعارف فی الجوامع اما علی قول محمد فلا حاجۃ فیہ فلذا لم یعللوا المسئلۃ فی المتون) قد علم کل صبی من الحنفیۃ ان خلاف الامامین انما ہو فی مسجد خرب واستغنی عنہ اما العامر فلا یحل استبدالہ بطریق ولا شیٔ عند ابی یوسف ولا محمد۔

(۲۱۶) تاویل الطریق بالممر قد تظافرت علیہ کلماتہم واطبق علیہ المتاخرون الی صاحب الدر المختار الی صاحب رد المحتار وانت تزعم ان المتاخرین افتوا علی قول محمد فمن اولئک

وکیف وافقوا علی ہذا التاویل مع عدم الحاجۃ الیہ عندک علی قول محمد المختار لہم وہل رأیت احدا صرح فی ہذہ المسألۃ بان معناہا ان تہدم المساجد وتبطل مسجد یتہا وتدخل فی الطرقات

(۲۱۷) لما کان محتاجا فیما سلف الی ان یبدی لمزعومہ الباطل مستندا من کلمات العلماء تقول ہنالک ان الممر عین الطریق کما تقدم والآن لما انسلخ عن اتباعہم وترقی الی اجتہاد نفسہ اعترف بالحق ان الممر المذکور فی کلامہم غیر الطریق وانہم اوّلوا وحوّلوا کلام المتون والصواب علی قول محمد ان مراد المتون بالطریق ہو الذی ادخل فیہ مسجد کالنفور وبالجملۃ سمتاً بان یکیم فیبوح ویقول فیجور۔

(۲۱۸) استدل علی ذلک بان المتون لم تعلل المسألۃ ای ولو مشوا علی قول ابی یوسف لعللوا وای مسألۃ تعللہا المتون۔

(۲۱۹) الاستدلال بترک التعلیل علی نفیہ عجیب۔

(۲۲۰) کان یحتاج سالفا ان یجعل مزعومہ مطابقا للقول المفتی بہ کیلا یقال ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع فانکر بناء مسألۃ المتون علی قول محمد وجرہ بالہوسات الی قول ابی یوسف کما تقدم والآن لما خلع عن رقبتہ ربقۃ اتباع الفتوے جعل یقر ان المتون ماشیۃ علی قول محمد وان الشراح ظلموا بجرہا الی قول ابی یوسف

(۲۲۱) دفع الی ہنا حفظ حرمات المسجد بقی یختلج فی قلبہ شوکۃ التقیید بالحاجۃ وقد کان جماء من العلماء وفرق من المسلمین حملاہ علی القول بالاحتیاج کما اسمعناک نصوصہ من قبل وہوی نفسہ ان لاحاجۃ الی الحاجۃ بل یجوز ہدم المساجد وادخالہا فی الطرق من دون حاجۃ فلم یصبر ان قال (وما روی عن محمد فہو ایضا مطلق لیس بمقید) ای کما ان المتون مطلقۃ فتقیید الشراح بالحاجۃ ظلم ولکن نسی ما قدمت یداہ ان الحق ان تعلیل المسألۃ ہو الحاجۃ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

(۲۲۲) قال بل صرح بتحویل المسجد وقت الاستغناء من حالۃ الوقف الی الملک

والوراثة) ای والاستغناء وعدم الحاجة فمحمد مصرح بان المسجد یجعل ملک زید وورثته من دون حاجة فلان یہدم ویدخل فی طریق واسع من قبل بغیر حاجة اصلًا بالجواز دلی واجدر ہذا معنی کلامہ ولذا اتی ببل للترقی وبالتصریح بدل الاستنباط من الاطلاق واذا بلغ الفہم الی ہذہ الدرجة رفع القلم وسقط الکلام فان کلام محمد فی مسجد استغنی عنہ بالخراب وہذا یحیلہ علی تبدیل مسجد عامر من دون حاجة بطریق مستغنے عنہ۔

(۲۲۳) قال فلو افتی احد علی قول محمد فلا یلام) لکن من افتی لشیئ یخترعہ فی الدین فعلیہ الملام والوزر التام لاسیما من فعلہ عار فا معترفا بانہ ہتک حرمة الاسلام انظر کتاب شیخنا ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری الم التعلم ان محمدا بریئ منک ولیس فی قولہ شیئ مما ابتدعت۔

(۲۲۴) قال لان الفتوی علی قولہ لایعد الخروج عن المذہب) الحمد للہ تہاب الخروج عن المذہب وتستحل بعد اسطر الی مانقل ابن تیمیة الضال عن الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عن احمد بن حنبل۔

(۲۲۵) قال وقد افتی المتأخرون علی قول محمد) کأنہ یریدبہم نفسہ وشرذمة کانت معہ فی ابطال مسجد کانفور والا فقد علمت ان العلماء من الامام الزیلعی الی العلامة الشامی جعلوا الطریق علی ممر فی المسجد مع ایجاب الآداب والتحریم علی الجنب والحیض والدواب وہذا مختص عندک بقول ابی یوسف فاین المشی علی قول محمد۔

۲۲۶ قال لمار أوا ان قولہ اوفق بالاوقاف) نعم ای شیئ اوفق بالوقف من ابطالہ راسًا۔

(۲۲۷) لمحمد قول فی العامر وخالفہ فیہ ابو یوسف ورواتہ عند ہشام فی العامر ووافقہ علیہا بعض المتون وصاحبنا لایمیز بینہما فکان کل اقوال محمد وروایاتہ عندہ شیئ واحد یتعلق بکل منہا ما یتعلق ببعضہا من خلاف او افتاء او غیر ذلک۔

(۲۲۸) قال وان سلم ان اباحنیفة مع ابی یوسف ولا التفات الی ما روی عن محمد موافقتہ مع ابی یوسف فقول محمد مؤید باٰثار الصحابة فیقدم علی قول ابی یوسف ویتعین بالافتاء) لما اعیتہ المذاہب

قام مجتہد ویدعی لنفسہ منصب اجتہاد الفتوی وانی لہ ذلک۔

(۲۲۹) قول محمد لا یمیل شیئا الی ما فعلت وتقول فان تعین للانقار بل لو فرض علیہ الاجماع لم ینفعک۔

(۲۳۰) شبعت من التقول علی الائمۃ حتی عدوت الی الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم وستری ان لا اثر لما تزعم فی ما ابدیت من اخر۔

(۲۳۱) علی التنزل عن الکل قول ابی یوسف مؤید بنصوص القرآن العظیم قال تعالے وان المسٰجد للہ وقال تعالی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا فیفترض التعویل علیہ ویحرم الخروج عنہ ویجب القول ببطلان کل ما خالفہ فاین ہذا من مسالۃ الاشربۃ المؤید فیہا قول محمد باحادیث لا تحصی وبالاحتیاط فی الدین وسد الذرائع بل الحق ان الفتوی علی قولہ فیہا لفساد الزمان وسد ابواب الطغیان وحفظ الامۃ عن استحواذ الشیطان والا فقول الامام لا ضعف فیہ من حیث الدلیل کما حقق شیخنا المجدد حفظہ اللہ تعالی فی رسالۃ الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی من رسائل فتاواہ المبارکۃ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ۔

(۲۳۲) ائمۃ الفتوی ہم الذین افتوا فی الاشربۃ بقول محمد فاین ہذا مما یفتی بہ رجل لم یبلغ درجۃ آحاد المقلدین فضلا عن الائمۃ المجتہدین۔

(۲۳۳) الآن ئیس من المذہب ولم یجد فیہ لہ من مہرب فتہیأ للخروج عن مذہبہ متشبثا باذیال ابن تیمیۃ لمطلبہ فقال قال ابن تیمیۃ فی فتاواہ وابلغ من ذلک ان احمد یجوز ابدال المسجد بغیرہ للمصلحۃ کما فعل ذلک الصحابۃ) ہذا لفظ ابن تیمیۃ علی ما فہمہ ولا حجۃ فیہ ولا فی فہمہ دانسب الی الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم فلم یثبت عنہم وما لابن تیمیۃ وللصحابۃ وقد عدہ الحصنی الدکفر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی کتابہ المسمی بالنظم الصراط المستقیم کما فی کشف الظنون

(۲۳۴) قال صالح بن احمد قلت لابی المسجد یخرب ویذہب اہلہ تری ان یحول الی مکان آخر

قال اذا کان یرید منفعۃ الناس فنعم والا فلا) ہذا صحیح عن احمد وقد عزاہ لہ الثقات ففی رحمۃ الامۃ للعلامۃ محمد بن عبد الرحمن الدمشقی الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی اتفقوا علی انہ اذا خرب الوقف لم یعد الی ملک الواقف ثم اختلفوا فی جواز بیعہ وصرف ثمنہ فی مثلہ فقال مالک والشافعی لایباع وقال احمد یجوز بیعہ وصرف ثمنہ فی مثلہ وکذلک فی المسجد اذا کان لایرجی عودہ اھ وقال المحقق حیث اطلق فی الفتح لوخرب ما حول المسجد واستغنی عنہ بان کان فی قریۃ فخربت وحولت مزارع یبقی مسجدا علی حالہ عند ابی یوسف وہو قول ابی حنیفۃ ومالک والشافعی وعن احمد یباع نقضہ ویصرف فی مسجد آخر اھ وہو یوافق روایۃ ہشام عن محمد وروایۃ اخری عن ابی یوسف ولامدخل لہ ہنا ولولم تیأس عنہ لم تخرج عن المذہب لوجودہ فیہ عن امامی المذہب وقد افتی بہ جماعۃ من مشائخ المذہب کما فصلہ السید امین الشامی۔

(۲۳۵) ثم نقل عنہ ان کان الذی بنی المسجد یرید ان یحوزہ خوفا من اللصوص او یکون موضعہ قذرا فلا باس) الرجل یبنی المسجد فلا یکون مسجدا وان تم بناؤہ ما لم یقل جعلتہ مسجدا ہذا ہو مذہب احمد ومالک والشافعی وابی یوسف بل مجمع علیہ فی جانب النفی لان الوقف لایتم بمجرد النیۃ اجماعا کمن نوی عتاق عبدہ او طلاق عرسہ لایعتق ولا تطلق ما لم یتکلم فہذا اقبل ان یقول الطلع علی نصوص لایترکون فرش المسجد ومعالیقہ فلان یحوزہ لانہ لم یکن مسجدا شرعا بعد وبالاولی اذا علم ان بناءہ وقع علی المقابر۔

(۲۳۶) بنی مسجدا فخرب وذہب اہلہ وجعل اللصوص یاخذون انقاضہ فلہ نقلہا الی مسجد آخر علی روایۃ ابی یوسف وقد جزم بہ فی الاسعاف وافتی بہ السید الامام ابو شجاع خانیہ وشمس الائمۃ الحلوانی وشیخ الاسلام ذخیرۃ والشیخ امین الدین بن عبد العال والشیخ احمد الشلبی والمحقق ابن نجیم والشیخ محمد الوفائی شرنبلالی فی رسالتہ ولاسیما فی زماننا فان المسجد اذا لم ینقل یاخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ہو مشاہد رد المحتار فالمطلق اللاحق محمول علی المقید السابق

(۲۳۷) المسجد الجامع یقضی فیہ امیر البلدۃ واحد عندہ بیت المال فخاف اللصوص فلہ

ان یحول الجامع الی موضع احفظ و امنع ای یترک ہذا للصلوات الخمس لمن حولہ و یبنی او یعین للجمعۃ مسجد آخر والاستدلال یقطعہ الاحتمال فان کان عندک مایرد ہذہ الاحتمالات فہات۔

(۲۳۸) بل لا سبیل الا الی ہذہ فان المسجد عقار لایخاف علیہ من اللصوص ولاہم یجدون عامرا فی محل عامر فیاخذون انقاضہ اما الآلات نحو البسط والتعلقات فالخوف علیہا یستحیل ان یخرج المسجد عن المسجدیۃ مع ان عدمہا اصلا لایضر بالمسجد ولم تکن فی افضل الاعصار واذ ہو مسجد قطعا فتحویلہ وترکہ سعی فی خرابہ قطعا وہو محرم کبیرۃ بالنص القطعی قطعا فلا یظن القول بہ ممن یخاف وعید اللہ ویعظم حرمات اللہ وان کان من آحاد الناس وہل سمعت مسلما یقول اذا خیف من لص علی قندیل المسجد فخربوہ وہدموہ فضلا عن امام جلیل من ائمۃ المسلمین لاسیما مثل احمد رکن لایمیل وجبل لایزول سیف ماض من سیوف الاسلام الذی جعلہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ربیع الاسلام وجاد بنفسہ فی حفظ حرمات الاسلام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن سائر الائمۃ فی دارالسلام آمین۔

(۲۳۹) وبہ ظہر معنی اثر امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ الذی رواہ احمد عن القاسم قال لما قدم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ الی بیت المال کان سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ بنی القصر واتخذ مسجدا عند اصحاب التمر فنقب بیت المال فاخذ الذی نقبہ فکتب فیہ الی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فکتب عمر ان اقطع الرجل وانقل المسجد واجعل بیت المال فی قبلۃ المسجد فانہ لن یزال فی المسجد مصل[1] فنقلہ عبداللہ فخط لہ ہذہ الخطۃ) معلوم انہ کان مسجد الجامع کما صرح بہ احمد اذ قال کما نقلت عن ابن تیمیۃ عنہ ان ابن مسعود حول الجامع (المسجد) وتحویل الجامع بتحویل الجمعۃ لایلزمہ بل لایفہم منہ ابطال نفس المسجد وہدمہ وجعلہ طریقا کما تقول وفعلت۔

(۲۴۰) امیر المؤمنین اراد حفظ بیت المال ام ہدم بیت ذی الجلال فاذا اتخذ الامیر سیدنا عبداللہ مسجدا آخر للجمعۃ وترک اقامتہا ہنا ونقل المال الی قبلۃ المسجد الجدید حصل المقصود ففہم بامرہ

لہ فی نسخۃ
مصلی بابلہ

امیر المؤمنین بابطال مسجدیۃ المسجد العتیق لاہو مفہوم من الحدیث ولاہو معقول ولا مقبول۔

(۲۴۱) الامام المحقق فی الفتح نقل الحدیث بلفظ ان عمر کتب الی ابی موسٰی لما نقب بیت المال الذی بالکوفۃ انقل المسجد الذی بالتمارین واجعل بیت المال فی قبلۃ المسجد واجاب عنہ بقولہ یمکن انہ امرہ باتخاذ بیت المال فی المسجد اھ فجعلہ من باب الحذف والایصال والمفعول بہ بیت المال والمعنی ان ماانھم منہ احد ففیہ مجال مقال وعلی کل لم یبق للاثر دلالۃ علی مازعم انت فبطل الاستدلال

(۲۴۲) ثم ہذا القدر من التحویل الذی لیس من التحویل فی شیئ انما کان لضرورۃ کما فی نفس الحدیث وانت حملت قول محمد علی اطلاقہ ثم ادعیت تأییدہ بالاٰثار واتیت باثر واحد ہو تحت القید فاین الدال علی الاطلاق ویالیتک تقول بعد ماتفہم فان لم تستطع تفہم بعد ماتقول فان لم تستطع تقل بحدیث من سکت سلم۔

(۲۴۳) ثم قال ابن تیمیۃ قال صالح قال ابی یقال ان بیت المال نقب فی مسجد الکوفۃ فحول عبد اللہ بن مسعود المسجد) ہذا لیس تفسیر نا نعم یرد علی توجیہ المحقق ان کانت فیہ حجۃ ولاحجۃ فیہ اولا لان یقال یقال للتبری وللتضعیف ولنقل مافی بعض الافواہ **وثانیا** نقل عن مجہول **وثالثا** معضل۔

(۲۴۴) تمامہ موضع التمارین الیوم فی موضع المسجد العتیق یعنی احمد ان المسجد الذی بناہ ابن مسعود کان موضع التمارین فی زمان احمد وہذا المسجد ہو المسجد العتیق ثم غیر مسجد الکوفۃ مرۃ ثالثۃ قد وفقنا المولٰی سبحنہ وتعالٰی لتفسیر واضح منیر لایحول التحویل ولایغیرہ التغییر کما علمت وللہ الحمد اما قولہ یعنی احمد فحقہ یعنی ذلک القائل المجہول لان القول لیس لاحمد وانما قال یقال ثم قولہ وہذا المسجد یشیر بظاہرہ الی بقاء المسجد بعد التحویل۔

(۲۴۵) ثم قال قال ابو الخطاب سئل ابو عبد اللہ یحول المسجد قال اذا کان ضیقا لایسع اہلہ فلاباس ان یحولہ الی موضع اوسع منہ) ہذا فی الجامع فانہ الذی یضیق عادۃ لجمعہ الجماعات لاسیما عند اتحاد الجمعۃ کما کان فی زمنہم فلیس فیہ الاتحویل الوصف ولوجاز ابطال المسجدیۃ

لاجل الضیق لا حل اتخاذ ارض بکرہ للتوسیع وقد فعلہ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم ولعمری ما ابطال المسجد للضیق الا کقتل مسلم لمرضہ۔

(۲۴۶) ما القول فی المسجد اذا ضاق بل ہو مسجد ام لا علی الثانی فما الضائق وہل قال بہ احد من علماء العالم ان المسجد لضیقہ لا یبقی مسجدا وقد ضاق المسجد النبوی صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فوسعہ امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما روی الترمذی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ رحم اللہ عثمٰن زاد فی مسجدنا حتی وسعنا وعلی الاول کیف یحل ابطالہ ومن ذا الذی ینجیہ من قول الواحد القہار ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا۔

(۲۴۷) قال وجوز احمد ان یرفع المسجد الذی علی الارض ویبنی تحتہ سقایۃ للمصلحۃ) الآن ظن انہ ظفر بما یشبہ ما ارتکبہ فی کانفور حیث رفع المسجد علی السماء وجعل الارض طریقا للنصاری والمشرکین والعامۃ وکفانا جوابا عنہ ما نقل ابن تیمیۃ نفسہ عن بعض اصحاب احمد ان ہذا علی ابتداء البناء) وہو الماشی علی الجادۃ والموافق لقول العزیز الملیک المنزہ من شریک وان المسٰجد للہ وانکار ابن تیمیۃ لا یعبؤ بہ فقد انکر جملۃ من احادیث صحیح البخاری وجحد ان تکون فیہ مع ظہور کونہا فیہ عند الطلبۃ المشتغلین بہ واعتذر عنہ العسقلانی بانہ کان یعتمد علی ما فی صدرہ والصدر یخطئ وقد قال فیہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواہب افما یستحیی ہذا الرجل من تکذیبہ بما لم یحط بعلمہ

(۲۴۸) ان سلم فای قرۃ عین لک فیہ فسقایۃ المسجد من مصالح المسجد ومصالح الشیئ من توابعہ وتوابع الشیئ فی حکمہ ہل جوز احمد ان یرفع المسجد علی السماء وتجعل الارض طریق العامۃ۔

(۲۴۹) قال فلو افتی مفت فی وقت الضرورۃ الشدیدۃ الواقعۃ علی قول احمد قیاسا علی زوجۃ المفقود فای مانع لہ) لما لیس من المذہب خرج عنہ الی قول احمد بزعمہ وسوغ العمل بہ للضرورۃ الشدیدۃ ومبناہ علی شیئین ان یکون احمد قال بما یفیدہ وقد علمت بطلانہ وان احمد کمحمد بریٔ منہ والثانی ادعاء الضرورۃ وہو باطل بالضرورۃ عند کل من شاہد صنیعہ بعقل سلیم ودین قویم

وقد بين بطلانه شیخنا المجدد حفظه الله تعالی فی کتابه المستطاب اباتة المتواری فی مصالحة عبد الباری بدلائل قاہرة سواطع باہرة جعلت البیان اجلی من العیان۔

(٢٥٠) **قال** (والضرورة) ای فی ہدم المسجد وادخالہ فی طریق واسع من قبل فوق الحاجة وجعلہ مداس الاقدام وموطیٔ الجنب والحیض ومسیح الکلاب الدواب ومحط الابوال الارواث (اشد من ضرورة احتمال الزنا) التی ابیح لہا الفتیا بمذہب مالک فی عرس المفقود **فاقول** لیس ہذا ایضا کما زعم وادعاء المرأة الضرورة فیما ربما یکون کاذبا کما بینہ شیخنا فی عدة مواضع من فتاواہ المبارکة العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة وان الحاجة تمس اشد من ہذا فی شابة من ذوات الیأت بموت زوجہا فتجلس مدة عمرہا بلا زواج لانہم یستقبحون النکاح الثانی تبعا لکفار الہند فاین مذہب تلک العادی لاتباع الرسم الجاہلی مع حلہا للازواج قطعا والعلم بعدم عود المیت الیہا یقینا وہہنا لاتعد تصبر مع رجاء العود وکونہا محصنة قطعا وقول اللہ تعالی **والمحصنت من النساء** فما ہو الا وسوسة شیطانیة کما فی الحداد وشق علی بعضہن اربعة اشہر عشرا وانما کانت احدٰہن لترمی بالبعرة علی راس الحول کما فی الحدیث الصحیح وقد ارشد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الی العلاج بقولہ ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم ثم لیس مذہب مالک ما زعمہ بعض ابناء الزمان من اہل لکھنؤ وغیرہا ان المرأة تتربص بنفسہا اربع سنین ثم تعتد عدة الوفاة وتنکح من شاءت حاشا مالکا ان یقول بہ وانما مذہبہ رضی اللہ تعالی عنہ ان المرأة ترفع الامر الی قاضی الشرع وہو یمہلہا اربع سنین من یوم رفعت ولا عبرة بما مضی قبلہ ولو عشرین سنة کما صرح بہ مالک نفسہ فی المدونة فاذا مضت ہذہ الاربع وتحقق ذلک عند القاضی حکم بموتہ فتعتد وتنکح ولا ادری کیف تفعل حینئذ من تعنی انہا ان لم تجد الزوج تزنی ثم القائل باحل فیہا بقول مالک رجل من متاخری الناظرین ولم یجزم بہ بل قالہ علی الظن والتخمین قلت ہذہ الاسباب ہی التی صححت لصاحبنا القیاس اذ بہا قامت المساواة بین المقیس والمقیس علیہ بل فاقہ المقیس وذلک لان ادعاء الضرورة ہہنا الکذب ونسبة القول بما یوافق صنیعہ الی احمد لغلط واذہب اما قول احمد فقد علمت واما الضرورة فانما

یستند لها الی ما وقع من القتل والاسر وہذہ مغالطۃ واضحۃ او مغلطۃ فاضحۃ فان الحکومۃ لم تکرہ احدا علی اعطاء حصۃ من المسجد ولم یکن علیہ قتل ولا اسر بل علی نقض القانون ومعاوضۃ الحکومۃ ولولا ذلک لم یکن شئی من المھالک علا انک فعلت ما فعلت اذ انطفئت النیران وحصل الامان وجاء الاعلان بمراعاۃ احکام الایمان فبای ضرورۃ کان منک ما کان فاذن صدقت فی قولک فان المصائب کائنۃ) ان اردت انہا کانت وبانت وذہب وقتہا وجاء نائب السلطنۃ لفصل الامر علی مقتضی الشریعۃ الشریفۃ الاسلامیۃ فصرفتہ الی ما شرت وفعلت واخبرت المسلمین ان احترام الاسلام وموافقۃ الاحکام فیما جعلت واعترفت فی دریقاتک ہذہ ان من وجوہ الضرورۃ رضاء واحد من الحکام او اکثر اہل المحلۃ من اہل الاسلام مع ان الواحد القھار یقول واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین اللھم احینا مؤمنین وامتنا مؤمنین واحشرنا فی المؤمنین وصل وسلم وبارک علی سیدنا ومولینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین وانا العبد الفقیر المستجیر بربہ القوی من شر کل غبی وغوی عبدہ امجد علی الاعظمی القادری البرکاتی الرضوی کان اللہ لہ وحقق املہ وصلی اللہ تعالی علی سیدنا ومولینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین آمین فہذہ مائتان وخمسون خمسون علی ما صنع بمسجد کانفور من ہناتہ ومائتان کاملتان علی وریقاتہ والحمد للہ علی ہباتہ وافضل صلواتہ واکمل تسلیماتہ علی سید بریاتہ محمد وآلہ وصحبہ وذریاتہ والحمد للہ رب العلمین

بشارت

ابانۃ المتواری نمبر ۱۲ صفحہ ۱۴ پر ایک فتوی مفصل لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا بحمدہ تعالی اس خوف سے لکھا گیا قامع الواہیات نمبر ۶ میں صفحہ ۵۰ سے صفحہ ۵۹ تک جو کلام جلیل کتاب مستطاب جد الممتار حاشیہ رد المحتار کا منقول ہوا ان تمام مباحث پر حاوی ہوا اور اسکے علاوہ اور نمبروں میں بھی اسکی بحث ہوا اور فضل الہی ہے کہ وہ بیان ہمارے معزز کرمفرما جناب مولوی عبد الباری صاحب کو مقبول بھی ہو چکا اسکے مقصد علم کا نہایت کافی ووافی خلاصہ مولوی محمد حسین صاحب صدیقی میرٹھی نے اپنے اس مضمون میں لیا جو انھوں نے دربارہ مسجد کانپور مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکی کے رد خیالات میں لکھا اور ۲۸ ذی الحجہ ۳۱ھ کو زمیندار اور ۲ محرم ۳۲ھ کو دبدبہ سکندری میں شائع ہوا اور ۲۲ ذی الحجہ کو قبل طبع مفتی ٹونکی اور جناب مولوی عبد الباری صاحب کی خدمت میں لکھنؤ بھیجا مفتی ٹونکی صاحب نے تو آجتک اس پر ہاں نہ کچھ نہ کہا حالانکہ وہ انھیں کا رد اور اس میں انھیں سے سوالات تھے

مگر مولوی لکھنوی صاحب نے اُسے نہایت نظر استحسان سے دیکھا اور اُسپر اظہار مسرت و شکر کا خط مولوی صدیقی صاحب کو باین عبارت لکھا بخدمت شریف مکرمی معظمی مولوی محمد حسین صاحب صدیقی دام مجدکم۔ السلام علیکم۔ مجھے جسقدر تاسف مولوی عبداللہ صاحب کی تحریر دیکھکر ہوا تھا وہ جناب کی تحریر کو پاکے دفع ہوا۔ مین عجب شش و پنج مین تھا جس امر کا تحفظ تمام علما کرتے آئے اور مین نے باوجود ابتلا کے حتی الوسع کیا اسکو مولوی صاحب موصوف نے چند حروف مین درہم برہم کردینا چاہا تھا جزاکم اللہ خیر الجزا، فقیر محمد عبد الباری عفا اللہ عنہ۔

بشارت عظمے

الحمدللہ ہمارے معزز دوست مولوی صاحب لکھنوی کی انصاف دوستی نے اُنھین ارشادات بانۃ المتواري کے قبول کی طرف بھی مائل کیا۔ یہ فتوی قبل طبع ارسال خدمت ہوا تھا جسکی رسید مین ۱۴ محرم کو تحریر فرماتے ہین مولینا المعظم دام بالمجد والکرم۔ بعد تسلیم بصد تکریم گذارش ہے کہ مین نے جواب سامی استفتاء مولوی سلامت اللہ صاحب دیکھا اللہ تعالی جناب کو بدیر ہمارے سرون پر زندہ و سلامت رکھے کہ جناب اپنی شفقت بزرگانہ سے ہماری لغزش کو درست فرماتے رہین اور ہمکو نیک مشورہ دیتے رہین آمین ثم آمین۔ اُسی مین فرماتے ہین جسقدر امور جناب نے تحریر فرمائے ہین خدا کا شکر ہے کہ اُن سے مین غافل نہین ہون البتہ استحقاق مرود اور جواز مرود کا فرق نظر انداز ہوگیا تھا جس سے جناب نے متنبہ کردیا ہے مبارک وہ دل کہ حق کی طرف حقیقۃ رجوع کرین وباللہ التوفیق۔

بَابُ المَسَاجِدُ

مسئلہ (   ) مسئولہ مولوی آفتاب الدین طالب العلم مدرسہ اہلسنت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی کوئی چیز مسجد کے کام سے فاضل ہو اور وہ چیز اس مسجد کے کام میں آنے کی نہیں ہے اور وہ چیز ایسی ہے کہ کثرت مدت تک بے کار رہنے سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وہ چیز بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مشتری اس چیز سے جو کام کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر مشتری ہندو ہو تو اس کے پاس بیع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جب وہ چیز بے کار ہے اور اندیشۂ نقصان ہے تو فروخت کرکے قیمت مسجد میں صرف کریں، اور وہ اگر مسجد کے استعمال میں آچکی ہے تو بے ادبی کے موقع پر مشتری اس کے استعمال سے بچے اور ایسی چیز کافر کو بھی نہ دی جائے کہ وہ اس کا ادب ملحوظ نہ رکھے گا۔ بحر الرائق میں ہے واما الحصر والقناديل فالصحيح من مذهب ابي يوسف انه لا يعود الى ملك متخذه بل يحول الى مسجد آخر او يبيعه قيم المسجد للمسجد یعنی چٹائیاں اور قندیلیں اگر مسجد کے لئے بیکار ہو جائیں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ دینے والے کی ملک کی طرف نہیں لوٹیں گی بلکہ کسی دوسری مسجد کو دے دی جائیں یا متولی مسجد انھیں مسجد کے کام میں صرف کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سہ بحر الرائق عن الفتح، کتاب الوقف، فصل فی احکام المساجد ص ۲۵۱/۵ج فتح القدیر، کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام ص ۴۴۶/۵ج مصباحی

مسئلہ ( ) مرسلہ عبدالحکیم صاحب شہر کانپور۔ محلہ مصری بازار مسجد محمد تقی ۲ رجب ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمارِ دین مسئلہ ذیل میں کہ جس مسجد میں شخصی حکومت ہو اس مسجد کی کیا حیثیت سمجھی جاوے گی اور اگر مصلیان غریب ہوں اور قوت مقابلہ کی نہ رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں وہ مسجد سے علٰحدہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر مجبوراً مسجد میں جانا چھوڑ دیں تو گنہگار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

اگر امام مسجد صالحِ امامت نہ ہو یا فاسق فاجر ہو کہ اسے امام بنانا گناہ و مکروہ تحریمی ہو تو اہلِ محلہ متفق ہو کر ایسے امام کو معزول کردیں اور اگر اپنے میں اتنی طاقت نہ پاتے ہوں کہ معزول کرسکیں تو اس مسجد کو چھوڑ کر کہیں دوسری مسجد میں نماز پڑھیں۔ غنیہ میں ہے۔ فی فتاوٰی قاضی خان اذا کان امام الحی زانیا او اکل الربٰو له ان یتحول الی مسجد آخر کن اینبغی اذا کان فیه خصلة تکره بسببها امامته لان التحرز عن الکراهته اولیٰ من الاتیان بالفضیلة[1] اور اگر اس مسجد میں امام قابلِ امامت ہے کہ نماز میں کچھ کراہت نہیں ہوتی مگر متولی مسجد اہلِ محلہ کو انتظام میں دخیل نہیں ہونے دیتا جو جی چاہتا ہے وہ کرتا ہے دوسرے کی بات نہیں مانتا تو مسجد چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ جو ناجائز تصرفات کرے ان سے حسبِ استطاعت روکیں اور جب مقابلہ کی طاقت نہیں تو الزام اس پر ہے اہلِ محلہ بری ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ( ) مرسلہ حاجی ابوجُنید سیٹھ سانگلی ۱۴ شعبان ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمارِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ریاست سانگلی میں ایک مسجد کا سرمایہ عرصہ سے بیکار پڑا ہوا ہے اور اس مسجد میں کوئی موقع صرف کرنے کا نہیں ہے اس لئے اس سرمایہ کو مسلمانانِ سانگلی چاہتے ہیں کہ کسی تجارت میں لگا کر اس کا نفع مسجد کے کام میں لگائیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] غنیہ ص۵۶۷۔

الجواب

سرمایۂ مسجد سے کوئی جائداد مسجد کے نام سے خریدی جائے اور اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی رہے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو تو اسے محفوظ رکھیں کہ اس سے دوسری جائداد خریدی جائے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الفاضل من وقف المسجد هل یصرف الی الفقراء قیل لا یصرف وانه صحیح ولکن یشتری به مستغلا للمسجد کذا فی المحیط[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ( ) مرسلہ منشی محمد عبدالعزیز خاں صاحب کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد خام جس کو قریب ستّر برس کے گذرتا ہے موجود ہے۔ اس کے متولی ہمیشہ سے سنّت جماعت رہے اور ہیں لیکن درمیان میں ایک بیوہ مسمّاۃ نصیبا بیگم جو کہ مذہب شیعہ رکھتی ہے اپنے ثواب کے لئے اس مسجد خام کو پختہ بنوادیا بعد چند روز کے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں نے بنوایا ہے اس لئے میں متولی ہوں۔ سنت جماعت کہتے ہیں کہ تم نے ثواب کے لئے بنوایا ہے۔ سنّت جماعت کے مسجد کی متولیہ نہیں ہوسکتی کیونکہ تو مذہب شیعہ رکھتی ہے۔ پس شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ مسجد سنّیوں کی ہے اور سُنّی ہی اس کے متولی ہوسکتے ہیں یہ عورت رافضیہ جس نے اس کو پختہ کرایا ہرگز اس کی متولیہ نہیں ہوسکتی کہ اوّلاً مسجد بنانے والا کوئی اور ہے جس نے بنائی وہی واقف ہے۔ حق تولیت اس کو تھا، وہ نہیں ہے تو عام مسلمان سنّی جس کو متولی بنائیں۔ بحرالرائق میں ہے الولایة للواقف ثابتة مدة حیاته وان لم یشترطها وان له عزل المتولی[2]۔ ردالمحتار

[1] مسجد کے وقف سے جو فاضل بچے وہ فقیروں پر خرچ کیا جائے گا یا نہیں؟ تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں خرچ کیا جائیگا اور یہی قول صحیح ہے لیکن فاضل مال سے مسجد کیلئے کوئی ایسی چیز خریدی جائے جس کا کرایہ وغیرہ آیا کرے یہ محیط میں ہے

ج ۲ کتاب الوقف۔ الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد ص ۴۶۳ قادری

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ج ۵ ص ۲۳۱ - مصباحی

میں تاتارخانیہ سے ہے۔ اھل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونہ باذن القاضی ثم اتفق المتأخرون ان الافضل ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاۃ فی اموال الاوقاف[1] ثانیاً اگر یہ عورت متولیہ ہوگی تو یہ مسجد سُنّیوں کے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ وہ اپنے مذہب کے لوگوں کو اس میں رکھے گی اور یہ سُنّیوں کے لئے سخت مضر ہے اور اس سے بڑھ کر کیا خیانت ہوگی اور خائن کو متولی نہیں کیا جاسکتا بلکہ اگر خود واقف بھی خائن ثابت ہو تو اسے معزول کردیں گے درمختار میں ہے۔ ینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون اوعاجزا اوظھر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ ردالمحتار میں ہے وکذا اذا اجرھا الواقف سنین کثیرۃ فمن یخاف ان یتلف فی یدہ یبطل القاضی الاجارۃ ویخرجھا من ید المستاجر فاذا کان ھذا فی الواقف فالمتولی اولی ثالثاً جب فسق عملی کیوجہ سے متولی نہیں بنایا جاسکتا کما مرّ عن الدرالمختار تو یہاں تو فسق اعتقادی ہے کہ یہ اس سے بدرجہا بدتر بلکہ روافض زمانہ کی علماء نے تکفیر کی۔ کما فی ردالرفضۃ[2] لشیخنا المجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ان کو کیسے وقف کا متولی کہا جائے گا اور وہ بھی مسجد کا بالجملہ اس مسجد کے متولی سنّی ہی رہینگے وہ عورت ہرگز نہ متولی کیجائے واللہ تعالٰی اعلم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تعمیر مسجد کی غرض سے کچھ چیزیں مہیا کی لیکن

---

[1] ردالمحتار، کتاب الوقف ج ۳ ص ۴۴۹

[2] امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے ردالرفضۃ میں متعدد کتب فقہیہ کی تصریحات اور ائمہ ترجیح وفتاوٰی کی تصحیحات سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ "رافضی تبرائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما خواہ ان میں ایک کی شان پاک میں گستاخی کرے گرچہ صرف اسی قدر کہ انھیں امام وخلیفہ برحق نہ مانے ایسے رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں" آل مصطفٰی مصباحی

قبل اس کے کہ مسجد کا کام شروع ہو اس کا ارادہ ہوا کہ اشیائے فراہم شدہ سے بہتر اور پائدار چیزیں مسجد کیلئے مہیا کرے اور اپنے اس ارادہ کے موافق ایسی چیزوں کی فراہمی بھی زید نے شروع کر دی اس صورت میں زید کو شرعاً اختیار حاصل ہے یا نہیں کہ پہلی چیزیں کسی دوسرے مصرف میں صرف کرے۔ بینوا توجروا

الجواب: جو چیزیں اس نے مسجد کیلئے خریدیں اب اگر ان سے بہتر چیزیں مسجد میں لگانا چاہتا ہے تو انھیں فروخت کرکے اس قیمت کی دوسری چیزیں خرید کر اس مسجد میں لگا سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- از ہوڑہ جان محمد رضوی - ۷ محرم الحرام ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو قوم کی زمین ہے جسمیں مسلمان مسجد بنانا چاہتے ہیں، اور وہ کسی طریقہ سے زمین دینے پر راضی نہیں۔ اب مسلمانوں نے بزور مسجد تعمیر کر لی تو اس مسجد کا کیا حکم ہے۔ یا متصل مسجد کے اسکی زمین تھی۔ مسجد میں شامل کر لی گئی تو اس مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:- ہندو یا کوئی کافر اگر اپنی خوشی سے زمین مسجد کیلئے دے جب بھی مسجد نہیں ہوسکتی کہ مسجد ہونے کے لئے نیت تقرب ضرور ہے اور کافر اس کا اہل نہیں[1] اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ ان المسجد للہ[2] فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو جعل ذمی دارہ مسجد المسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلاۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثا لورثتہ وھذا قول الکل کذا فی جواھر الاخلاطی۔ جب کافر کی زمین اسکی رضا سے بھی مسجد نہیں ہوسکتی تو جبراً لینے سے کب مسجد ہوگی۔ لعدم الاستیلاء للمسلم علی الکافر فھھنا رہا جواز نماز اسکے لئے مسجد شرط نہیں اسمیں اگر نماز پڑھی تو ہو جائے گی اور چونکہ حربی کی زمین ہے لہذا ارض مغصوبہ

---

[1] جب کافر اس کا اہل نہیں۔ تو بغیر ایمان لائے ہوئے اس کی نیت عبادت بھی معتبر نہیں۔ اشباہ والنظائر میں ہے لا ثواب الا بالنیۃ اسی میں ہے۔ من شروط النیۃ الاول الاسلام ولذا لم تصح العبادات من کافر واللہ تعالیٰ اعلم

[2] نیز ارشاد فرماتا ہے۔ ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم اسی آیت کے تحت تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ فالمقصود ان اللہ تعالیٰ منع المشرکین عن تعمیر المساجد حال کونھم علی الشرک۔ ص ۲۹۸ ۱۲- مصباحی

میں جوکراہت تھی یہاں نہیں کہ غصب کیلئے مال محترم ہونا ضرور ہے۔ درمختار میں ہے۔ فلا یتحقق ای الغصب فی مال حربی۔ اور دوسری صورت یعنی اسکی زمین مسجد میں شامل کرلی گئی اسمیں جتنی زمین مسجد کی تھی اس حصہ میں نماز پڑھی تو مسجد کا ثواب پائیگا کہ اسکی مسجدیت بدستور ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ منیر بخش موضع ٹسوا متصل فرید پور ضلع بریلی ۸ صفر ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ اہلسنت وجماعت کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ انکو اپنے مسجد میں نماز پڑھنے دیں یا نہ دیں اور ان لوگوں سے کھانا وغیرہ رکھیں یا نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ سنیوں نے امام علیہ السلام کو شہید کیا ہے اور سنت جماعت کہتے ہیں کہ رافضیوں نے کیا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے

الجواب:۔ روافض کو اہلسنت مسجد میں آنے سے روکدیں کہ یہ لوگ بزرگان دین کی توہین کرتے اور مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں اور ہر موذی کو مسجد میں آنے سے روکا جائے۔ ان کے یہاں کھانا پینا اور ان سے میل جول حرام حدیث میں ہے۔ ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ یہ تو وہ بھی جانتے ہونگے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود انھیں نے شہید کیا جھوٹے محبت کے لیے جوڑے دعوے کرکے بلایا اور پھر شہید کردیا۔ مولےٰ تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو بچائے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از رائے پور سی پی محلہ بنجناتھ پارہ مرسلہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ صاحب ۱۰ صفر ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مخدومنا و مکرمنا حامی شریعت ماحی بدعت عالی جناب معلی القاب حضرت مولٰینا صاحب قبلہ زید مجدکم پس از سلام مسنون عرض پرداز مدعا ہوں کہ اس شہر میں ایک مسئلہ چند روز سے چند اشخاص کی وجہ سے رونما ہوا ہے شہر میں ایک مسجد ہے جو جامع مسجد کہلاتی ہے اسکی کمیٹی کے چند افراد نے عام مسلمانوں کی مرضی کے خلاف اس مسجد کو مسجد محلہ سے موسوم کیا ہے اور اب یہ کہتے ہیں کہ اب وہ جامع مسجد نہیں ہے حالانکہ اسکی تعمیر کے لئے جو روپیہ وصول کیا گیا وہ جامع مسجد کے نام سے وصول کیا گیا اور اب تک اسکے اشتہاروں رجسٹروں کتابوں رسید بہیوں میں جامع مسجد ہی لکھا پڑھا جاتا ہے اور مشہور یہی ہے کہ وہ جامع مسجد ہے اس نام نہاد کمیٹی کو حضرت مجدد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فتویٰ بھی دکھلایا گیا پڑھ کر سنایا گیا جو احکام شریعت صفحہ ۱۷، ۲،

پر مرقوم ہے جس کے سوال کا مفہوم ہے کہ جو مسجد جامع مشہور ہے وہ جامع مسجد ہی کہلائیگی۔ لیکن افسوس کہ کیٹی کے افراد کو باوجود اسکے کہ وہ اپنے آپکو سنی حنفی کہلاتے ہیں اس فتوی کے ملنے میں تامل ہوا برخلاف اس کے کہ انھوں نے تمام مسلمانان رائے پور کے نمائندگان کے مقابلے میں جو نمائندگان مقرر کئے اسمیں ایک ایسے شخص کو شریک کیا اور اسکا سہارا ڈھونڈھا جو علمائے دیوبند کا ماننے والا ہے اور انکا ہم خیال ہے حتی کہ قاضی شہر جو اس نام نہاد کمیٹی کے رکن اعلیٰ ہیں انھوں نے اعلان کیا کہ ہم اپنی طرف سے نمائندہ مولانا محمد یٰسین صاحب کو رکھتے ہیں یہ مولوی محمد یٰسین شہر کے ان لوگوں کے سرغنہ ہیں جو علمائے دیوبند کے پیرو اور ان کے معتقد ہیں رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کو اپنا پیشوا اور سردار مانتے ہیں۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا مسجد مذکورہ جامع مسجد ہے یا کیا۔ اور ایسی کمیٹی اور ایسے قاضی کے متعلق کیا احکام ہیں جو ایسے اشخاص کی مدد لیتی ہو اور انکے نام کو ایسی عزت سے پکارتی ہو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:۔ جب اس شہر میں یہ مسجد جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے اور جامع مسجد ہی کہکر چندے لئے گئے اور لوگوں نے اسی نام سے دیئے اور وہاں جمعہ بھی ہوتا ہو تو اب جامع مسجد ہی مانی جائے گی اور مسجد جامع کے ہی احکام اس پر جاری ہونگے مسجد محلہ اگر اسے کوئی کہے تو اس کے کہنے سے جامع مسجد ہونے سے خارج نہ ہوگی مسجد محلہ کے یہ معنیٰ نہیں کہ کسی محلہ میں واقع ہو ایسا ہو تو ہر جامع مسجد کا تمام محلوں سے خارج ہونا ضرور ہوگا جامع مسجد وہ ہوتی ہے کہ عامۂ مسلمین شہر اسمیں جمعہ ادا کرتے ہوں اگرچہ پنجوقتہ نماز بھی اس میں ہوتی ہے اسلئے عموماً جوامع بلاد مساجد محلہ سے بڑی ہوتی ہیں کہ انمیں صرف اہل محلہ ہی کی نماز مدنظر نہیں ہوتی بلکہ دوسرے محلوں سے بھی لوگ آتے ہیں لہذا مسجد جامع کی تفسیر ردالمحتار میں یہ فرمائی۔ ای الذی جماعتہ اکثر من مسجد الحی۔[1] اور وہابیہ دیوبند کہ توہین خدا جل جلالہ وتنقیص شانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے یا ان کو اپنا پیشوا قرار دیتے یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہیں موافق فتوی علماء حرمین طیبین کفار ہیں ان علماء کے فتاوی حسام الحرمین میں مذکور ہیں وہ فرماتے ہیں۔ من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر۔ ایسی کمیٹی جس میں وہابیہ کی مداخلت ہو

---

[1] ردالمحتار ج ۱ ص ۴۸۸ مطلب فی افضل المساجد ۱۲ مصباحی

بلکہ وہابی کو اس نے اپنا سرغنہ بنا رکھا ہو ہرگز قابل اعتبار نہیں نہ جامع مسجد سے اس کمیٹی کو کوئی تعلق شرعًا ہوسکتا ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ انتظام مسجد اس کمیٹی کے ہاتھ سے علیحدہ کرلیں اور سنی متدین کارگزار ارکین مقرر کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی کہ دریں دیار چاٹگام مسجدے قریب از مدت دوصد وشصت وپنج سال بنام جامع مسجد است۔ دراطراف صحن آں مسجد دیوارے سنگے است۔ گاہ گاہ چوں مصلیاں در مسجد نگنجند در صحن دہم صف کنند۔ چند سال شد کسے از حامیاں دین اسلام از تائید مسلمانان نصف صحن را از فرش، سنگین وسقف پختہ شامل مسجد ساختہ اند۔ ومصلیاں بآسانی نماز میگزارند در جانب یمین صحن ہست نل آب جاری جہت وضو مصلیاں بود، اما بحساب مصلیاں آں نل جاری بسیار قلیل بود۔ لہذا مصلیاں بتکالیف گوناگوں بل از جماعت ہم محروم ماندندے۔ پس برائے دور کردن آں تکالیف بعض خادمان اسلام در جانب جنوب آں صحن حوضے کلاں کہ در یک وقت سی وپنج کس وضو تواند کرد۔ ساختہ اند۔ بوقت کندیدن درتہ آں قدرے خاک ممیز از جنس خاک یافتہ شد۔ بعضے گفتند استخواں رمیمہ است۔ بعض گفتندے وچنیں شخصے در شہر چاٹگام یافتہ نشد کہ درانیجا نشان قبر دید ونیز اندرون دیوار صحن قبر شدن ممکن ہم نیست۔ زیراکہ بروں صحن بسیار قبر پختہ موجود است۔ تاہم آں خاک بجائے دیگر در زیر خاک نہادہ شد۔ ہمہ مسلمانان متفق شدہ تعمیر حوض کنانیدند ومصلیاں بسہولت تمام وضو نماز می گزارند۔ اکنوں بعض کساں بخیال آنکہ چوں آں نلہا مسدود شد ثواب ہم منقطع شد۔ وحوض دہندہ جمیع ثوابہا میگرند۔ برحوض دہندہ حسد کردہ می گویند کہ دریں حوض وضو کردن درست نباشد۔ بدو وجہ اول اینکہ آں قبرستان واقع شدہ۔ دوم اینکہ دہندہ برائے نام وریا دادہ است۔ پس بے نشان ونمونہ قبر عدم ثبوت قبر بشہادت شاہداں بر چنیں خاک مثل استخواں رمیمہ دیدہ آنجارا قبرستان شمردن لازم باشد یانہ۔ برتقدیر اول درانجا حوضے وخانہ ومسجد وغیرہ ساختن درست باشد یانہ۔ برتقدیر ثانی آنجارا صحن مسجد ساختن یا نصف صحن را داخل مسجد کردن جائز است۔ یانہ وبرکسیکہ چنیں کار عظیم برائے تائید دین کردہ است وطعن تشنیع کردن وبحقارت نظر کردن۔ بحسب شریعت محمدیہ چہ حکم دارد؟ بینوا توجروا

الجواب: بمجرد ایں چنیں خاک درتہ آں حوض یافتن ثبوت قبر نمی شود خصوصًا درآنحالیکہ بیندگاں

راہم یقین نیست کہ ایں خاک استخوان مردہ است واز شک حکمے ثابت نمی گردد برائے ثبوت قبرستان ایں چنیں شک کافی نیست بلکہ ضرور ہست کہ ساکنان موضع گواہی دہند کہ ایں قبرستان ست مردہا را در ینجا دفن کردہ بودند من دیدہ ام یا لااقل قبرستان بودن معروف و مشہور است اگرچہ نشان قبر فی الحال موجود نیست پس تا وقتیکہ ثابت نشود قبرستان چگونہ قرار می دہند لہٰذا اگر حوض خارج مسجد تعمیر کردہ شدہ است باکے ندارد ریا فعل قلب است ایشاں بہ نیت وارادہ اش چگونہ مطلع شدند کہ بانی حوض بطور ریا تعمیر کرد۔ وگمان بدبسوئے مسلم حرام۔ قال اللہ تعالٰی۔ یا ایہا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم[1] واگر فرض کردہ شود کہ بقصد ریا بنا کردہ نہ خالصًا لوجہ اللہ پس از ثواب محروم خواہد گشت اما وضو درآں نادرست گفتن غلط است۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از اجمیر شریف مسئولہ محمد بشارت علی ۲۰ ربیع الآخر ۴۴ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی آمدنی دوسرے کسی کام میں صرف کی جاسکتی ہے بجز اس کے اصراف کے؟

(۲) مسجد کی بے ادبی اور بے حرمتی کرنا کہاں تک درست ہے؟

(۳) مسجد خانہ خدا کو دانستہ ویران کرنا کہاں تک درست ہے؟

(۴) جو منتظمان مسجد ایسا کرتے ہیں انکے لئے شرع شریف میں کیا سزا مقرر ہے؟

الجواب (۱) ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف نہیں کیجاسکتی ردالمحتار میں ہے۔

لایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اٰخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وھو الفتوی حاوی القدسی۔[2] واللہ تعالٰی اعلم

(۲) یہ لفظ بہت عام ہے بعض حرام بعض مکروہ بعض خلاف اولٰی۔ کسی خاص امر کی نسبت سوال ہو تو جواب دیا جائے اور ادب یہاں تک کیا جائے کہ مسجد کا کوڑا بھی ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں نجاست یا گندگی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) مسجد کو ویران کرنا یعنی منہدم کردینا جبکہ بقصد تعمیر نہ ہو اور بلاوجہ ہو تو حرام ہے قال اللہ تعالٰی

---

[1] پ ۲۶ ع ۱۴ سورہ حجرات۔ [2] ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۶ ۱۲ مصباحی

من اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا[1]۔ اور اگر ویران کرنے سے یہ معنیٰ ہیں کہ اس پاس والے نماز پڑھنے نہیں جاتے کہ نمازیوں سے مسجد آباد ہوتی تو بُرا کرتے ہیں اور ترک جماعت کرتے ہیں تو بھی گنہگار ہیں حدیث میں ہے لاصلٰوۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) حکم اوپر مذکور ہوچکا اور سزا کا بیان جرم کی نوعیت معلوم ہونے پر موقوف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ از جے پور گھاٹ دروازہ پوسٹ ۱۰ مرسلہ فیاض الدین ۲۶ رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جسمیں قدیم سے حنفی نماز پڑھتے آئے ہیں اب محض جاہل مسلمان نجدی وہابیوں کے گمراہ کرنے سے بعض لوگوں نے مذہب حنفی ترک کردیا ہے اور وہ ناخواندہ مسلمانوں کو بہکا رہے ہیں اور اس طرح مسلمانوں میں فتنہ پھیلا رہے ہیں ایسی صورت میں جبکہ قوی اندیشہ ہو کہ وہ جاہل مسلمان گمراہ ہوجائیں گے اور عملاً ہو بھی گیا۔ کیا نجدی وہابیوں کو جو سخت غیر مقلد ہیں اور مقلدین کو گمراہ وکافر بناتے ہیں مسجد میں سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیشک غیر مقلد وہابی کو مسجد سے روکا جائیگا اور انکے مساجد میں داخل ہونے سے طرح طرح کے فتنے ہوں گے اور انسداد فتنہ واجب، حدیث صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم تم اپنے کو ان سے دور رکھو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں اور بیشک یہ لوگ حنفی سنی مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں لہٰذا مسجد میں نہ آنے دیا جاوے نیز حدیث میں ہے لاتصلوا معھم ولاتصلوا علیھم تم ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو انکے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، جب ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو ہم اپنی مسجدوں میں انھیں کیوں آنے دیں نیز ان کے آنے سے مسلمانوں کو تشویش ہوتی اور ان کا مسجدوں میں وجود قاطع خشوع ہے اور ایسی چیز جس سے تشویش پیدا ہو مسجد سے روکی جاتے۔ نیز یہ لوگ ائمہ کرام مجتہدین عظام کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں ان کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو ایذا ہوتی

---

[1] پ رکوع ۱۴ بقرہ۔ مصباحی

ہے اور موذی کو مسجد سے دفع کرنے کا حکم ہے یہاں تک کہ خام لہسن و پیاز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے اور اس کی علت حدیث میں یہ فرمائی فان الملٰئکۃ تتاذیٰ مما یتاذی منہ الانس - اسی واسطے درمختار میں فرمایا واکل نحو ثوم ویمنع منہ وکذا کل موذ ولو بلسانہ[1]

ردالمحتار میں عینی شرح صحیح بخاری سے ہے - والحق بالحدیث کل من اٰذی الناس بلسانہ[2] وبہ افتیٰ ابن عمر وھو الاصل فی نفی کل من یتاذیٰ بہ[3] جب مطلقاً موذی کو مسجد سے روکنے کا حکم ہے تو وہ شخص جس سے عقائد خراب ہوتے اور گمراہ ہونے کا خوف ہو بدرجہ اولیٰ دفع کیا جاوے گا کہ اس سے زیادہ کیا چیز سبب ایذا ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ تیل کی بھری دری پر جسمیں تیل کی چکناہٹ سے بو ہو گئی نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:- مسجد میں مٹی کا تیل جلانا ممنوع ہے کہ اسکی بو سے ملئکہ کو ایذا ہوتی ہے درمختار میں ہے اکل نحو ثوم ویمنع منہ وکذا اکل موذ۔ عینی شرح صحیح البخاری پھر ردالمحتار میں ہے یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا اوغیرہ[4] تیل کی بھری دری پر نماز ہو جائے گی مگر چراغ جلانے میں احتیاط کیجائے کہ مسجد کا فرش یا جانماز آلودہ نہ ہو اور ہو جائے تو اسے صاف کرلیا کریں اسکی نوبت ہی کیوں آئے کہ اسمیں بو پیدا ہو کر باعث ایذا ہو۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) از بڑودہ مرسلہ محمد عثمان عیش ۲۰ ذی الحجہ ۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مرقومۃ الذیل مسائل میں۔ اگر کوئی شخص بڑی رقم یا مکان وغیرہ یا چند لوگ چندہ کرکے ایک معقول رقم مسجد میں اس غرض سے دیں کہ اس رقم سے ختم تراویح

---

[1] درالمختار ج ۱ ص ۴۸۹ مطلب فی الغرس فی المسجد [2] ردالمحتار ج ۱ ص ۴۸۹، [3] ردالمحتار ج ۱ ص ۴۸۹ مطلب فی الغرس فی المسجد مصطفائی

کے موقع پر اور ربیع الاوّل میں بعد وعظ شیرینی تقسیم کیجاوے اور واعظ صاحب کو اور تراویح خواں حافظ صاحب کو کچھ رقم اسمیں سے دیجائے اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب اور شب عیدین وغیرہ مبارک راتوں میں خوب روشنی کیجائے تو شرعاً یہ امور مذکورہ رقم سے کرنا درست ہیں یا نہیں ؟

مسئلہ (۲) ایک شخص نے ایک مکان و زمین وغیرہ مسجد کیلئے وقف کردی اور کچھ شرط نہیں کی کہ اسکا نفع مسجد کے کس کام میں صرف کیا جاوے لیکن اسکو معلوم ہے کہ مسجد کی آمدنی وقف مذکورہ بالا امور میں بھی صرف ہوتی ہے اور اسکے مکان و زمین موقوفہ وغیرہ کی آمدنی بھی مذکورہ بالا امور میں صرف کرنے سے وہ ناخوش بھی نہیں۔ بلکہ خوش ہے پس اس شخص کو اس مکان و زمین موقوفہ بلاشرط کی آمدنی مذکورہ بالا امور میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں ؟

مسئلہ (۳) مسجد کی املاک موقوفہ بلاشرط کی آمدنی اسقدر ہو کہ مسجد کے اخراجات کے علاوہ اس آمدنی کو مذکورہ بالا امور میں صرف کرنیکے بعد بھی سو دو سو روپیہ کی سالانہ بچت ہے پھر ایسی آمدنی کو مذکورہ بالا امور میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں ؟

مسئلہ (۴) اگر مسجد کی املاک موقوفہ بلاشرط آمدنی اتنی کم ہے کہ جو اخراجات مسجد کیلئے کافی نہیں یا اخراجات مسجد کیلئے تو کافی ہے مگر مذکورہ بالا امور میں اس آمدنی کو صرف کریں تو کچھ رقم نہیں بچتی یا دس بیس روپیہ کی قلیل رقم بچتی ہے تو ان مذکورہ صورتوں میں اس مسجد کی آمدنی وقف بلاشرط کو مرقومہ بالا امور میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

مسئلہ (۵) اگر مسجد کی املاک موقوفہ بلاشرط کی آمدنی اسکے اخراجات سے دو گنی چوگنی ہے اور اس کی املاک موقوفہ موجودہ کو دیکھتے ہوئے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس آمدنی کو کچھ نقصان پہنچے گا پس اس آمدنی کی کچھ رقم مدارس اسلامیہ میں دینا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب (۱) یہ امور مذکورہ جائز ہیں واعظ یا حافظ کی خدمت ایک پسندیدہ امر ہے یونہی بعد ختم تراویح یا بعد میلاد شریف شیرینی کا تقسیم کرنا بھی جائز، مبارک راتوں میں جہاں کثرتِ روشنی کا رواج ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں کہ اس سے مقصود اظہار شوکت اسلام ہے۔ اور عوام کے

ذہنوں میں ان راتوں کی عظمت کا متمکن کرنا جس طرح حرمین طیبین کی دونوں مسجدوں میں بکثرت روشنی ہوتی ہے اور فقہاء بھی اسے جائز بتاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر کہیں دوسری جگہ بھی عادت ہوجائے تو جواز کا حکم ہوگا، یوں ہی اگر دینے والا رات بھر مسجد میں چراغ جلانے کیلئے رقم دے تو رات بھر جلائینگے وقت ضرورت تک ہی نہ رکھینگے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولایجوز ان یترک فیہ کل اللیل الافی موضع جرت العادۃ فیہ بذلک کمسجد بیت المقدس ومسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والمسجد الحرام اوشرط الواقف ترکہ فیہ کل اللیل کماجرت العادۃ بہ فی زماننا کذا فی البحرالرائق[1]۔ جن لوگوں نے رقوم یامکان وغیرہ اسلئے دیئے کہ امور مذکورہ میں صرف ہوں تو انکی رائے کے موافق صرف کریں انکے علاوہ دوسرے امور میں وہ رقم صرف نہیں کیجاسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲ تا ۵) اگر واقف نے وقت وقف اسکے مصارف کی تعیین کردی ہے تو آمدنی کو اس شرط کے موافق خرچ کریں۔ لان شرط الواقف کنص الشارع اور اگر شرط واقف کا علم نہ ہو یا اس نے شرط کی ہی نہیں تو آمدنی جو کچھ ہو اسے عمارت مسجد پر صرف کریں اور بعد عمارت جو کچھ بچے حسب ضرورت تنخواہ امام ومؤذن اور چراغ بتی فرش وفروش ودیگر ضروریات مسجد میں خرچ کریں جو جائداد کہ مسجد پر وقف ہے اسکی آمدنی سے نہ واعظ کو دیا جاسکتا ہے نہ میلاد شریف یا ختم تراویح کی شیرینی اس سے تقسیم کی جاسکتی، اور نہ ضرورت سے زیادہ اس سے روشنی کی جاسکتی ہے۔ درمختار میں ہے ویبدأ من غلتہ بعمارتہ ثم ماھواقرب بعمارتہ کامام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم ثم السراج والبساط کذلک الی اٰخر المصالح وتمامہ فی البحروان لم یشترط الوقف لثبوتہ اقتضاء[2]۔ یونہی مسجد کی جائداد موقوفہ کی آمدنی کو مدارس میں بھی صرف نہیں کرسکتے درمختار میں ہے۔ اتحد الواقف والجھۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ بسبب خراب وقف احدھما جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاخرعلیہ لانھماحینئذ کشئ واحد وان اختلف احدھما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجد اومدرسۃ

---

[1] عالمگیری ج ۲ ص ۳۴۸۔ الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق بہ ۱۲ [2] درمختار ج ۳ ص ۳۱۳ مطلب فی حکم الوقف ۱۲ مصباحی

ووقف علیہما او قانا لا یجوز لہ ذلک[1] واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسجد بنوائی نمازی جو اس مسجد میں آئے ان میں سے بعض کو دو ایک مرتبہ بوجہ ذاتی مخالفت کے مسجد میں آنے سے روکدیا عمرو کا خیال ہے کہ چونکہ زید نے مسجد میں آنے سے لوگوں کو روکا۔ لہذا اسکا یہ فعل مسجد کو اپنی ملک ہونا ثابت کرتا ہے۔ لہذا یہ مسجد مسجد ہی نہیں رہی۔ شرع شریف کا اس میں کیا حکم ہے۔

مسئلہ (۲) اگر کسی مسجد کے قریب بھی دوسری مسجد کسی شخص نے بنوائی۔ وہ مسجد مسجد بھی جائیگی یا نہیں؟

الجواب (۱): جب اس مسجد کا مسجد ہونا ثابت ہوگیا تو اب اگرچہ بنانے والا چاہے بھی کہ میں اپنی ملک قرار دیدوں تو نہیں کرسکتا۔ قال اللہ تعالٰی ان المسٰجد للہ اور نہ اسے نمازیوں کو بلا وجہ شرعی مسجد میں آنے سے منع کرنیکا کوئی حق ہے وہ اور دیگر مسلمان اس میں نماز پڑھنے کا یکساں حق رکھتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب (۲): مسجد کے قریب جو مسجد ہے وہ بھی مسجد ہے بلا وجہ اسے مسجد کے حکم سے کیونکر خارج کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از پالی مارواڑ ٹھکانہ بوسی کی گلی مرسلہ جناب عبدالرحمٰن ولد اللہ رکھا چھیپا ۴ شعبان ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں تیل گھاسلیٹ اسکی بدبو کسی عطر وغیرہ کی روح ڈالکر اڑاویں اور جلایا جاوے تو جائز ہے یا نہیں اور ایک ڈبہ بھر میں عطر کی روح کتنی ڈالی جائے اس کا اندازہ پورے طور سے لکھکر روانہ کریں؟

الجواب: مٹی کا تیل نجس نہیں بلکہ پاک ہے۔ اور بدبو کی وجہ سے اسکا مسجد میں جلانا ممنوع ہے۔ در مختار میں ہے۔ ویکرہ اکل نحو ثوم ویمنع منہ وکذا کل موذ رد المحتار میں ہے ای کبصل ونحوہ مما لہ رائحۃ کریھۃ للحدیث الصحیح ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا کان او غیرہ[2]

[1] در مختار ج ۲ ص ۴۰۸ مطلب فی ما لو خرب المسجد او غیرہ ۱۲ [2] رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۹ - ۱۲ مصباحی

جب اس کے جلانے کی ممانعت بدبو کی وجہ سے ہے تو اگر کسی چیز سے اسکی بو دور کردی جائے تو اب جلانے میں کوئی حرج نہیں۔ روغن سنترہ اسکی بو کو بالکل دور کردیتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ لوگ خود کرسکتے ہیں کہ کتنے میں اسکی بو جاتی رہے گی، اسکوڈالکر دیکھئے جب تیل کی بدبو نہ رہے۔ مسجد میں جلائیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ ازمقام جودھپور مارواڑ مسجد لوہاران مرسلہ جناب شیخ محمد حسین صاحب امام مسجد، ۲۶ محرم الحرام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی مشرک اخلاق کیساتھ کسیطرح کی نیت سے یعنی ایک ہندو ذات دھوبی مسجد میں آکر چراغوں میں تیل ڈالے، یا دے جاوے، واسطے روشنی کے تو وہ تیل مسجد میں جلانا کیسے جائز ہے یا نہیں، یہاں بعض لوگ فرماتے ہیں کہ تیل میں کیا حرج ہے کہ جسکے جلانے سے مسلمانوں کے ذمہ گناہ لازم آتا ہے، اور بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں اور گھن لاتے ہیں کہ دھوبی کا خود ہندو رذیل قوم چھینٹا لیتی اور اس سے پرہیز کرتے ہیں، لہذا بوجہ کراہیت وہ تیل باہر پھینک دیا گیا اور دوسرے روز اس کو تیل لانے سے روک دیا گیا، تو اس نے مایوس ہوکر کہا کہ تمکو خدا سمجھے جب اس بات کا چرچہ ہوا۔ تو آپکو لکھا گیا۔ شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیے۔

الجواب:۔ کافر اگر مسجد میں تیل جلانے کیلئے دیتا ہے تو یہ تیل مسجد میں جلایا جاسکتا ہے۔ اسکی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو قال (ای الذمی) یسرج بہ بیت المقدس اویجعل فی مرمۃ بیت المقدس جاز۔ دھوبی اگرچہ ہندوں میں رذیل قوم ہے۔ مگر اسکے تیل میں کیا نقصان ہے جسکی وجہ سے ممانعت کی جاتی ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین نقشہ بالا جو معہ مسجد نقشہ[علہ] حوض ہے، الف تک تمام حوض کھلا ہوا تھا، اسیطور پانچ یا کم زیادہ برس تک رہا، بعد میں بچہ یا نابینا وغیرہ کے گرنے کے خوف سے تمام حوض پر فرش بچھا گیا، اور وضو کرنیکی جگہ کھلی رکھی، اور اب ہمیشہ بیس[۲۰] پچیس برس سے اس پر ہمیشہ نماز پڑھی جاتی ہے آیا۔

علہ طوالت کے خوف سے نقشہ حذف کردیا گیا ہے۔ ۱۲

ع۱ صحن مسجد میں حوض بنانا کیسا ہے ؟

ع۲ صحن مسجد میں قبر بنانا کیسا ہے ؟

ع۳ صحن مسجد میں بنایا گیا تو یہ حوض خارج مسجد ہوگا یا داخل مسجد اور اس میں وضو وغیرہ کا کیا حکم ہے ؟

ع۴ صحن مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے، مکروہ ہے یا نہیں ؟

ع۵ صحن مسجد میں حالت جنابت والا اور حیض والی کا جانا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز ؟

ع۶ صحن مسجد داخل مسجد ہے یا فنائے مسجد ہے۔ اور فنائے مسجد میں حالت جنابت والے کا جانا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ ؟

ع۷ جو حوض مسجد کی بناء کے وقت مسجد کے ساتھ بنایا گیا ہو وہ حوض خارج مسجد ہوگا یا داخل مسجد کا حکم رکھے گا ؟

ع۸ جو حوض کے فنائے مسجد میں بنایا گیا وہ حکم میں داخل مسجد کے ہوگا یا کیسا اور فنائے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب (۱) :۔ صحن مسجد یعنی مسجد کا وہ حصہ جسمیں عمارت نہیں ہے، جسے مسجد صیفی کہتے ہیں یہ مسجد ہی ہے، اور اس حصہ میں بعد تمام مسجدیت حوض نہیں بنایا جاسکتا، اور اگر مسجد بناتے وقت قبل تمام مسجدیت حوض بنائیں تو بنا سکتے ہیں، کہ ابھی تک وہ جگہ مسجد نہیں ہے، یوہیں اگر صحن مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو فرش مسجد کے بعد جوتے وغیرہ اوتارنے کیلئے ہے، یا بیکار پڑی ہے اور اس غرض سے ہے کہ اگر کبھی مسجد بڑھانے کی ضرورت ہو یا غسل خانہ وغیرہ ضروریات مسجد کیلئے کام میں لائی جائیگی، تو اس میں بھی حوض بنا سکتے ہیں کہ یہ بھی حقیقتاً مسجد نہیں ہے بلکہ وہ ایسی ہی اغراض کیلئے ہے، درمختار[ع۱] میں ہے

لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) قبر بنانا جائز نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ع۱ درمختار ج ۳ ص ۴۰۶ مطلب فی احکام المسجد ۱۲ مصباحی

الجواب (۳) :۔ جواب سوال اوّل سے اسکا جواب معلوم کیجئے۔ اگر اندرون مسجد بعد تمام مسجدیت حوض بنایا گیا تو یہ بنانا ناجائز اور اس میں وضو ناجائز بلکہ اسے پاٹ دینا ضرور۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴) :۔ صحن مسجد کا اطلاق کبھی مسجد کے اس حصہ پر ہوتا ہے جو مسقف نہیں، جس کو عرف فقہاء میں مسجد صیفی کہتے ہیں، اور کبھی اس جگہ پر ہوتا ہے جو ملحق مسجد ضروریات و مصالح مسجد کیلئے ہے اوّل میں نماز جنازہ مکروہ ہے، دوسری میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۵) :۔ صحن مسجد بمعنی اول میں ناجائز اور بمعنی ثانی میں جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۶) :۔ جواب سوال ۲ سے اسکا بھی جواب واضح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۷) :۔ یہ حوض کہ بنائے مسجد کے وقت قبل تمام مسجدیت بنایا گیا۔ خارج مسجد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۸) :۔ وہ خارج مسجد ہے۔ اور اس میں نماز جنازہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از بانسی مارواڑ مرسلہ جناب امیر احمد مدرس مدرسہ اسلامیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بانسی کی بڑی مسجد کا بسوئے شرق ایک شمالی گوشہ اس قسم کا واقع ہے کہ ایک جانب سے تو فنائے مسجد اور اسکے مابین کچھ حائل نہیں اور ایک سمت سے دالان مسجد اور اسکے مابین کچھ حائل نہیں بلکہ ایک عرصہ سے تو دونوں جانب سے منضم و مدغم رہا اور مربع رہا، یعنی تین چار گز کا طول اور اسیقدر عرض کا البتہ اس گوشہ کا فرش دالانِ مسجد سے ملتا ہموار رہا، اور فنائے مسجد کا فرش اسکی نسبت کسی قدر ناہموار رہا، اب اس گوشہ اور فنائے مسجد کے مابین عدم حیلولت کے باوجود قدیم سے عرصہ تک اس میں سامان کا رہنا پھر سامان ہی کیلئے اسی کا حجرہ بنایا جانا، اور حجرہ بننے پر اسکا دروازہ فنائے مسجد میں رکھا جانا، یہ ایسے امور ہیں کہ اسکے فنائے مسجد میں داخل ہونے پر دال ہیں، اسمیں ایک عرصہ تک تو سامان مسجد پڑا رہا، اور جوتے بھی رکھے گئے، اور بچی ہوئی جگہ پر تنگی کے وقت پر نماز بھی پڑھی گئی، اور اسکی چھت پر بھی نماز پڑھی جا چکی ہے، اس گوشہ کا نقشہ قدیمہ نمبرا[۱] ملاحظہ فرمائیں؟ ایک عرصہ کے بعد وہی گوشہ دالانِ مسجد میں دیوار حائل کرتے ہوئے مسجد میں اسکا دروازہ قرار دیتے ہوئے

---

[۱] طوالت کے خوف سے نقشہ حذف کر دیا گیا ہے ۱۲

سامان مسجد کیلئے ایک مختصر سا حجرہ بنادیا گیا، نقشہ حجرہ نمبر ۲ دو ملاحظہ فرمائیں ؟ اب جدید تعمیر کے موقع پر اسی حجرہ کو دوکان مسجد میں داخل کرتے ہوئے اسکی چھت پر ایک کمرہ اس غرض سے بنانا چاہتے ہیں کہ مصلیین میں سے جو اشخاص تالیین قرآن ہوں وہ اسمیں بیٹھکر تلاوت قرآن کیا کریں یا تسبیح خواں وہاں بیٹھکر اپنا درود وظیفہ پڑھا کریں، یا کوئی نووارد مولوی آجائیں تو اس میں ٹھہرا کریں یا اہل بانسی کے پیر و مرشد تشریف لائیں تو اسمیں قیام فرمادیں ؟ الغرض ان اغراض کیوجہ سے بایں صورت مسئولہ کمرہ بنانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

الجواب :۔ اگر وہ گوشہ داخل مسجد نہ ہو تو ضرورت مسجد کیلئے اوسے دوکان بنانا جائز ہے۔ ورنہ نہیں، بظاہر کوئی ایسی وجہ نہیں معلوم ہوتی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ وہ خارج مسجد ہے۔ بلکہ اس گوشہ کا دالان مسجد سے بلاحائل متصل ہونا اور اسکی زمین ہموار ہونا اور مسجد سے اوس کا کچھ امتیاز نہ ہونا، بظاہر اسکی دلیل ہے۔ کہ وہ جزء مسجد ہے، ہاں اگر اگلے لوگوں کی زبانی یہ ثابت ہو کہ یہ خارج مسجد ہے یا جن لوگوں نے وہ حجرہ سامان مسجد کیلئے بنایا اونکو یہ تحقیق تھی کہ یہ مسجد کا جزء نہیں ہے تو دوکان بنانا بھی جائز، اور اسکے اوپر مسافر علماء و مشائخ کے ٹھہرنے کی جگہ بنانا بھی جائز ہے، غرض تحقیق سے جو ثابت ہو اسکے موافق کیا جائے، اور ثابت نہ ہوسکے تو احتیاط اسمیں ہے کہ نہ بنائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از کشنگڈھ ریاست راجپوتانہ محلہ دیوالیاں مرسلہ جناب شاہ میر خاں واسمٰعیل خاں صاحب

۲۸ رجب ۱۳۴۷ھ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ ایک شخص جو مسلم ہے وہ محلہ کی مسجد میں قیام کرتا ہے باوجودیکہ اس کے چند مکان ذاتی ملکیت کے ہیں مسجد کے صحن میں غسل کرتا ہے اور مسجد پر اپنی وراثت قائم کرکے اہل محلہ کو مسجد میں آنے سے منع کرتا ہے۔ اور اپنے مکان سے جو اس مسجد سے ملحق ہے، اور مسجد کی دیوار سے ملا ہوا ہے، ایک راستہ مسجد کے اندر نکالنا چاہتا ہے۔ اور مسجد کو بطور مکان کے برت رہا ہے، اور خود ایسے کام مسجد میں کرتا ہے، جو آداب مسجد کے خلاف ہیں، اور دوسروں کو نصیحت کرتا ہے کہ تم یہ کام مسجد میں نہ کرو، پس ایسے شخص کیلئے شرعاً کیا حکم ہے ؟ اور مسجد پر کیا ملکیت قائم ہوسکتی ہے ؟ اور اہل محلہ کو اسکے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھنا لازم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مسجدیں عبادت کیلئے ہیں، اپنے بسنے کیلئے مسجد نہیں بنائی جاتی نہ اس کام میں لائی جاسکتی ہے، صحن مسجد میں غسل کرنا ممنوع[له] ہے کہ غسل کا پانی یا ناپاک ہوگا یا کم از کم قذر[عه] اور ایسے پانی کو مسجد میں گرانا منع ہے۔ اور احترام مسجد کے خلاف ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے۔ وتکرہ المضمضۃ والوضو فی المسجد۔ مسجد نہ کسی کی ملک ہے نہ اسمیں وراثت جاری ہوسکتی ہے کہ جبتک وقف نہ ہو مسجد نہیں اور جب وقف ہوئی ملک انسان سے خارج ہوگئی۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور الوقف لایملک۔ کتب فقہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور نمازیوں کو مسجد سے روکنا اور آنے نہ دینا سخت حرام اور ظلم شدید ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا۔ اور مسجد کی دیوار میں تصرف کرنا، اس میں اپنے مکان کا دروازہ بنانا حرام ہے۔ کہ مسجد کی کسی شئی میں اپنا ذاتی تصرف نہیں کرسکتا۔ اگر واقعات یہی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو ایسے شخص کو مسجد کی ولایت سے جدا کردینا واجب ہے درمختار میں ہے۔ وینزع عنہ وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولی لوغیر مامون۔ اہل محلہ پر لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو مسجد کو ایسے شخص کے تصرف سے نکالیں۔ اور وہ متولی ہو تو اسے معزول کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از موضع شجاع نگر ضلع سلہٹ۔۔۔ مرسلہ جناب حامد علی صاحب ۲۸ رجب ۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس صورت میں کہ (۱) موضع شجاع نگر پرگنہ بترپا ضلع سلہٹ میں تقریباً ایکسو گھر کی آبادی ہے ستر سال سے زیادہ ہوئے کہ ایک عورت نے ایک قطعہ زمین میں مسجد بنانے کیلئے زبانی وقف کی، مسجد تو بنائی گئی مگر اسکے متعلق کوئی حوض یا تالاب نہ ہونے کیوجہ سے وضو وغیرہ میں سخت تکلیف ہے (۲) مسجد اکثر لوگوں کے مکانات سے دور ہے راستہ کٹھن ہے کیچڑ پانی میں راہ چلنی دشوار ہے خصوصاً برسات کے زمانے میں بغیر کشتی کے نماز کو پہنچنا مشکل اور جنکے پاس کشتی نہیں انکا پہنچنا تو بالکل ناممکن کیونکہ راستہ پانی میں ڈوب جاتا ہے۔

(۳) مسجد کے قریب آٹھ مکان والے بلاوجہ شرعی حاجی حامد علی صاحب کیساتھ سخت عداوت رکھتے ہیں

[له] وحرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ یحرم فیہ (ای فی المسجد) الوضوء إذ فیہا اعدلذالک۔ [عه] میل کچیل ۱۲ مصباحی

یہاں تک کہ عشاء اور مغرب کی نماز کیلئے آنے جانے میں اور جمعہ کے روز نماز پڑھنے میں حاجی صاحب کی جان کا خطرہ ہے، اسلئے کہ وہ لوگ ہر وقت حاجی صاحب کی عزت و جان کے درپے ہیں۔ مسجد کے صحن میں بیٹھکر روزانہ مشورہ کرتے ہیں کہ غریبوں کو کس طرح ستایا جائے۔

(۵) مسجد کے پاس وضو کیلئے دوسرے مسلمان تالاب بنانا چاہتے ہیں، تو واقف کی اولاد مسجد کے قریب زمین نہیں دیتی (۶) مسجد میں ان مفسد لوگوں کی بدولت سال میں ایک دو بار گالی گلوج ہوتی ہی رہتی ہے اور مسجد کا احترام مدنظر نہیں رکھا جاتا، ان سب باتوں کو دیکھکر حاجی حامد علی صاحب نے اپنا ایک مکان جو اس مسجد کے قریب پانسو قدم کے فاصلہ پر ہے وقف کر کے مسجد بنائی ہے، وقف نامہ حکومت میں رجسٹری ہو گیا ہے اور مسجد کے پاس ہی ایک بہت بڑے تالاب کی ایک سمت بھی وقف کر دی ہے تاکہ وضو وغیرہ میں آسانی رہے، ان حالتوں پر غور کرتے ہوئے سوال یہ ہے کہ۔

ع۱ اس نئی مسجد کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

ع۲ شرعاً نئی مسجد کا وقف جائز ہے یا نہیں؟

ع۳ نئی مسجد میں جمعہ کی نماز بھی شروع کر دی ہے لہٰذا ایسی بستی میں دو مسجدوں میں جمعہ و عیدین جائز ہے یا نہیں؟

ع۴ نیز اوّل الذکر مسجد میں کسی تقریب میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے وقت لوگ ہجوم کرتے شیرینی لوٹتے شور و غوغا مچاتے اور آپس میں جھگڑا فساد کرتے ہوئے فحش اور بیہودہ گالیاں بکتے ہیں، یہ آداب مسجد کے خلاف ہیں یا نہیں شرع شریف کا اسکے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب ع۱ جبکہ مسجد اوّل تک پہنچنے میں نمازیوں کو دقت ہے کہ پانی کیوجہ سے وہاں جا نہیں سکتے خصوصاً بعض لوگوں کا وہاں جانے میں عزت و آبرو بلکہ جان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں دوسری مسجد بنانے میں اصلاً حرج نہیں بلکہ بنانے والا اس ثواب کا مستحق ہو سکتا ہے جو احادیث میں ارشاد ہوا مثلاً جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ من بنیٰ للہ مسجدا او لو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ نئی مسجد بنانا اس وقت ناجائز و ممنوع ہے کہ بنانے والا

محض اسلئے بنائے کہ پہلی مسجد کو نقصان پہونچائے اور اسکی جماعت کو درہم برہم کردے[1] اور اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ اپنے کو ضرر سے بچانے کیلئے مسجد بناتا ہے اور محض اللہ کیلئے بناتا ہے تو یہ مسجد مسجد ضرار نہیں اور سوال سے ظاہر یہی ہے کہ یہ صورت مسجد ضرار کی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۲ جبتک وقف نہ ہو مسجد نہیں ہو سکتی۔ مسجد ہونے کیلئے وقف کرنا شرط ہے۔ اگرچہ یہی لفظ کہے کہ میں نے اسے مسجد کردیا کہ اس سے بھی وقف ہوجائے گا کہ جبتک اسکی ملک سے جدا نہ ہوگی اللہ کیلئے نہ ہوگی۔ اور جب تک اللہ کیلئے نہ ہو مسجد نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ۔ مسجدیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ درمختار میں ہے ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجداً عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوٰۃ فیہ بجماعۃ وقیل یکفی واحد وجعلہ فی الخانیۃ ظاہر الروایۃ[2] فتاوی عالمگیری میں ہے۔ من بنی مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویاذن بالصلوٰۃ فیہ اما الافراز فلانہ لایخلص للہ تعالیٰ الا بہ کذا فی الہدایہ[3] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۳ اگر وہاں جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو نئی مسجد میں بھی جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ کہ مصر واحد میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے۔ اگرچہ بلاضرورت جمعہ کی نماز متعدد مقام پر پڑھنا اچھا نہیں کہ وہ شوکت اسلام جو اجتماع میں ظاہر ہوتی ہے تفرقہ سے جاتی رہتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۴ مسجد میں لوٹ مار کرنا یا شور وغل مچانا ناجائز ہے۔ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور مسجد کا ادب جاتا رہتا ہے حدیث میں ہے یاتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ۔[4] ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ لوگ دنیا کی باتیں مسجد میں کرینگے ان کے ساتھ تم مت بیٹھو کہ اللہ کو انکی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے ایاکم وھیشات الاسواق،

[1] ارشاد ہے۔ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین (پ ۱۱ ر ۲) اور وہ جنھوں نے مسجد بنائی نقصان پہونچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو [2] ردالمحتار میں ہے وعلیہ المتون کالکنز والملتقی وغیرھما۔ ج ۳ ص ۴۰۵ مطلب فی احکام المسجد۔ [3] عالمگیری ج ۲ ص ۳۴۷ الباب الحادی عشر۔ [4] رواہ البیہقی عن الحسن مرسلا مشکوٰۃ باب المساجد ف ۱ مصباحی

مسجد میں بازاروں کی طرح شور وغل کرنے سے بچو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد نے ایک چبوترہ بنوایا، جسمیں عام لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، لیکن جسکو چاہتا تھا یعنی جس شخص سے کچھ رنجش ہوجاتی تھی اس کو منع بھی کردیتا تھا، چند دنوں کے بعد چبوترے کو ایک عمارت بصورت مسجد بنوادی لیکن یہ طرز عمل ہمیشہ رہا کہ جسکو چاہا اس مقام پر نماز نہیں پڑھنے دیتا تھا۔ عمرو کا خیال ہے کہ مسجد ہونیکیلئے یہ ضروری ہے کہ جس عمارت کو مسجد کرنا چاہتے ہیں اسکی زمین وعمارت وقف کردی جائے کسی کی ملک نہ رہے، اور مقام مذکور کیلئے مالک عمارت کی کوئی تقریر یا تحریر ہو یہ بات اصلاً ثابت نہیں کہ اس نے اس مقام کو وقف کردیا ہے بلکہ بخلاف اسکے اسکا اور اسکے ورثہ کا یہ طرز عمل کہ جسکو چاہتے ہیں وہاں آنے سے روک دیتے ہیں، اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے اس مقام کو ہمیشہ اپنی ملک میں رکھا اور وقف نہیں کیا۔ زید کہتا ہے کہ اس مقام کو بصورت مسجد بنوانا ہر مسلمان کو اسمیں نماز پڑھنے دینے کی اجازت دینا لوگوں کے لئے وضو وغیرہ کو پانی رکھوانا جو صریح اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مقام وقف کرکے ملک سے خارج کردیا، اور بعض لوگوں کا نماز سے روکنا یہ خالد اور اسکے ورثہ کی جہالت ہے، اس مسجد میں کبھی کوئی مؤذن مقرر نہیں کیا اور نہ یہاں کبھی جمعہ قائم ہوا تو دریافت طلب یہ ہیکہ اس مقام کو مسجد سمجھنا چاہیئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب :۔ بلاشبہ یہ مسجد ہے اسکے مسجد ہونے میں کوئی کلام نہیں خالد کا کسی کو وہاں سے بلاوجہ شرعی نکال دینا ظلم ہے، اوسکی اس زبردستی اور ظلم کیوجہ سے اوسکی مسجدیت باطل نہ ہوگی، نہ یہ اسکی دلیل ہے کہ یہ مسجد نہیں، جب خالد نے وہ عمارت مسجد کا ہیئت پر بنائی اور اس میں نماز کا اذن دے دیا، اور باجماعت اسمیں نماز ادا کیگئی، تو مسجد ہوگئی، آخر لوگوں کو نکالتے وقت اس نے یہ تو کہا بھی نہیں کہ یہ مسجد نہیں ہے میرا مکان ہے لہٰذا تمکو یہاں آنے کا کوئی حق نہیں، پھر اسکے فعل اخراج سے عدم مسجدیت کا کیوں کر حکم دیا جائیگا، جبکہ وہ نفی مسجدیت نہیں کرتا بلکہ اگر نفی کرے بھی اور یہ کہے کہ یہ میرا مکان ہے جب بھی نفی نہیں ہوسکتی، کہ مسجدیت دلیل شرعی سے ثابت ہوچکی پھر اسکو ابطال کا حق نہ رہا، درمختار میں ہے

ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجداً عند الثانی وشرط محمد

والامام الصلوٰۃ فیہ بجماعۃ ردالمحتار میں ہے قولہ بالفعل ای بالصلوٰۃ فیہ ففی شرح الملتقی انہ یصیر مسجدا بلاخلاف۔ بیشک مسجد کیلئے وقف ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس نے مسجد کی شکل عمارت بنوائی، اور لوگوں کو نماز کیلئے اجازت دی اور نماز جماعت پڑھ لی گئی لفظ وقف زبان سے کہنے یا وقف نامہ تحریر کرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ فاذا اذن بالصلوٰۃ فیہ قضی العرف بزوالہ عن ملکہ ومقتضی ھذا انہ لایحتاج الی قولہ وقفت ونحوہ و ھو کذلک۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عرف میں لوگ مسجد بنانا بولتے ہیں، اور یہ کہ بانی مسجد یہ کہے میں نے وقف کیا ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عرف اثبات مسجدیت کیلئے کافی ہے نیز اگر خالد نے وقف کا لفظ نہ استعمال کیا ہو تو اس کے یا اس کے ورثہ سے اس عمارت کے متعلق وہ لفظ مسجد بولنا سیکڑوں دفعہ ثابت ہوگا۔ مثلاً مسجد میں چلو مسجد میں چراغ جلادو مسجد میں لوٹے رکھدو وغیرہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ بکثرت ہوں گے، اور نہ بھی ہو جب بھی مسجد ہے کہ مسجد ہونے کیلئے فعل بھی کافی ہے قول کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد صحن میں پتھر نصب ہیں چونکہ پتھر زیادہ گرم رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر اسکے پتھروں کو نکلوا کر گٹی اور چونے کا فرش کرادیا جائے اور جس قیمت کے وہ پتھر ہوں اتنی قیمت اس فرش میں صرف کردیجائے تو وہ پتھر جو مسجد سے نکلیں وہ شخص اپنے کام میں لے سکتا ہے جبکہ اس سے زیادہ قیمت صرف کرکے اس شخص نے فرش درست کرادیا؟

الجواب:۔ اہل محلہ کی رائے سے پتھر نکلوا کر چونے وغیرہ کا فرش کراسکتے ہیں، اب کہ وہ فرش مسجد کی ضرورت کے نہ رہے انھیں مناسب قیمت پر فروخت کرسکتے ہیں۔ جب تک پتھر مسجد میں نصب ہیں اس وقت تک ان کی بیع نہیں ہوسکتی، جدا کرنے کے بعد بیع کیجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از پالی مارواڑ علاقہ جودھپور محلہ بوسی کی گلی مرسلہ جناب عبدالرحمٰن صاحب چھیپا، ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ ۱ مسجد کے فرش کا پتھر مکانوں میں لگانا کیسا ہے اور جس نے لگایا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ع۲ ایک دری مسجد کی وقف ہے اسمیں کوئی شخص کہے کہ یہ میری ہے۔ اس دری پر نماز پڑھنی کیسی ہے؟ اور وقف کرنیوالا کہتا ہے میری ہے۔

الجواب (۱) مسجد کا پتھر اگر مسجد کے کام کا نہ رہا۔ اور اہل محلہ کے مشورہ سے بیچ دیا گیا تو اوسکا خریدنا جائز، اور مکان میں لگانا بھی جائز، مگر اسکو بے احتیاطی کی جگہ مثلاً پاخانہ میں نہ لگائے اور اگر ویسے ہی کوئی اٹھا کرلے گیا اور اپنے مکان میں لگالیا تو ایسا کرنا حرام ہے، اور اسکے مکان سے نکلوا کر مسجد میں داخل کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کوئی یہ کہتا ہے کہ میری ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ مسجد کی نہیں، بلکہ یہ کہ میں نے مسجد کو دی ہے اور اگر بفرض یہی مطلب ہو کہ میری ملک ہے تو اسکے کہنے سے اسکی نہیں ہوگی نہ اوسکو مسجد سے لیجانا جائز ہوگا، اس پر نماز جائز ہے کوئی حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از ستکوہا ضلع گورداس پور مرسلہ جناب صوفی علیم الدین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع ستکوہا بتی غنی میں ایک مسجد خام ع۱ کی بنیاد لوگوں نے ڈالی کہ جسکو عرصہ تخمیناً چالیس سال کا ہوا اور عمارت اسکی اس حد کو پہنچی کہ قریب سائبان ڈالنے کی ہوئی لیکن سائبان سے چھتی نہ گئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ نماز پنجگانہ نہوئی۔ مگر نماز ہونے یا نہ ہونے کا کافی ثبوت نہیں ہے۔ اور نہ آباد دیکھی گئی اور اس بتی میں دو چار نمازی ہیں۔ وہ بھی پنجگانہ نماز کے پورے پابند نہیں ہیں بلکہ اس مسجد کو برباد اجاڑ کر مکان بنالیا ہے۔ جو اب تک موجود ہے عرصہ تقریباً تیس سال کا ہوا کہ بموقعہ تکیہ مونشاہ مسجد خام ع۱ سے تخمیناً پچاس قدم جانب مغرب ہٹ کر اسی بتی میں ایک اور مسجد خام ع۲ بنائی اور مکمل ہوگئی اور یقین شاہ پیش امام مقرر کئے گئے۔ جو مدت مدید تک صلوٰۃ پنجگانہ کراتے رہے۔ کبھی کبھی مولوی صاحب نواب الدین بھی وصوفی صاحب بھی پنجگانہ پڑھاتے رہے، اور تکیہ مونشاہ کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے۔ تخمیناً ۵ سال سے اس مسجد کی مرمت وغیرہ لوگوں نے اپنی کم فہمی سے چھوڑ دی۔ لیکن نماز ہوتی رہی۔ عرصہ تین سال کے قریب ہوا ہے کہ چند اشخاص نے ارادہ کیا کہ مسجد خام ع۲ کو پختہ بنادیا جائے چنانچہ لوگوں نے روپیہ وغیرہ جمع کیا واسطے خام ع۲ کے۔ بعدہ اصل بانی نے ذکر کیا کہ مسجد ع۲ مسطورہ سے جانب شرق

۲۷ قدم ہٹ کر اسی بتی میں جدید مسجد بنوائی جائے گی، یہ سنکر صوفی صاحب نے سمجھایا بلا اجازت علمائے دین کے بالمقابل مسجد خام ۲ کے جدید مسجد ۳ نہ بنواؤ۔ اور پہلی مسجد ۲ کو نہ اجاڑو۔ چنانچہ اصل بانی نے اپنی رائے کو دخل دیکر مسجد ۲ سے ۲۷ قدم کے فاصلہ پر جانب مشرق جدید مسجد پختہ ۳ بنوانا شروع کیا۔ اور یہ مسجد ۳ ابھی تک نامکمل ہے۔ اس مسجد کی آراضی مشارکت ہے چند شریک اس مسجد ۳ جدید کیواسطے اپنی زمین دینے پر راضی نہیں ہیں، چند بانیان جدید مسجد ۳ نے مسجد ۲ کا صحن کاٹ کر اندر جانے کا راستہ بنایا ہے۔ بدیں وجہ ایک فقیر تکیہ دار واسطے تکیہ داری اس مسجد ۲ میں آباد کریں۔ اور مسجد اجاڑ دیں۔ یہ صورت ناجائز عبدالعزیز نمبردار وغیرہ نے دیکھکر مسجد خام ۲ کے اجاڑنے اور فقیر آباد کرنے سے روکدیا کہ مسجد میں فقیر نہ رہنے پائے وہ اصل بانی نے مسمیٰ شیر محمد ولد نتھو کو مسجد ۲ سے نماز پڑھنے سے منع کیا
التماس خدمت علمائے دین ہے کہ ہم لوگ کس مسجد کو جائز اور کس مسجد کو ناجائز سمجھیں اور کس مسجد میں نماز ادا کریں اگر مسجد جدید ۳ از روئے شریعت مطہرہ ناجائز ہوئی تو جن لوگوں نے مالی امداد دی ہے، وہ رقم واپس کرنے کے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب (۱) مسجد ۱ جس کی عمارت نامکمل رہی اگر بنانے والے نے اسے مسجد کردیا یعنی زبان سے کہدیا کہ اس زمین کو میں نے مسجد کیا تو وہ مسجد ہوگئی کہ مسجد ہونیکے لئے اس میں نماز ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ کہدینے سے بھی مسجد ہوجاتی ہے کہ میں نے اسے مسجد کیا۔ درمختار میں ہے ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا عند الثانی۔ اور اگر ۱ میں نماز ہوتی ہے جب تو بالاتفاق مسجد ہے۔ اور مسجد ۲ جو خام تھی اسکو اجاڑ ڈالنا اور اسکی مسجدیت کو باطل کردینا حرام ہے کہ مسجد کی مسجدیت ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے، اسکو باطل نہیں کیا جاسکتا، اور جو اسکو اجاڑتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا۔ اور مسجد ۳ چونکہ زمین مشترک میں بنائی جارہی ہے۔ اور چند شریک مسجد کیلئے زمین دینے سے انکار کرتے ہیں، لہٰذا یہ نہ اب مسجد ہے نہ آئندہ مسجد ہوگی جب تک تمام شرکاء اسکو مسجد نہ کریں کہ مسجد کیلئے مشاع کا وقف بالاتفاق ناجائز ہے۔ ردالمحتار فتح القدیر وغیرہما میں ہے۔ المسجد لوکان مشاعًا لا یصح اجماعًا

سوال میں یہ مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ چندہ ۲ کیلئے ہوا یا مسجد ۲ کیلئے۔ اگر ۲ کیلئے چندہ کیا گیا تھا کہ اسکو پختہ کرایا جائیگا۔ تو اس چندہ سے جدید مسجد ۲ بنانا جائز نہیں ہے، اور جس نے صرف کیا اسکو رقم واپس کرنی ہوگی اور اس سے مسجد ۲ کی تعمیر ہوگی۔ اور اگر مسجد ۲ کیلئے چندہ دیا ہے جب بھی دینے والوں کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مسجد بنائی جائے۔ لہٰذا زمین کے تمام شرکا سے اجازت لیکر بنانا چاہیے تھا، کہ بغیر اجازت شرکا مسجد ہو نہیں سکتی، لہٰذا قبل اجازت شرکا اس رقم کو صرف کردینا ناجائز ہوگا، اور اس صورت میں بھی تاوان دینا پڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: از کلکتہ محلہ فقیر چند مترولین مرسلہ جناب بدرالدین احمد صاحب ۹ ر شعبان ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے سات متولی ہیں۔ اور وہ مسجد اہلسنت والجماعت کی ہے۔ ان میں کا ایک مختلف العقیدہ ہے جو کہ سابق میں خلافت کمیٹی راجہ بازار کلکتہ کا صدر تھا اور اسی زمرہ میں سو روپیہ جرمانہ کا گورنمنٹی مجرم بھی ہوچکا ہے۔ اور معتقد مولوی ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالرؤف صاحب دانا پوری اور مرید صوفی اذان گاچی گھنٹا پیر کا ہے۔ اس نے مسجد پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی غرض سے امام مسجد مذکور جو کہ سنی حنفی ہیں اور مجدد مائۃ حاضرہ[1] کے معتقدوں میں سے ہیں انکو مسجد سے نکالنے کی غرض سے ان پر طرح طرح کے الزامات لگانا شروع کیے بلکہ تعصبی کیوجہ سے امام مذکور کو مارا بھی جسکا مقدمہ دیگر متولی صاحبان کی رائے سے صرف مارپیٹ کا عدالت میں دائر کیا گیا۔ بعدہ متولی مذکور نے مصلیان مسجد کو امام سے برگشتہ کرنا شروع کیا۔ جب دیگر متولیان مسجد اسکو محسوس کیا تو حضرات علمائے کرام کی ایک میٹنگ بٹھلائی جس میں امام پر الزامات کا سوال پیش کیا گیا۔ متولی مذکور خلافتی کے ایک جگری دوست مولوی خلافتی نے تقریر کی دوران تقریر میں امام مسجد پر الزامات لگانے کا ثبوت طلب کیا گیا۔ مگر چونکہ الزامات جھوٹے تھے لہٰذا وہ متولی مذکور مدعی کے بیان سے اور گواہوں کے اختلاف سے بالکل جھوٹے ثابت ہوئے۔ اس وقت مجلس علمائے کرام میں سے جناب حضرت مولانا مولوی مفتی مشتاق احمد صاحب محدث کانپوری نے

[1] امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان ولادت ۱۲۷۲ھ وفات ۱۳۴۰ھ ۱۲ مصباحی

متولی مذکور مدعی پر جرم عائد کیا کہ جو الزامات امام مسجد پر تم نے لگائے تھے۔ وہ بالکل جھوٹے ثابت ہوئے اگر یہ دارالاسلام ہوتا اور میں قاضی ہوتا تو تم کو اسی درہ کی سزا دیتا خیر اب تم امام سے دست بستہ معافی مانگو اور تمام مجمع سے بھی معافی مانگو۔ چنانچہ متولی مذکور نے مجمع کثیر کے سامنے امام مسجد سے اور مجھ سے معافی مانگی بعد اسکے حضرت مولانا موصوف نے متولی مذکور مدعی کو اور امام مسجد مدعی علیہ کو گلے ملوا دیا۔ پھر متولی کو حکم دیا کہ کل صبح سے تم امام مسجد کے واسطے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ثابت ہونا۔ ان سے دل سے ملنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور امام مسجد کو حکم دیا کہ اب تم مقدمہ عدالت سے اٹھالو مگر متولی مذکور نے خلاف معاہدہ کیا کہ دوسرے روز کی صبح ہی سے مصلیان مسجد کو امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا شروع کیا اور متولی مذکور کی پارٹی کے کچھ لوگ رک بھی گئے اور خود اس نے بھی پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ تب امام مسجد کو دیگر متولیان مسجد و معزز حضرات اہل محلہ نے مجبور کیا اور کہا خلاف وعدہ کا ظہور متولی مذکور کی طرف سے ہوا۔ لہٰذا مقدمہ عدالت سے مت اٹھاؤ اور امام مسجد نے بھی محسوس کیا کہ نمازیوں کو روکنے کی بڑی کوشش کی جارہی ہے اور خود متولی مذکور شریک جماعت نہیں ہوتا اپنی نماز علیحدہ پڑھتا ہے۔ لہٰذا مقدمہ ابھی عدالت سے نہیں اٹھایا گیا۔ بعدہ متولی خلافتی نے مولوی خلافتی کو برانگیختہ کیا اور امام مسجد پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ دیا اور اس ترکیب سے مسجد سے نکالنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد پھر ایک میٹنگ ہوئی اور اس میں تین حضرات علماء مدعو کئے گئے اور یہ کفر و ارتداد کا مقدمہ ان کے سپرد کیا گیا ان علماء میں سے ایک عالم صاحب حکم بنائے گئے متولی مذکور نے کہا کہ ہم نے امام کو مٹنگ میں کہتے سنا کہ ہم قرآن وحدیث کے فیصلے کو نہیں مانتے۔ جناب متولی مذکور پر قسم پیش کی گئی کہ قرآن لے کر قسم کھاؤ تب متولی مذکور نے صاف انکار کر دیا کہ ہم نے امام کو کہتے نہیں سنا۔ بلکہ اس جانب سے ایسی آواز آئی۔ یہ سنتے ہی مولوی خلافتی صاحب اپنے دوست کی خاطر سے خود مدعی بن گئے۔ اور مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ اور آنکھوں سے دیکھا کہ ہم قرآن و حدیث کو نہیں مانتے اور طرفہ برآں مولوی صاحب نے اپنے بیان کی صداقت کے لئے حلف بھی اٹھایا حالانکہ اس میٹنگ میں علماء و فضلاء و حضرات معززین موجود تھے۔ وہ اس کا عکس بیان کرتے ہیں کہ امام نے ہرگز ہرگز ایسا نہیں کیا اور خود امام صاحب بھی انکاری ہیں بلکہ قسم کھانے کو طیار تھے۔ اور

اور کہیں کہ میں نے ہرگز ہرگز ایسا کوئی لفظ نہیں کہا ۔ بلکہ میرے منھ سے تو ایسا لفظ نکل بھی نہیں سکتا بلکہ میری عقیدت تو یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں ایک شرابی یا جواری یا عیاش یا قزاق وغیرہ وغیرہ بھی تو ایسے الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکال سکتے ۔ چہ جائیکہ خاکسار، مگر مولوی صاحب بضد تھے کہ کسی نے سنا یا نہ سنا ہم نے تو سنا لاؤ تیسوں پارے قرآن کے بیں اٹھاؤں ۔ بعد اسکے متولی مذکور دو گواہ اور تیار کر کے لایا جن میں کا ایک گواہ وہابی اور قدیمی دشمن امام مسجد کا تھا اور ہے ۔ اور دوسرا گواہ گلابی وہابی دمتولی مذکور کی دوستی کی وجہ سے امام مسجد کا دشمن ہوا ۔ ان دونوں نے بھی یکے بعد دیگرے وہی مولوی صاحب کے جیسے کلمات امام کے متعلق کہتے ہوئے حلف اٹھائے ۔ حضرت مولانا موصوف نے امام کو ان تینوں شخصوں کے حلف اٹھانے پر برطرف از امامت کردیا اور کسی قسم کی جرح نہ مولوی صاحب سے کی نہ ان دونوں گواہوں سے ۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا شریعت میں دو گواہوں اور ایک مدعی کی گواہی مطلقاً خواہ وہ دیانت وغیرہ نہ رکھتے ہوں اور خواہ وہ مدعیٰ علیہ کے عدو اور دشمن ہوں ہر حال میں معتبر ہے یا نہیں ۔ اور اگر بالفرض مدعی اور گواہوں کا قول کسی وجہ سے معتبر بھی ہوجائے تو آیا ہر حالت میں ایسی صورت سے اس مسجد میں یا دنیا کی کسی مسجد میں امام مذکور امامت کرسکتا ہے یا ان گواہوں اور مدعی کے حلف اٹھانے کی وجہ سے وہ ایسا ناقابل ہوگیا ہے کہ اب کسی مسجد میں وہ امامت بھی نہیں کرسکتا ۔ اور نہ کسی صورت سے مسلمان ہوسکتا ہے ۔ جو مولوی خلافتی امام مسجد حنفی سنی المذہب کو جھوٹا حلف اٹھا کر مسجد مذکور سے نکلوا چکے ہیں ۔ ان کو اہلسنت وجماعت اسی محفل میں برائے بیان بلا کر ان سے بیان کرادیں یا نہیں؟ جن متولیان مسجد مذکور نے امام مسجد کو نکلوانے کی غرض سے جھوٹے حلف اٹھانے کے واسطے گواہ تیار کئے ان کا شمار کس طبقہ کے مسلمانوں میں کیا جاوے؟ اور وہ مسجد مذکور کے متولی رہنے کے قابل بھی ہیں یا نہیں؟ بینوا بالکتاب والسنۃ توجروا

الجواب :۔ سوال سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جو کمیٹی ہوئی تھی جس میں مدعی کی کذب بیانی ظاہر ہوئی تھی اسی کمیٹی میں امام مسجد سے کلمات کفر صادر ہونے کا متولی نے دوسری کمیٹی میں دعویٰ پیش کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو بالکل الزام کی غلطی ظاہر ہے اوس متولی یا اوس کے طرفداروں کو اوسی وقت

کہنا چاہیے کہ چونکہ انھوں نے ایسے کلمات اپنی زبان سے نکالے ہیں لہٰذا ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے برخلاف اسکے خود متولی امام مسجد سے معافی مانگتا ہے اور اوسکے پیچھے نماز پڑھنے کا وعدہ کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متولی کا چونکہ جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا اور امام کو مسجد سے نکال نہ سکا اس وجہ سے یہ دوسری ترکیب اوسکے علیحدہ کرنے کی نکالی اور پہلے ہی گواہ تیار کرلئے جن کو پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کردیا اور اگر پہلی مجلس میں ان کلمات کا صادر ہونا نہیں بیان کیا جاتا ہے بلکہ اوسکے بعد کسی دوسرے موقع پر ان کا بولنا ظاہر کیا جاتا ہو جب بھی معاملہ کی تحقیق کرنی ضروری ہی ہے خصوصاً کسی شخص پر کفر کا الزام لگانا کوئی معمولی بات نہیں کہ بغیر تحقیق کئے امام مسجد کو کافر قرار دے کر امامت سے معزول کردیا جائے نہ مدعی کی حیثیت دیکھی جائے نہ گواہوں کو جانچا جائے۔ واقعات مندرجہ سوال سے مدعی کا جھوٹا ہونا اور امام کو مسجد سے بلاوجہ شرعی نکالنے کا ارادہ کرنا بخوبی ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عداوت کی اصلی وجہ امام کا سنی صحیح العقیدہ ہونا اور متولی کا اس بات کو ناپسند کرنا ہے فیصلہ کنندہ کا ان باتوں سے چشم پوشی کرکے گواہوں کی عداوت و دشمنی کا لحاظ نہ کرتے ہوئے فیصلہ صادر کردینا بالکل درست نہیں۔ گواہوں اور مدعا علیہ کے مابین جب عداوت ہے تو اونکی گواہی قابل قبول نہیں۔ حدیث میں ارشاد فرمایا لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیہ ؎ اور گواہ بھی وہابی جن کے تعصب کی کوئی حد نہیں جن کی ہمیشہ ہی کوشش رہتی ہے کہ سنیوں کو ایذا پہونچے یا انکو کسی طرح کافر و مشرک بنائیں عوام تو عوام انکے علماء کے کذب و افتراء و بہتان کا یہ حال ہے کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کتابوں کی عبارتیں گڑھ لیتے اونمیں قطع و برید کردیتے ہیں۔ ایسے متعصب اور مفتریوں کی شہادت اہلسنت کے خلاف کیوں کر قبول ہوگی۔ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں "وعلی ھذا کل متعصب لا تقبل شہادتہ" پھر یہ سب کچھ برسبیل تنزل ہے ورنہ وہابیہ کہ تنقیص الوہیت و توہین شان رسالت کرتا ہے یا ایسوں کو انکے اقوال پر مطلع ہوکر اپنا پیشوا جانتے ہیں جو کفار و مرتدین ہیں اور مرتد کی شہادت مسلمان کے

؎ گواہی جائز نہیں ہے خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی اور نہ بطور حد کوڑے مارے ہوئے شخص کی اور نہ ہی اپنے بھائی کے خلاف کینہ اور دشمنی والے کی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۸ باب الشہادات۔ مصباحی

مقابل نامعتبر قال اللہ تعالٰی "لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا" درمختار میں ہے "ولا تقبل شھادۃ مرتد" جب امام مذکوران کلمات سے تبری کرتا ہے اور انکو کلمات کفر کہتا ہے اور مسلم سے انکے صدور کو مستبعد بتاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اوسکے قول کو نہ مانا جائے البتہ اگر بینہ عادلہ سے ثابت ہوتا تو یکلخت اوس پر الزام کیئے جاتے مگر اسی وقت تک کہ حکم اس پر ہوتا جبتک توبہ نہ کرتا. توبہ کے بعد بصورت ثبوت بھی مسلمان ہوجاتا اور اس پر اسلام کے احکام جاری ہوتے. اوسکے پیچھے نماز جائز ہوتی اور صورت مستفسرہ میں تو شہادت بھی قابل قبول نہیں پھر اوسکو امامت سے علٰحدہ کرنا کیا معنی ؟ اور اوسکے پیچھے نماز باطل ہونا بھی درست نہیں. جھوٹا حلف اٹھانا گناہ کبیرہ ہے حدیث میں ہے ۔ "الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس" ایسا شخص فاسق ہے اسکو منبر پر بٹھانا اس سے بیان نہ کرانا چاہیے. ایسا شخص جو ناحق امام سنی المذہب کو ایذا پہنچاتا ہے اور اپنے تعصب مذہبی کیوجہ سے اسے علٰحدہ کرنا چاہتا ہے اسکو تولیت سے معزول کرنا چاہیئے ورنہ اگر قابو ہوگیا تو امام مذکور کو علٰحدہ کرکے کسی بدمذہب کو امام بنادے گا جس سے مسلمانوں کی نمازیں خراب ہوں گی. واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۱:- از لاہور ٹکسالی دروازہ مرسلہ جناب مولوی محمد غلام جان صاحب قادری رضوی ۱۲ جمادی الثانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صحن مسجد جوکہ بالکل برسربازار واقع ہے اول زمانہ سے ابتک کچھ حصہ اس صحن کا جو بازار کیطرف ہے صحن میں داخل نہیں تھا اور وہاں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، محض کچی سفید زمین تھی اور مسجد کے قبضے میں تھی نہ اس کا وقف معلوم اور نہ یہ معلوم کہ وہ ٹکڑہ زمین کا مسجد کے کسی کام سے وقف کیا گیا تھا. اب چند سال ہوئے کہ وہ حصہ جوکہ مسجد کے صحن سے خارج تھا صحن میں داخل کردیا گیا. اور اہل محلہ ایسے غریب ہیں جو مسجد کے اخراجات کو باہم نہیں پہونچا سکتے. اسلئے اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ مسجد کے اخراجات کیلئے اس حصہ میں جو بازار کیطرف ہے اور پہلے صحن میں داخل نہیں تھا دوکانیں بنالیں تو جائز ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب:- جب وہ حصہ صحن مسجد کے قبضہ میں تھا وہ ملک مسجد ہی قرار پائے گا. اگرچہ معلوم نہو کہ کس نے وقف کیا تھا کہ قبضہ دلیل ملک ہے اور جب معلوم نہو کہ وہ کس غرض سے ہے تو اہل محلہ کی رائے سے مسجد کے مناسب مصرف میں لایا جائے اور اب چونکہ لوگوں نے اوسے داخل مسجد کردیا تو یہ مصرف یعنی بوقت ضرورت توسیع مسجد سب پر مقدم ہے اور اب یہ مسجد کا جز ہوگیا اسکے نیچے دکانیں نہیں بنائی جاسکتیں کہ دوکانیں بنانے میں شرط یہ ہے کہ قبل تمام مسجدیت بنائیں تو جائز ہے ورنہ نہیں کما فی الدر وغیرہ. واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :- از مراد آباد بدھ بازار چوکی پولیس جنکشن مرسلہ جناب سید حمید حسن قادری و عبد القدیر صاحب ہیڈ کلرک ۱۱؍ رجب ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ وہ روپیہ جو مساجد کے ضروریات کیلئے مسلمان دیتے ہیں یا جائداد وقف کرتے ہیں آیا اس روپیہ سے مسجد میں بجلی کی لائیٹ لینا شرعاً درست ہے یا نہیں نیز یہ کہ موسم گرما میں جبکہ گرمی شدت کی پڑتی ہے سخت گرمی کی شدت بسا اوقات نمازیوں کی پریشانی طبع کا باعث بنکر انکے خشوع اور خضوع کو دور کردیا کرتی ہے، خصوصاً ان نمازوں میں جسمیں جماعت کثیرہ اور نماز مسجد کے اندر ہوتی ہے گرمی زیادہ پریشانی کا باعث بنتی ہے آیا اس صورت میں مسجد میں اس تکلیف کے دور کرنے کیلئے مسجد کے روپیہ سے بجلی کا پنکھا لگا دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ مسجد کے علاوہ اگر کوئی شخص بجلی کی لائیٹ اپنے مکان میں اپنے روپیہ سے لے تو آیا یہ عقد شرعاً جائز ہوگا یا نہیں اور اگر جائز ہے تو یہ عقد عقدِ اجارہ خیال کیا جائیگا یا عقد بیع؟

الجواب :- اگر دینے والے نے یہ تصریح کردی ہو کہ اس رقم سے یا اس جائداد کی آمدنی سے بجلی کی روشنی کرائی جائے تو اس رقم کو بجلی کی روشنی میں صرف کرنا جائز ہے، اور اگر ضروریات مسجد کے لئے رقم دی ہے یا جائداد وقف کی ہے تو بجلی کی روشنی اس سے نہیں ہوسکتی۔ کہ یہ ضروریات مسجد میں داخل نہیں۔ اور اگر مصالح مسجد کے لئے وقف کیا ہے تو چونکہ مصالح مسجد میں روشنی بھی داخل ہے اس سے روشنی ہوسکتی ہے مگر روشنی سے مراد وہ روشنی ہے جو مسجدوں کیلئے عرف میں جاری ہے۔ مثلاً چراغ یا قندیل وغیرہ اوس رقم سے ایسی روشنی نہیں کیجاسکتی جس سے مقصود تزئین ہے[1]۔ یہانتک کہ ایک چراغ

---

[1] لیکن اِس زمانہ میں بجلی مصالح مسجد میں داخل ہے، اب عرف یہی ہے کہ اس سے روشنی مقصود ہوتی ہے محض تزین مقصود نہیں ہوتا۔ اسلئے آج کے زمانے میں اگر کسی نے مصالح مسجد کیلئے رقم دی یا زمین وقف کی تو اس کی آمدنی کو بجلی کی روشنی میں صرف کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر ایک یا دو بلب سے مسجد کا کام چل جاتا ہو تو اسے زائد بلب نہیں لگائے جاسکتے کہ اب زائد لگانا تزین کیلئے ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

سے اگر اوس مسجد کا کام چلتا ہے تو متعدد چراغ نہیں جلائے جاسکتے درمختار میں ہے ویدخل فی وقف المصالح قناد وفراش ومؤذن وناظر وثمن زیت وقنادیل وحصر وماء وضوء فتاوی علمگیری ہے سئل ابوبکر عمن اوصی بثلث مالہ لاعمال البر ھل یجوز ان یسرج فی المسجد قال یجوز قال ولا یجوز ان یزاد علی سراج المسجد سواء کان فی شہر رمضان اوغیرہ قال ولا یزین بہ المسجد کذا فی المحیط۔ بلکہ مصالح مسجد میں داخل نہیں وقف مسجد کی آمدنی اسمیں صرف نہیں کیجا سکتی اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اسمیں صرف کرے یا اسکے لئے جائداد وقف کرے تو ہوسکتا ہے اپنے طور پر خود اپنے مکان میں بجلی کی روشنی لینا جائز ہے اسمیں حرج نہیں اور عقد عقد بیع ہے اور بیع تعاطی میں اسکا شمار ہوگا کہ جسقدر بجلی خرچ کریگا اوسکی قیمت جو کچھ مقرر ہے دیگا جسطرح نل کا پانی، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از بنارس محلہ قطبن شہید مرسلہ قاسم علی خاں ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قطعہ زمین افتادہ مسجد واقعہ محلہ قطبن شہید شہر بنارس جسکا طول بجانب شرقاً وغرباً بر سرراہ سرکاری ۲۶ رفٹ ۸ رانچ و عرض بجانب شمالاً وجنوباً ۱۲ رفٹ ۶ رانچ جو کہ مظہر نقشہ منظور کردہ میونسپلٹی بلکہ استفتاء ہذا ہے اور بعد زمین افتادہ مسجد بگوشہ مشرق وجنوب گلی میونسپلٹی ۸ رفٹ ۲ رانچ وبگوشہ مشرق وشمال گلی میونسپلٹی ۱۲ رفٹ نقشہ مذکور الصدر میں واضح ہے اور بعد زمین مسجد وگلی میونسپلٹی مکان یکے مسلمان موجود ہے جسنے کہ گلی میونسپلٹی بگوشہ مغرب وشمال کی تجاوز کرکے اپنے مکان میں شامل کرلیا ہے۔ اگر اجازت میونسپلٹی کے مطابق مسجد تعمیر کرائی جاتی ہے تو گلی میونسپلٹی بند ہوجاتی ہے۔ جسکی وجہ سے میونسپلٹی کی جواب دہی مسلمان اہل محلہ پر ضروری ہوگی اور نقشہ بندوبست وخسرہ میں بھی ۲۲ رفٹ زمین مسجد اور ۱۲ رفٹ گلی بگوشہ مشرق وشمال موجود ہے جس کے مطابق اگر کارروائی عمل میں لائی جائیگی تو

لہ اگر عمرو کے اندر امامت کے شرائط پائے جاتے ہوں۔ تو۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ مذکورہ بالا عقد کی بنا پر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

مکان دار مذکور کو سخت تکلیف پہونچیگی اور باعث باہمی نزاع ہوگا اور چند مسلمان خواندہ او رناخواندگی رائے ہے کہ چار فٹ گلی مسجد کی زمین سے چھوڑ دی جاوے بقیہ مسلمان کی رائے ہے کہ مسجد کی زمین بالکل نہ چھوڑی جاوے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد کی زمین بجانب شرق ایک یا دو یا چار فٹ برائے عام آمد ورفت کے گلی چھوڑ دینا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟ نیز جو مسلمان کہ زمین مسجد کی چھوڑنے کیلئے آمادہ ہیں اور زمین مسجد کی چھوڑنے والے کیلئے کوشش کرتے ہیں ؟ انکے متعلق شرع کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب :۔ کسی زمین پر مسجد بن جانے کے بعد وہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہوجاتی ہے مسجد کی عمارت باقی رہے یا منہدم ہوجائے ہر حال میں وہ مسجد ہی ہے اور اس کی حرمت بدستور باقی ہے۔ مسجد کے کسی جزء کو راستہ میں شامل کرلینا کہ اس پر مومن کافر جنب حائض سب کی گزرگاہ کردینا مسجد کی سخت توہین ہے اور یہ حرام ، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ ان ارادوان یجعلوا شیأمن المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذلک وانہ صحیح کذا فی المحیط ۔ جو لوگ اسکی کوشش کرتے ہیں کہ مسجد کا ایک جزء راستہ میں شامل کرکے اوسکی مسجدیت کا ابطال کریں وہ ظالم ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ اس میں خدا کی یاد کی جائے اور اس کو خراب کرنے کی کوشش کرے۔ تمام مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ بروجہ اتم بنجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ مولوی محمد غلام جان صاحب خطیب از لاہور ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید کا باپ ایک پرانی مسجد کا پیش امام رہا اب تقریباً پچیس ۲۵ سال ہوگئے کہ وہ فوت ہوگیا اور بعد کو جو صاحب آیا ۶ مہینہ سال بھر نماز پڑھائی چلا گیا ۔ اب چونکہ اس مسجد کے ساتھ ۲ / ۴ دکانیں تعمیر ہوگئی ہیں لہٰذا زید اس طمع اور لالچ کے مارے کہتا ہے کہ چونکہ میرا باپ ایک مدت تک مسجد ہذا میں نماز پڑھاتا رہا ہے، لہٰذا متولی ومالک مسجد میں ہوں۔ مسجد کی آمدنی مجھے ملنا چاہیئے حالانکہ نہ زید نے اور نہ زید کے باپ دادا نے یہ مسجد بنائی اور نہ قاضی واہل محلہ نے اس کو متولی مسجد ٹھہرایا اور یہ زید لاعلم ، ریش تراش ، فاسق

فاجر ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید مذکور مسجد ہذا کا متولی و مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی آمدنی کا وہ مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا بسند الکتاب توجروا بیوم الحساب

الجواب:۔ زید کا یہ کہنا کہ میں مالک مسجد ہوں بالکل غلط ہے۔ مساجد خالص ملک الٰہی ہیں کسی دوسرے کی ملک نہیں ارشاد ہوا اِنَّ المسٰجد للہ جس نے مسجد بنائی وہ بھی اسکا مالک نہیں ہوتا نہ کہ دوسرا بلکہ بنانے والا جب تک اسے اپنی ملک سے خارج نہ کردے مسجد نہیں ہوسکتی۔ درمختار میں ہے ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا۔ اگر زید کا متولی بننے میں یہ پیش کرنا کہ انکا باپ امام تھا یہ بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کے باپ کا امامت کرنا اسکے متولی ہونے کا سبب نہیں۔ خصوصًا جبکہ وہ فاسق وفاجر ہے کہ ایسے کو متولی بنانا درست نہیں۔ متولی ایسے شخص کو کیا جائے جو امانت دار ہو۔ اور وقف کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہو۔ ردالمحتار میں ہے ولایولی الا امین قادر بنفسہ وبنائبہ اور سوال کی عبارت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس طلب تولیت سے زید کا مقصود مسجد کی آمدنی کو اپنے صرف میں لانا ہے لہٰذا اسکو ہرگز متولی نہ کیا جائے کہ اس سے دیانت داری سے کام کرنیکی ہرگز توقع نہیں خصوصًا جبکہ وہ فسق وفجور میں بھی مبتلا ہے۔ فقہائے کرام کا تو یہ ارشاد ہے کہ جو تولیت کا خواہشمند ہو اسے متولی نہ کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے قالوا من طلب التولیۃ علی الوقف لایعطی لہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۵:۔ مرسلہ جناب حاجی عبدالغفور صاحب محلہ بازار سدانند انجمن اشاعۃ الحق شہر بنارس ۱۷ ربیع الآخر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ۱ ایک مسجد قدیم تعمیر جدید کرتے وقت مسجد اونچی کی گئی اور قدیم فرش مسجد کے آگے کا جس پر نماز پڑھی جاتی تھی نیچا کرکے دکان جدید قائم کی گئی اور اس پر فرش مسجد بنایا گیا اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ دوکان جدید کے متعلق شرعًا کیا حکم ہے؟

۲ مسجد یا فرش مسجد ٹھوس ہو اسکو کھود کر نیچے دوکان قائم کرنا اور دوکان کی چھت پر فرش قائم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب (۱):۔ جب مسجد تعمیر ہوگئی تو تحت الثریٰ سے عرش تک اوتنی فضا مسجد ہوگئی اوکی

مسجدیت باطل نہیں کیجاسکتی پھراس مسجد کو دوبارہ تعمیر کرانے میں حدود مسجد کے اندر نیچے اوپر دو دکان نہیں بنائی جاسکتی کہ وہ دکان کی زمین بھی مسجد ہوچکی ہے اوسکو مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا نہ اوسکو کرایہ پر دے سکتے ہیں نہ اس میں ایسا کام کرسکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو فتاوی عالمگیریہ میں ہے قیم المسجد لایجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمتہ وھذا لایجوز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب(۲):۔ یہ ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ سید زین الدین صاحب علوی خطیب مسجد الف خان احمد آباد لال دروازہ روڈ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جو چھوٹی تھی اب بڑی بنائی گئی اسکے نیچے دوکانیں بھی بنوائی گئی ہیں دوکانوں کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے تو اسکے متعلق آپ کی کتاب بہار شریعت حصہ دہم مسجد کے بیان میں لکھا ہے کہ "قبل مسجدیت مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا مباح ہے" اور عالمگیری کا حوالہ دیا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ اباحت مذکور الذیل صورت میں رہتی ہے یا نہیں۔ صورت مسجد یہ ہے کہ مسجد وسط بازار میں اچھی خاصی اونچائی پر ہے اسکے جماعت خانہ کے نیچے اطراف میں جنوبی شمالی اور مشرقی جانبوں میں مسجد کی دوکانیں تھیں اور ہیں اور مغربی طرف مسجد کی ملکیت کا مکان جو کرایہ سے دیا گیا تھا وہ اب چونکہ مصلیوں کی کثرت آمد سے مسجد چھوٹی ہونے سے اور تنگی کیوجہ سے مسجد کو شہید کرکے بڑی بنائی گئی ہے اور ہزاروں روپیئے خرچ کئے ہیں اور مسجد کی ملکیت کا مغربی مکان بھی مسجد میں لیکر اس پر جماعت بڑا وسیع بنایا گیا ہے اور پورے جماعت خانہ کے نیچے موٹر کی دوکانیں یا اور قسم کی مگر کرایہ پر ہی دینے کی غرض سے دوکانیں بنائی ہیں مسجدیت کا کچھ حصہ صرف ایک دوکان میں لیا گیا ہے باقی زمین مسجدیت میں داخل نہ تھی نہ اب ہے اور دوکانوں کی آمدنی کا مصرف بھی مسجد ہے اگر یہ صورت خلاف شرع ہے تو مسجد کی ساری عمارت شہید کرنی ہوگی اور سب خرچ ضائع ہوگا؟

الجواب:۔ اس جدید تعمیر میں مسجد کے نیچے اون مواقع میں دوکانیں بنائی جاسکتی ہیں جہاں پہلے سے دوکانیں تھیں اور جانب مغرب میں جو مکان مسجد کا تھا اور اب اسے مسجد میں شامل کیا گیا

اوسکے نیچے بھی دوکانیں بنائیں گئیں اس میں بھی حرج نہیں کہ یہ مکان پہلے سے مسجد نہ تھا بلکہ مصالح مسجد کے لئے وقف تھا ضرورت کے وقت اسے مسجد میں شامل کرنا اور اسکے نیچے مسجد کے مصالح کیلئے دوکانیں بنالینا جائز ہے جب کہ تعمیر ہی یوں کی ہو کہ نیچے مصالح مسجد کے لئے دوکانیں ہونگی اور اوپر مسجد ہوگی کہ یہ دوکان بنانا اس زمین کو مسجد کرنے سے قبل ہوا اور مسجد کا وہ حصہ جس کے نیچے پہلے دوکان نہ تھی مگر اب دوکان میں شامل ہوگیا یہ ناجائز و حرام ہے کہ بعد تمام مسجدیت اسکے نیچے دوکان نہیں بنائی جاسکتی علامہ شہاب الدین احمد شبلی حاشیہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ میں امام فقیہ ابواللیث کا کلام نقل فرماتے ہیں فان قیل لوجعل تحتہ حانوتا وجعلہ وقفا علی المسجد قیل لا یستحب ذالک ولکنہ لوجعل فی الابتداء ھکذا صار مسجد وما تحتہ صار وقفا علیہ ویجوز المسجد والوقف الذی تحتہ ولوانہ بنی المسجد اولا ثم اراد ان یجعل تحتہ حانوتا للمسجد فھو مردود باطل وینبغی ان یرد الی حالہ، ترجمہ اگر مسجد کے نیچے دوکان بناکر مسجد پر وقف کردی گئی ایسا کرنا مستحب نہیں ہے مگر ابتدا ہی میں اگر ایسا کیا ہو تو اوپر مسجد ہوگی اور نیچے کی دوکان مسجد پر وقف ہوگی اور یہ مسجد بھی جائز ہے اور نیچے جو وقف ہے وہ بھی جائز اور اگر پہلے مسجد بنالی پھر اسکے نیچے مسجد کیلئے دوکان بنانا چاہتا ہے ایسا کرنا رد و باطل ہے اور اسکو پہلی حالت پر واپس کیا جائے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مسئلہ ۵۵

مسئلہ :۔ مرسلہ عبد الغفور صاحب انے بنارس بازار سد انند انجمن اشاعت الحق یکم جمادی الثانی مسجد کے متعلق جو سوال حضور سے کیا گیا تھا وہی سوال یہاں کے مقامی علماء سے بھی کیا گیا تھا جن میں سے مولینا محمد ابراہیم صاحب کے پاس تو حضرت کا جواب بھی پیش کردیا گیا مولوی صاحب موصوف نے اسکا جواب جدا تحریر کیا اور فرمایا کہ میری تحریر حضرت کی خدمت میں روانہ کردو تاکہ مسئلہ کی تحقیق ہوجائے اگر میری غلطی ہو تو مزید تحقیقات سے آگاہ کیا جائے ۔ اس لئے عریضہ اور استفتا ارسال خدمت ہے ۔ امید کہ حضور توجہ فرماکر جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے ۔ اگر یہ مسئلہ صاف ہوجائے تو اسکی اشاعت کرنا ہے امید کہ غایت توجہ فرمائینگے ۔ اور امور لائقہ سے بھی یاد فرمائینگے ۔ زیادہ نیاز حضور

کی خدمت میں اراکین مدرسہ اور جناب قاری محمد شفیع صاحب دست بستہ سلام عرض کرتے ہیں اور ایک سوال مولوی عبدالرشید صاحب کا یہ ہے کہ جس جگہ نماز پڑھی گئی وہ جگہ تو تحت الثرٰی سے لیکر عرش تک مسجد ہوگئی اب سوال یہ ہے کہ جو جگہ پہلے مسجد نہ تھی اس جگہ پر ایک چھت قائم کی گئی اور اس چھت پر مسجد قائم کی گئی تو اب اس چھت سے عرش تک مسجد ہوئی یا تحت الثرٰی سے اور اسکے نیچے کی دوکان وغیرہ جائز ہے یا نہیں ؟

نقل فتوٰی مولوی ابراہیم صاحب

ابتداءً یعنی مسجد بننے سے قبل اگر نیچے یا اوپر کوئی تعمیر کی جائے تو دو شرطوں سے جائز ہے (۱) مسجد کی کسی بھلائی اور مصلحت کیلئے کیجائے جیسے آمدنی وغیرہ کا خیال (۲) یہ عمارت مثل مسجد کے وقف ہو کر رہن وبیع ودیگر تصرفات کے قابل نہ ہو در المنتقٰی میں ہے صرح فی الاسعاف بانہ اذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد اذا کان وقفا علیہ صار مسجداً اور مسجد بنجانے کے بعد اسکے نیچے یا اوپر کچھ بنانا جائز نہیں درمختار میں ہے اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع کیونکہ مسجد تیار ہوجانے پر تحت الثرٰی تک ملا اور عرش تک خلا یہ ساری فضا محترم باحترام مسجد ہوجاتی ہے کما فی الدر والرد۔ فقہاء کا قول قدیم تو یہی ہے مگر قول جدید میں صاحبین کے نزدیک بضرورت کسی مصلحت کے واسطے جائز ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے عن ابی یوسف انہ جوز ذالک فی الوجھین لما دخل بغداد ورأی ضیق الاماکن وکذا عن محمد لما دخل الری وھذا تعلیل صحیح لانہ تعلیل بالضرورۃ وھکذا فی العینی کما فی حواشی الکنز۔ پس صورت مسئولہ میں اگر آمدنی کی سبیل دشوار ہو اور اسی خیال سے دکان بنائی گئی ہو تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا اگر مسجد کے ضروری اخراجات کیلئے آمدنی ہوجاتی ہے تو بہتر یہی ہے کہ دکانات کی تعمیر نہ کیجائے، واللہ تعالٰی اعلم

الجواب :- آپ کے سوال کا وہی جواب ہے جو مہینے پہلے روانہ کردیا ہے دوسرے فتوی میں جن روایات پر جواب کی بنا ہے وہ مخفی نہیں ، بکثرت ایسے مسائل ہیں جن میں روایات مختلفہ پائی جاتی ہیں مگر حکم ان روایات کے موافق دیا جاتا ہے جو باقوت ہوتی ہیں ورنہ نہیں

نہیں بلکہ بیشتر مسائل میں اس طور پر اختلاف کیا جاسکتا ہے بیشک وہ روایات ہدایہ میں ہیں مگر ضعیف ہیں۔ لہٰذا مدار کار ظاہر الروایۃ پر ہے۔ بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے حاصلہ ان شرط کونہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدًا لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالٰی وان المسٰجد للہ بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد فھو کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاھر الروایۃ وھناک روایات ضعیفۃ مذکورۃ فی الھدایۃ اس مذکورہ عبارت میں ہدایہ کی اون روایات کی نسبت ضعیف ہونیکی تصریح موجود ہوتے ہوئے اوس روایت کو کیونکر معمول بہا قرار دیا جائے پھر یہ کہ جو سوال آپ نے بھیجا تھا اس کی صورت یہ ہے کہ مسجد قدیم کی تعمیر جدید میں اوسکے نیچے دو کانیں بنائی گئیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی سے جو یہ روائتیں منقول ہیں انکی صورت یہ ہے کہ اوپر مسجد بنائی گئی اور نیچے رہنے کا مکان جو مصالح مسجد کیلئے نہیں ہے یا نیچے مسجد بنائی گئی اوپر مکان یہ دونوں صورتیں جائز ہیں ہدایہ کی عبارت یہ ہے اذا جعل السفل مسجدًا وعلی ظھرہ مسکن الخ یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ کلام ابتدار مسجدیت میں ہے لہٰذا صورت مسئول عنہا سے اسکو تعلق نہیں، سوم یہ کہ اس روایت پر فتوی دینے کا محصل یہ ہے کہ مسجد کے نیچے، اوپر بعد تمام مسجدیت اپنی رہائش و آشائش کیلئے مکان بنانا جائز ہے اگرچہ وہ مکان مصالح مسجد کیلئے نہو کیونکہ ان روایات کی یہی صورت تھی، وہ مکان مصالح مسجد کیلئے نہو اور بعد تمام مسجدیت اگرچہ اس روایات میں نہیں ہے مگر صورت مسئول عنہا یہی تھی اور اس روایت کو وہاں چسپاں کرنے میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بعد تمام مسجدیت اسکے نیچے اور اوپر ایسا مکان بنانا جو مصالح مسجد کیلئے نہو جائز ہے۔ اب اس فتوی کا حاصل یہ ہوگا کہ مسجد توڑ کر اسکے نیچے رہنے کا مکان بنالیا جائے اور اوپر اپنا ذاتی مکان بنالیں اس میں کوئی قباحت نہیں ایسا حکم دینا مساجد کو خطرہ میں ڈالنا ہے مولوی عبد الرشید صاحب کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسجد بناتے وقت اس کے نیچے مصالح مسجد کیلئے دوکانیں بنالینا جائز ہے اور آنگنا کٹرہ اوس حکم احترام سے مستثنٰی ہے جو مسجد کیلئے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ آمدہ از محلہ مفتی ٹولہ اٹاوہ مرسلہ ولی محمد انصاری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان دین متین درمیان ان مسائل کے

(۱) یہ کہ کسی مسجد کے امام کے تقرر کا حق اس متولی مسجد کو ہے جو نہ اسکے قریب میں رہے اور نہ کبھی اسمیں نماز کو آوے یا ان محلہ داران و نمازیان مسجد کو حق ہے جو روزمرہ اور پنج وقتہ اس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ایسی شکل میں اگر متولی مسجد نمازیاں مسجد و محلہ داران کے مشورہ کے بغیر کسی امام کا تقرر کردے اور اس تقرر کو جملہ نمازیاں مسجد و محلہ داران نامناسب بتاتے ہوں تو متولی مسجد کا اسطرح سے امام کا تقرر شرعًا جائز ہے ؟

(۲) اس طرح سے متولی کے مقرر کئے ہوئے امام سے اکثر و بیشتر نمازیاں مسجد و محلہ دار خلاف ہیں ایسی صورت میں مسجد میں دو جماعتیں ہونے لگیں اور نمازیان قدیم کی اکثریت اس (جدید) امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے تو شرعًا کیا حکم ہے ؟

(۳) اس طرح سے مقرر شدہ امام کی وجہ سے اگر مسجد میں دو جماعتیں ہونے لگیں ایک ہی وقت میں تو کونسی جماعت شرعًا قابل شرکت ہے ؟

الجواب :۔ متولی مسجد چونکہ مسجد کا منتظم ہے مسجد کے کام اوسکے سپرد ہیں لہٰذا امام کو مقرر کرنا بھی اس کا کام ہے مگر اوس تقرر کے مسئلہ میں اگر متولی اور مصلیان مسجد میں اختلاف ہو تو جس امام کو متولی نے مقرر کیا اگر وہ بہتر ہے تو وہی امام ہے اور اگر بہتر وہ امام ہے جسکو مصلیان مسجد نے مقرر کیا ہے تو اسی امام کو رکھنا بہتر ہے اور اگر دونوں امام ایک ہی طرح کے ہیں تو متولی کا امام اولیٰ۔ متولی تو متولی ہے خود بانی مسجد اور مصلیان مسجد میں اختلاف ہو تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے درمختار میں ہے

الباني للمسجد اولى من القوم بنصب الامام والموذن في المختار الا اذا عين القوم اصلح ممن عينه ردالمحتار میں ہے قوله اذا عين القوم اصلح ممن عينه لان منفعة ذالك ترجع اليهم۔ لہٰذا اگر مصلیان مسجد کا مقرر کردہ امام بہتر ہے تو متولی کو بھی اسی کا تقرر منظور کر لینا چاہیئے تاکہ یہ فتنہ و فساد اور تفریق جماعت جو ہو رہی ہے اسکا سلسلہ بند ہو جائے بیک وقت ایک مسجد میں دو جماعتوں کا قائم کرنا ممنوع ہے سب کو متفق ہو کر ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ مولوی جلال شاہ پنجابی متعلم مسجد بی جی مظہر اسلام ۲۰ ربیع الاول ۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جنگ کے دوران میں حکومت نے ایک گاؤں کو اپنی ضرورت کیلئے نکال دیا تو انھوں نے ادھر جگہ قیام کیا۔ اور وہاں مسجدیں پختہ بنالیں اب انھیں پھر حکم ہوا ہے پہلی جگہ واپس آنیکا۔ اب ان مسجدوں کا کیا حکم ہے کیا انھیں وہاں ویسے رہنے دیں یا اپنی پہلی جگہ لاکر مسجدوں میں استعمال کریں اگر وہاں رہنے دیں تو بے حرمتی کا خطرہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ امام اعظم و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب ہے کہ جب لوگوں نے مسجدیں بنالیں تو اب وہ تا قیام قیامت مساجد ہوگئیں۔ اسکے اسباب دوسری مسجد میں نقل کرنا کسی طرح سے درست نہیں ہوگا۔ لایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا یصلون وعلیہ الفتوی کذا فی الحاوی القدسی۔ درمختار میں ہے ولوخرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وعلیہ الفتوی۔ یہ حکم اس زمانہ کیلئے تھا جبکہ مساجد کی اشیاء کے لینے اور ان میں تصرف کرنے کو لوگ برا جانتے تھے۔ اور اب یہ زمانہ فساد کا زمانہ ہے کہ لوگ حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے مسجد کی چیزوں میں بھی بطور تغلب تصرف کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اس زمانہ میں بہت ممکن ہے کہ جب ان مساجد کا کوئی نگراں نہیں تو ان کے عمارتی سامان لوگ اپنے تصرف میں لائیں گے۔ اور مسجدوں کو منہدم کرکے نیست و نابود کر ڈالیں گے۔ اسی طرح یہ بھی خطرہ اور اندیشہ ہے کہ کفار و مشرکین موقع پاکر اسکا سارا سامان رفتہ رفتہ اٹھا لیجائیں گے۔ پس ایسی صورت میں امام ابو یوسف سے جو دوسری روایت ہے اس پر عمل کرکے اسکا عمارتی سامان منتقل کرکے دوسری مسجد میں لگادیا جائے۔ اور اس زمین کو چبوترہ کی شکل میں باقی رکھیں جس سے معلوم ہوسکے کہ یہ مسجد ہے اور مسلمان اسکا احترام کریں۔ درمختار میں ہے۔ وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر باذن القاضی ردالمحتار میں فرمایا۔ فی الاسعاف لوخرب المسجد وماحولہ وتفرق الناس عنہ لایعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضہ باذن القاضی ویصرف ثمنہ الی بعض

المساجد ا نتہٰی مختصراً - پھر فرمایا - والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد اوحوض کما افتی بہ الامام ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بہما قدوۃ ولاسیما فی زماننا فان المسجد اوغیرہ من رباط اوحوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذلک اوقافہ یاکلہا النظار اوغیرھم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج الی النقل الیہ وقد وقعت حادثۃ سئلت عنہا فی امیر اراد ان ینقل بعض احجار مسجد خراب فی سفح قاسیون بدمشق لیبلط بہا صحن الجامع الاموی فافتیت بعدم الجواز متابعۃ للشرنبلالی ثم بلغنی ان بعض المتغلبین اخذ تلک الاحجار لنفسہ فندمت علی ما افتیت بہ ثم رأیت الآن فی الذخیرۃ قال وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اھل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدھا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ وینقلونہ الی دورھم ھل لواحد لاھل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد اوالی ھذا المسجد قال نعم وحکی انہ وقع مثلہ فی زمن سیدنا الامام الاجل فی رباط فی بعض الطرق خرب ولا ینتفع المارۃ بہ ولہ اوقاف عامرۃ فسئل ھل یجوز نقلہا الی رباط آخر ینتفع الناس بہ قال نعم لان الواقف غرضہ انتفاع المارۃ ویحصل ذالک بالثانی[۱] واللہ تعالٰی اعلم

---

[۱] درمختار وردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۷ مطلب فی احکام المسجد ۱۲ مصباحی

کتاب البیوع

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فصل غلہ گندم و نخود آج بوجہ ارزاں ہونے کے خرید کر رکھنا چاہتا ہے، اس نیت سے کہ جسوقت نرخ بازار گراں ہوگا تو اسکو فروخت کروں گا لہذا اس غلہ کا بھرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو کس صورت سے جائز ہے؟

الجواب: جائز ہے کہ تجارت نفع و فائدہ حاصل کرنیکے لئے ہوتی ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ ہاں احتکار ناجائز ہے، اور اسکی صورت یہ ہے کہ اس جگہ کی آمد کا غلہ جو اپنی ملک نہو خرید کر ایسا کر رکھے کہ اسکے روکنے سے خلق پر تنگی ہو جائے، اور یہ صورت غلہ بھر کر رکھنے والوں میں عموماً نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئولہ مولوی احسان علی طالبعلم مدرسہ اہلسنت ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

تالاب وغیرہ میں مچھلی ہوتی ہے، مالک زمین مچھلی کو پانی میں رہتے ہوئے فروخت کر لیتے ہیں خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مچھلیاں تالاب میں ہیں۔ انکا خریدنا بیچنا ناجائز۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصطاد لانہ باع مالا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یوخذ الا بصید لانہ غیر مقدور التسلیم ومعناہ اذا اخذہ ثم القاہ فیہا ولو کان یوخذ من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل لعدم الملک[1]۔ مچھلیوں کی بیع قبل اسکے کہ انھیں شکار کیا جائے جائز نہیں کہ اس نے ایسی چیز کو بیچا جس کا مالک نہیں۔ ایسے ہی وہ مچھلیاں جو کسی گڑھے میں ہیں جن کو بغیر شکار پکڑا نہیں جاسکتا ہو کیونکہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مچھلیوں کو پکڑ کر کسی گڑھے میں ڈال دیا گیا ہو اور اگر اس قسم کی مچھلیاں بغیر حیلہ پکڑی جاسکتی ہوں تو بیع جائز ہے۔ ہاں اگر کسی گڑھے میں وہ مچھلیاں خود آکر جمع ہو گئیں اور راستہ بند نہ کیا تو بیع جائز نہیں کہ یہ شخص ان کا مالک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۱ باب البیع الفاسد۔ مصباحی

مسئلہ :- مرسلہ عبدالعزیز خاں صاحب از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۲۲ ۔ ۲ رجمادی الاولیٰ

ایک بینک ہے جس نے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے پاس دس روپے ماہوار جمع کرے، تو دس سال کے بعد بجائے اسکے کہ جمع کردہ رقم مجموعی ۱۲۰۰ر روپئے ہوئے۔ ۱۶۰۰ر روپئے۔ یعنی چار سو مزید دیے جائیں گے۔ اور ۲۵ر روپئے ماہوار کے حساب سے ۲۰ر سال تک جمع کرے تو بعد ۲۰ر سال کے اسکی مجموعی رقم ۶۰۰۰ر کے بجائے ۱۱۰۰۰ر روپئے یعنی پانچ ہزار روپئے مزید دیئے جائیں گے۔ آں جناب سے عرض ہے کہ اس رقم میں مزید پانیکی امید پر جمع کرنا درست ہے یا نہیں وہ مزید رقم جو مدت معینہ کے بعد ملیگی ربا میں داخل ہے یا نہیں ؟

الجواب :- یہ کھلا ہوا سود اور حرام ہے ہاں اگر بینک والے سب نرے کافر ہوں ان میں کوئی مسلم نہو اور اس مدت مذکورہ کے بعد وہ اتنے روپئے زائد دیں تو یہ شخص مال مباح سمجھکر لے سکتا ہے کہ کافر نے اپنا مال اپنی خوشی سے دیا۔ لیلے اور سود کی نیت ہرگز نہو۔ ردالمحتار میں کافی سے ہے۔ وان بایعھم الدرھم بالدرھمین نقدا او نسیئۃ فلا باس بذلک لان لہ ان یاخذ اموالھم برضاھم، وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ جناب محمد ثروت یار خانصاحب از نینی تال ۲۱ رجمادی الاخرہ سنہ ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک رقم بینک میں صرف اسکی امداد کی غرض سے جمع کی اور اسوقت یہ کہدیا تھا کہ سود لینا منظور نہیں ہے بینک مذکور انگریزی نہیں ہے، عام پبلک کا ہے عام مخلوق کو زیادہ سے زیادہ شرح سود پر روپیہ دیا جاتا ہے اور ان شخصوں کو جتنا روپیہ اسمیں جمع ہے سال تمام پر بعد منہا اخراجات ضروری سود تقسیم کردیا جاتا ہے۔ بصورت مذکورہ بالا اصول بینک کے موافق سود زید کے پاس بھی آیا زید اسکو اپنے صرف میں لانا پسند نہیں کرتا ہے۔ اس صورت میں جو سود آتا ہے اسکو کس کام میں صرف کیا جاوے، بینوا توجروا

الجواب :- بینک کی امداد کے لئے روپیہ دینا جبکہ وہ بینک سود پر لوگونکو روپیہ دیتا ہے، حرام ہے، قال تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، اور وہ سود کے روپئے حرام ہیں،

قال تعالیٰ وحرم الربوٰا۔ اگر معلوم ہو سکے کہ یہ روپئے کس کے ہیں تو واپس کرے ورنہ فقراء پر تصدق کر دے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) مرسلہ بخشا جی محمود جی سوداگر پارچہ شہر اودے پور میواڑ ۷ رجب ۱۳۴۰ھ

ما تولکم ایھا العلماء الکرام رحمکم اللہ، کفار ہنود کو ہزار دو ہزار یا کم زیادہ کا دو مہینے کے وعدے پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کر دیا کہ اگر دو مہینے کے وعدے پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صدی ایک روپیہ نفع زیادہ لونگا، یا یوں کہدیا کہ مثلاً دو مہینے کے وعدے پر اس کپڑے کی قیمت سو روپئے، اور اگر اس وعدے پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہونگے یہ اسلئے کہ کفار مسلمانوں کے روپیوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں کرتے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ (۲) نوٹ سو سو روپئے کا ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینے کے بعد واپس روپیہ لینا کر کے دیئے گئے وہ نوٹ تو اسکے کام میں آگئے۔ مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائیے؟ بینوا توجروا

الجواب (۱): ہندوستان اگرچہ دار الاسلام ہے مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن لہٰذا اگر وہ اپنا مال خوشی سے دیں اگرچہ کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے جو مسلمانوں میں باہم جائز نہ ہو تو کافر کا وہ مال مسلم کے حق میں جائز ہے مثلاً یہ صورت کہ ایک مہینے کے وعدہ پر اسکی قیمت ۱۰۰ روپیہ ہے اور اگر دو مہینہ پر دے تو ایک سو ایک یا زیادہ اور اس پر وہ راضی ہو گیا تو یہ زیادتی لے سکتے ہیں رد المحتار میں کافی امام شہید سے ہے وان بایعھم الدرھم بالدرھمین نقداً او نسیئۃ فلا باس بذلک لان لہ ان یاخذ اموالھم برضاھم الخ ولان مالھم غیر معصوم فیجوز اخذہ بای نحو کان مالم یکن غدر فانہ ممنوع۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) سو روپئے کے نوٹ اگر ایک سو ایک روپئے یا کم و بیش کے بدلے میں ادھار بیچے تو خریدار پر روپئے لازم ہیں ہاں اگر دونوں نوٹ یا اشرفی سے دین ادا کرنے پر راضی ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے جبکہ یہ اسی قیمت کے ہوں جو باہم طے ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نقیع میں اشرفیوں کے بدلے اونٹ بیچتا اسکے بجائے اشرفیوں کے روپئے لیتا یا روپئے کے بدلے میں بیچتا اور اشرفیاں لیتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ارشاد فرمایا لاباس ان تاخذھا بسعر یومھا مالم تفترقا و بینکما شئی، رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی۔ اور اگر نوٹ بیچا نہیں بلکہ قرض دیا ہے تو جتنے کا نوٹ ہے خواہ اس قیمت کا نوٹ یا روپئے اس سے زیادہ حرام وسود ہے اگر قرض دیتے وقت مقرر کرلیا ہو کہ ایک سو کا نوٹ دیتا ہوں اور سو روپئے اور اتنے پیسے لونگا حدیث میں فرمایا کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب از کانپور بنگالی محال ۲۲ رجب سنہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) زید نے بکر کے ہاتھ مبلغ پندرہ روپئے کا نوٹ مبلغ چوبیس روپئے کو قرض فروخت کئے (۲) ادائیگی قرض کی یہ صورت قرار پائی کہ آٹھ آنے مہینہ کرکے یعنی چھ روپئے سال میں اور بقایا ۱۸ روپئے سال ختم ہونے پر بکر زید کو ادا کردیں۔ (۳) زید نے یہ قرض کا وصول کرنا ہندہ کے سپرد کیا اور بکر نے بھی ہندہ کو دینا منظور کرلیا۔ کیونکہ زید غیر ولایت کو جانیوالا ہے۔ (۴) بکر نے ہندہ کے حق میں ایک مکان دخلی رہن کردیا۔ اور اقرار نامہ لکھدیا۔ جو حسب شرائط مذکورہ ۲ کے مطابق ہے یعنی آٹھ آنے مہینے کا اسی رہن شدہ مکان کا کیرایہ نامہ لکھدیا۔ اور بقیہ سال ختم ہونے پر ادا کرنے کا رہن نامہ لکھدیا۔ یہ صورت ادائیگی کی ٹھہری۔ چونکہ حکومت غیر اسلام اس وجہ سے تکمیل رجسٹری وغیرہ کی یہ کل رقم جو قرض اتارا گیا ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور نہ زیادہ ہوگی۔ (۵) اگر زید بکر کو قرض نہ دیتا تو بکر غیر مسلم کے ہاتھ اپنی ریاست برباد کرتا اور کافر ایک مسلمان کی ریاست کو پیسے کی جگہ ڈھیلے میں لیتا۔ (۶) مکرر بکر نے ہندہ کو لکھدیا۔ کہ چھ روپئے ریاست سے بذریعہ کیرایہ وصول کرے۔ جو کہ یہ بھی بکر ہی دے گا اور بقیہ ۱۸ روپئے بعد ایک سال نہ ادا کرنے پر شئی رہن شدہ سے وصول کرے۔ ان دونوں صورتوں میں چوبیس ہی روپئے وصول ہونے ہیں زیادہ نہیں؟

الجواب :- نوٹ کو کم و بیش پر بیچنا جائز ہے نقد اور ادھار دونوں طرح بیع ہو سکتی ہے
والمسألة مصرح بها فی کفل الفقیہ الفاھم من شاء الاطلاع فلیراجعہ ۔ اور ادھار میں
قسط بقسط روپیہ ادا کرنا ٹھہرا یا یکمشت دونوں صورتیں جائز ہیں، دخلی رہن ناجائز ہے
بلکہ بکر ہندہ کو آٹھ آنے ماہوار کرایہ پر اپنا مکان دیدے اور ہندہ اس میں متصرف ہو اور کرایہ دین میں ادا
ہوتا رہے ۔ اور اگر صورت یہ ہو کہ بکر نے اپنا مکان ہندہ کے پاس رہن رکھا پھر ہندہ نے
بکر کو کرایہ پر دیا جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے ۔ تو یہ بھی ناجائز، اور ہندہ کرایہ کی مستحق نہ ہو گی،
ہاں بکر نے جو روپئے کرایہ میں دیے تو اتنے روپئے دین سے مجرا ہونگے فتاوی خیریہ میں ہے ۔
استئجار الراھن من المرتھن باطل لانہ ملکہ و استئجار المالک ملکہ باطل والباطل لا أجرۃ
لہ فیرجع بما دفع ان لم یکن من جنس الدین وان کان من جنسہ تقع المقاصصۃ بہ[1]
اور زید کے روپئے جب بکر پر ہیں تو ہندہ کے پاس رہن کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہندہ کا کوئی دین بکر
پر نہیں ۔ بلکہ ہندہ کو زید نے اپنی جانب سے دین وصول کرنے پر وکیل کیا ہے اور رہن کسی دین
کے مقابل ہوتا ہے ہدایہ میں ہے وفی الشریعۃ جعل الشئ محبوسا بحق یمکن استیفاؤہ من الرھن[2] واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :- مرسلہ خلیفہ عزیز الدین صاحب کاتب از لاہور شاہ عالمی دروازہ مسجد مراں والی
۲۵ محرم ۱۳۴۱ھ :- ۱ اگر کسی مسلمان کو کوئی مال حرام یا مشتبہ یا حلال و حرام سے مرکب
جسمیں کثرت و قلت اور حلت و حرمت کی تمیز نہ ہو سکے کفار اہل کتاب یہود و نصارٰی و مشرکین سے
حاصل ہو یا واجب الطلب ہو اس مال کی نسبت شرعاً کیا عمل کرے ۔ جو اسکے حق میں مناسب ہو
اگر واجب الطلب کو کفار کے پاس چھوڑ دے تو وہ اس مال کو اپنے دین کی اشاعت یا امداد و اسلام
کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں ۔ اگر حاصل شدہ مال کو واپس کرے تب بھی وہ اس مال سے ویسا
ہی کام لیتے ہیں ۔ اور یہ امر صراحتاً یقینی ہے (اخبار میں شائع ہو چکا ہے کہ گذشتہ سال میں صرف

[1] فتاوی خیریہ کتاب الرہن ص ۱۹۱ ۔ [2] ہدایہ ج ۴ ص ۵۱۶ کتاب الرہن ۔ مصباحی

سیونگ بنک میں روپیہ رکھوانے والوں کی سودی رقم جو انھوں نے بوجہ مسلمان ہونے کے وصول نہ کی کہ اسکو حرام سمجھتے تھے۔ وہ بقدر تین لاکھ روپئے کی تھی جو عیسائی مشنریوں کو عیسائیت کی اشاعت کیلئے دی گئی اور عام بینکوں میں ایسی رقموں کی مقدار تو بہت ہی زیادہ ہوگی) ایسا مال ان سے نہ لینا یا واپس دینے سے اعانت علی الاثم والعدوان کا بھی خوف ہے۔ ؟

ع ۲ اگر کوئی مسلم کسی مسلمان فاسق وفاجر حرام کے کاروبار کرنے والے حرام کے کمائی رکھنے والے کی کوئی اجرت مثل مزدوری۔ معماری، نجاری، حمالی، خیاطی وغیرہ امور کی کرے تو اجرت اپنی اسکے مال حرام سے لے سکتا ہے یا نہیں جس کو وہ جانتا ہے کہ اسکی کمائی حرام ہے اجرت میں لینے والے کیلئے حلال ہوگی یا نہیں۔ اس پر فتویٰ شریعت درکار ہے تقویٰ کا سوال نہیں ؟

الجواب:۔ جب کسی مال کی نسبت معلوم ہو کہ یہ بعینہ حرام ہے تو لینا جائز نہیں ورنہ لے سکتا ہے محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وبہ ناخذ مالم تعرف شیئاً حراماً بعینہ لہٰذا وہ مال جسکی نسبت شبہ ہے اور یہ یقین نہیں کہ یہ حرام ہے اسے لے سکتے ہیں خواہ وہ کافر اپنی طرف سے دے یا اسکے مطالبہ میں یونہیں مال مختلط جسمیں تمیز باقی نہ رہے اسکو بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ حرام ہے۔ نیز اگر دوسرے کا مال اپنے مال میں اس طرح ملا دیا کہ تمیز نہ رہے تو یہ غاصب اس مال کا مالک ہوجاتا ہے اور اس کا تاوان اس پر لازم۔ درمختار میں ہے ان اختلط المغصوب بملک الغاصب بحیث یمتنع امتیازہ کاختلاط برہ ببرہ او یمکن بحرج کبرۃ بشعیرۃ ضمنہ و ملکہ بلا حل انتفاع قبل اداء ضمانہ ای رضا مالکہ باداء او ابراء او تضمین قاضی والقیاس حلہ وھو روایۃ[۱] لہٰذا ایسا مال مسلمان لے سکتا ہے اقول واما عدم حل الانتفاع فیرجع الی الغاصب لا الی الآخذ منہ ولھذا ینفذ تصرفہ فیہ کالتملیک لغیرہ کما ھو مصرح فی الطحطاوی، اور محض اوہام کی بنا پر اپنے روپئے کفار کے پاس کیوں چھوڑے

---

[۱] درمختار ج ۵ ص ۱۲۴ کتاب الغصب ۱۲ مصباحی

خصوصاً جب یہ معلوم ہو کہ یہ اشاعت کفر میں صرف ہوگا اور اس صورت میں حاصل شدہ کو واپس نہ دے یہاں تک تو الفاظ سوال کا جواب ہے مگر قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا مقصد سود کے متعلق سوال کرنا ہے کہ کفار سے یا سیونگ بنک سے جو سود کے نام سے کچھ رقم روپیہ جمع کرنے والوں کو ملتی ہے اسکا لینا جائز ہے یا نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ جو رقم کافر حربی اپنی خوشی سے دے اگرچہ وہ اپنے زعم میں اسے سود سمجھے یا کوئی اور حرام طریقہ تصور کرے مسلمان اسے بلا تکلف لیسکتا ہے جبکہ یہ مسلمان نہ اسے سود سمجھے نہ سود کہکر لے کہ لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب کہ کافر حربی کا مال مال معصوم نہیں سوا غدر کے جس طرح ملے مسلمان کیلئے مباح یہاں تک کہ اگر کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے ملا جو دو مسلمانوں کے درمیان جائز نہ تھا جب بھی وہ مال حلال ہے ردالمحتار میں ہے فی کافی الحاکم وان بایعھم الدرھم بالدرھمین نقدا او نسیئۃ او بایعھم بالخمر والخنزیر والمیتۃ فلا باس بذالک لان لہ ان یاخذ اموالھم برضاھم فی قولھما ولایجوز شئ من ذالک فی قول ابی یوسف - واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب:- اس کا حکم بھی سوال اوّل کے جواب سے ظاہر کہ اگر وہ فاسق فاجر بعینہٖ ہی مال کو دے جو اس نے حرام طریق سے حاصل کیا ہے، اور اجیر کو بھی معلوم ہو تو لینا ناجائز اور اگر بعینہٖ وہ نہو بلکہ مثلاً اس نے کوئی چیز خریدی ہے اگرچہ مال حرام ہی سے خریدی مگر حرام مال پر عقد و نقد جمع نہوں تو یہ شئی حرام نہیں اور اجیر اسے لے سکتا ہے عقد و نقد جمع ہونیکی یہ صورت ہے کہ حرام مال دیکھا کر کہا کہ مجھے اسکی فلاں چیز دے یہ مال حرام پر عقد ہوا پھر اس نے یہی حرام روپیہ دیا یہ بھی یہ نقد ہوا تو ایسی صورت میں وہ خریدی شئی بھی حرام ہوگئی اور اگر ایسا نہیں مثلاً یہ کہا کہ ایک روپیہ کی فلاں چیز دے اس نے دی اس نے حرام روپیہ دیا یا حرام کیطرف اشارہ کرکے کہا کہ اسکی فلاں چیز دے اور وہ نہ دیا یا مال حلال کیطرف اشارہ کیا اور دیا حرام، تو عقد و نقد مال حرام پر نہوئی تو اب وہ شئی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تنویر الابصار میں ہے وان اشار الیھا ونقد غیرھا او الی غیرھا او اطلق ونقدھا لایتصدق وبہ یفتی قہستانی میں ذخیرہ سے ہے

وعلیہ الفتوی دفعا للحرج فی ھذا الزمان درمختار میں ہے واختار بعضھم الفتوی علی قول الکرخی فی زماننا لکثرۃ الحرام درر میں ہے ذکر فی الجامع الصغیر اذا اشتری بھا فانہ یتصدق بالربح فظاھر ھذہ العبارۃ یدل علی انہ اراد بہ اذا اشار الیھا ونقد منھا واما اذا اشار الیھا ونقد من غیرھا او اطلق ونقد منھا او اشار الی غیرھا ونقد منھا ففی کل ذالک یطیب لہ لان الاشارۃ لا تفید التعیین فیستوی وجودھا وعدمھا الا ان یتاکد بالنقد منھا وبہ کان یفتی الامام ابو اللیث، اور یہ سمجھ لینا کہ اس کا پیشہ حرام ہے لہذا یہ مال حرام ہی ہوگا غلط ہے کہ ممکن ہے کہیں سے قرض لایا ہو کیا جو لوگ حرام پیشے کرتے ہیں وہ قرض نہیں لیتے یا انھیں کوئی قرض نہیں دیتا یا ممکن ہے کہ جو چیز اسنے اس طرح پر خریدی تھی کہ عقد و نقد مال حرام پر مجتمع نہ تھے اسے بیچکر یہ روپیہ لایا ہو اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ حرام پیشے والے بعض انمیں کبھی کوئی جائز پیشہ بھی کر لیتے ہیں اس جائز سے یہ حاصل ہوا ہو غرض جبتک اس خاص کی نسبت حرمت کا علم نہو لینا جائز ہے اشباہ والنظائر میں ہے الحرمۃ تنتقل مع العلم۔ واللہ تعالی اعلم۔

اس سوال کا جواب لکھنے کے بعد انجمن نعمانیہ لاہور سے ایک چار ورق کی چھپی ہوئی تحریر آئی جس سے معلوم ہوا کہ یہ سوالات حقیقۃً انجمن کی جانب سے تھے کسی مصلحت کی بنا پر اصلی سائل کا نام ظاہر نہ کیا گیا تھا اور سوال کی وجہ یہ بتائی کہ انجمن میں کہیں سے قریب ساڑھے چار سو روپیہ کی ایک رقم آئی اور بھیجنے والے نے یہ ظاہر کیا کہ یہ سود کا روپیہ ہے اور انجمن کے اراکین میں کوئی اسے لینا چاہتا ہے اور کوئی کہتا ہے واپس کر دیجائے لہذا چھپا ہوا یہ استفتاء بغرض دریافت حکم شرع روانہ کیا اور اب دوبارہ یہی استفتاء مع مکالمہ اراکین شوریٰ طبع کرکے بھیجا اور اس میں دو سوال کا اور اضافہ کیا اور غالباً سائل نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ لوگوں پر ظاہر کردے کہ یہ فتویٰ ہم نے رشوت دیکر نہیں لکھوائے وہ سوال مع جواب درج ذیل ہیں

ع۱ کیا شریعت غرای مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رو سے احکام شریعت عبادات اور معاملات حالات زمانہ کے مطابق ردوبدل ہوسکتے ہیں۔ یا ہوتے رہتے ہیں۔ امتثالاً آج

ہے۔ بیس سال پیشتر ایک ہی ملک میں ہر قسم کا سود حرام قطعی قرار دیا گیا ہو اور اب امتداد زمانہ کے باعث حلت کے درجہ میں آجائے۔ اور ایسے معاملہ میں کوئی تقوی وغیرہ کی ضرورت بھی نہ رہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا دین دنیا سے کوئی علیحدہ چیز نہیں؟

۲۔ کسی حرام ثابت شدہ کے خلاف حلت کا حیلہ تلاش کرنا کہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر حرام شئ حلال ہو جائے۔ ازروئے فقہ حنفی کیا حکم رکھتی ہے؟

درخواست

جن علمائے کرام کی نظر سے یہ تحریر گذرے وہ تمام تحریر کو غور سے ملاحظہ فرماکر اور خشیت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے بقول حافظ لسان الغیب۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند ؛ چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس ؛ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روز داوری ؛ کایں ہمہ قلب و دغل در کار داور می کنند

فتاوی پتہ ذیل پر ارسال فرماویں جو بلاکم وکاست شائع کردئے جائیں گے۔

السائل۔ سراج الدین ضمیر معرفت مطب حقانی لاہور موچی دروازہ کوچہ لوہاران

الجواب: اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب رب انی اعوذبک من ھمزٰت الشیطن واعوذبک رب ان یحضرون۔ احکام قطعیہ منصوصہ میں رد و بدل کا کسیکو اختیار نہیں۔ جو حرام ہیں حرام ہی رہینگے اور جو حلال ہیں حلال۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔ لاتبدیل لکلمٰت اللّٰہ ذالک ھوالفوزالعظیم۔ اللہ کے کلمات بدلے نہیں جاسکتے یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور فرماتا ہے لامبدل لکلمتہ وھوالسمیع العلیم۔ اسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بعض احکام ظنیہ میں مصلحت یا ضرورت یا عموم بلوٰی وغیرہا وجوہ سے علمائے کرام نے زیادت ونقص وخلاف کا حکم دیا۔ اور اسکے نظائر کتب فقہ میں کثیر ہیں کہ متقدمین نے ایک قول

پر فتوے دیا تھا اور متاخرین نے اسکے خلاف پر۔ بعض احکام کہ مرور زمانہ سے متبدل ہو گئے۔ یہ ہیں مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں عورتوں کو مسجد سے روکنا منع تھا۔ کہ ارشاد فرمایا اذا استاذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعنھا[1]۔ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے۔ رواہ البخاری ومسلم والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وفی روایۃ احمد وابو داؤد عنہ وعن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھذا اللفظ۔ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[2]۔ اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

مگر جب حالت زمانہ متغیر ہو گئی اور صلاح فساد سے متبدل ہوا تو خود ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں۔ لو رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء فی زماننا لمنعھن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل[3] یعنی اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں کو دیکھا ہوتا جن کو ہمارے زمانہ کی عورتیں کرتی ہیں۔ تو انکو مسجدوں سے منع فرمادیتے جیساکہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئیں۔ پھر اور زمانہ بدلا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھیوں کو بعض اوقات میں منع فرمایا۔ پھر اور بدلا تو متاخرین نے عورتوں کو مطلقاً منع فرمادیا۔ اور اب اسی پر عمل ہے۔ درمختار میں ہے ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان۔ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ والفتویٰ الیوم علی الکراھۃ فی الصلوات کلھا لظھور الفسق فی ھذا الزمان مگر یہ حقیقۃً مخالفت نہیں۔ بلکہ عین مقصد شارع ہے کہ شریعت مطہرہ کے اصول میں سد باب فتنہ ہے جو چیز ایک وقت میں سبب فتنہ نہ تھی اور اب منجر الی الفتنہ ہے تو اس سے روکا جائیگا۔ اسی وجہ

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ کتاب الاذان۔ باب استیذان المرأۃ زوجہا بالخروج إلی المساجد۔ مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب الصلوٰۃ۔ باب خروج النساء إلی المساجد۔ [2] ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴ کتاب الصلوٰۃ۔ باب ماجاء فی خروج النساء إلی المساجد۔ [3] مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب الصلوٰۃ۔ مصباحی

سے جب اس مذہب مفتی بہ پر صاحب بحر نے اعتراض کیا کہ یہ تو نہ امام اعظم کا مذہب ہے نہ صاحبین کا حیث قال وقد یقال ھذہ الفتوی اللتی اعتمدھا المتاخرون مخالفۃ لمذھب الامام وصاحبیہ فانھم نقلوا ان الشابۃ تمنع مطلقاً اتفاقاً واما العجوز فلھا حضور الجماعۃ عند الامام الا فی الظھر والعصر والجمعۃ ای وعندھما مطلقاً فالافتاء بمنع العجائز فی الکل مخالف للکل فالاعتماد علی مذھب الامام اھ۔ تو صاحب نہر نے جواب دیا کہ یہ امام کے مذہب سے مستفاد ہے۔ لہذا قول امام ہی قرار دیا جائیگا۔ عبارت نہر یہ ہے وفیہ نظر بل ھو ماخوذ من قول الامام وذالک انہ انما منعھا لقیام العامل وھو فرط الشھوۃ بناء علی ان الفسقۃ لا ینتشرون فی المغرب لانھم بالطعام مشغولون فی الفجر والعشاء نائمون فاذا فرض انتشارھم فی ھذہ الاوقات لغلبۃ فسقھم کما فی زماننا بل تحدیھم ایاما کان المنع فیھا اظھر من الظھر اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول مقصد شرع کے بالکل مطابق ہے اور اسے مخالفت حدیث بھی نہ کہینگے۔

صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد کریم تک جمعہ کی صرف ایک اذان تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی پھر زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جب لوگوں کی کثرت ہوئی۔ اور چستی باقی نہ رہی تو ایک اذان کا اضافہ فرمایا کہ اس سے پہلے ہوتی ہے۔ اور وہ ابتک جاری ہے۔ صحیح بخاری شریف میں سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی۔ کان النداء یوم الجمعۃ اولہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء[1]

یونہیں زمانہ متقدمین میں تثویب کو علماء نے بدعت فرمایا تھا مگر جب لوگوں میں سستی آگئی اور اذان سنکر بھی حاضر نہیں ہوتے تو کھٹکھٹانے کی ضرورت ہوئی اور متاخرین نے اسے جائز بلکہ مستحب

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۱۲۴ باب الاذان یوم الجمعہ۔ مصباحی

دستحسن فرمایا۔ درمختار میں ہے۔ ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل ردالمحتار میں ہے لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر ومارأٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللّٰہ حسن اھ[1]

یونہیں مساجد کی آرائش اوران کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش ونگار کہ اگلے زمانہ میں نہ تھا۔ بلکہ حدیث میں فرمایا۔ لتزخرفنھا کما زخرفت الیھود والنصاریٰ[2] تم مسجدوں کی آرائش کروگے جس طرح یہود ونصاری نے آرائش کی ہے۔ رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگراب دلوں کی وہ حالت نہ رہی ظاہری زیب وزینت سے اثر پیدا ہوتا ہے لہذا علماء نے جواز کا حکم دیا۔ بیین میں ہے لایکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب۔

یونہی مساجد کیلئے کنگرے بنانا کہ صدر اول میں نہ تھا۔ بلکہ حدیث میں ارشاد ہوا۔ اتخذ والمساجد واتخذوھا جماء رواہ ابن ابی شیبۃ والبیھقی فی السنن عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی مسجدیں منڈی بناؤ انمیں کنگرے نہ رکھو مگر مسلمانوں میں رائج ہے ومارأٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ یعنی جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔

یوہیں تعلیم علم دین وامامت واذان پر اجرت لینا دینا ممنوع وحرام تھا۔ حدیث میں ارشاد ہوا واتخذ موذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا[3] مؤذن ایسا مقرر کرو جو آذان پر اجرت نہ لے۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد والنسائی عن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث میں ہے۔ اقراء والقرآن ولاتاکلوابہ۔ قرآن پڑھو اور اسکے بدلے میں نہ کھاؤ۔ ہدایہ میں ہے۔ ولایجوز

---

[1] درمختار وردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۶ باب الاذان۔ [2] ابوداؤد ج ۱ ص ۶۵ کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد
[3] ابوداؤد ج ۱ ص ۷۹ کتاب الصلوٰۃ، باب اخذ الاجر علی التاذین۔ مصباحی

الاستیجار علی الاذان والحج وکذ الامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ[1] مگر جب متاخرین نے دیکھا کہ علم دین ضائع ہوجائیگا نماز وجماعت میں کمی واقع ہوگی تو جواز کا فتویٰ دیا ہدایہ میں ہے وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیۃ نفی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ[2] درمختار میں ہے۔ ولا لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان ویجبر المستاجر علی دفع ما قیل فیجب المسمیٰ بعقد واجر المثل اذا لم یذکر مدۃ شرح وھبانیۃ من الشرکۃ[3] طحطاوی میں ہے قولہ ویفتی الیوم بصحتہا ای فی ھذا الزمان لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ وھذا مذھب المتاخرین من مشائخ بلخ استحسنوا ذلک وقالوا بنی اصحابنا المتقدمون الجواب علی ما شاھدوا من قلۃ الحفاظ ورغبۃ الناس فیہم وکان لہم عطیات من بیت المال وانتقاد المتعلمین فی مجازاۃ للاحسان بالاحسان من غیر شرط مروۃ یعینونہم علی معاشہم ومعادہم وکانوا یفتون بوجوب التعلیم خوفاً من ذھاب القرآن وتحریضاً علی التعلیم حتی ینہضوا الاقامۃ الواجب فیکثر حفاظ القرآن واما الیوم فذھب ذلک کلہ واشتغل الحفاظ بمعاشہم وقل من یعمل حسبۃ ولا یتفرغون لہ ایضاً فان حاجتہم تمنعہم من ذلک فلو لم یفتح لہم باب التعلیم بالاجر لذھب القرآن فافتوا بجوازہ لذلک ورأوہ حسنا وقالوا الاحکام تختلف باختلاف الزمان اھ[4]

یہ چند نظائر بیان میں آئے جن میں تبدل زمان سے حکم مختلف ہوگیا۔ اور جس نے کلمات علماء کا تتبع کیا وہ جانتا ہے کہ کلام علماء میں اسکی بہت سی نظیریں ملیں گی کہ زمانہ سابق میں

---

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۳۰۳ باب الاجارۃ الفاسدہ۔ [2] ایضاً۔ [3] درمختار ج ۵ ص ۲۸ کتاب الاجارۃ
[4] طحطاوی علی الدر ج ۴ ص ۳۰ کتاب الاجارۃ۔ مصباحی

اور حکم تھا۔ اور اب کچھ اور۔ طحطاوی کا یہ جملہ "وقالوا الاحکام تختلف باختلاف بالزمان" اس مضمون پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ نیز جواہر اخلاطی میں ہے۔ ھو وان کان احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمکان۔ مگر حقیقۃً ان سب صورتوں میں تبدیل احکام نہیں۔ بلکہ الضرورات تبیح المحذورات پر نظر ہے۔ یا اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما کا لحاظ ایسے امور کی طرف داعی ہوتا ہے۔ یا اختلاف زمانہ و مصالح مسلمین انکی مقتضی ہوتی ہیں کہ یہ حالت اگر زمانہ متقدم میں پائی جاتی تو اس وقت بھی یہی حکم ہوتا جواب ہے اور متقدمین بھی اسی پر فتوے دیتے جس پر متاخرین نے دیا۔

لہذا سوال کا جواب یہ ہے کہ احکام حقیقۃً نہیں بدلتے ہاں بعض احکام صورۃً متغیر ہوجاتے ہیں۔ سود لینا حرام قطعی ہے۔ پہلے بھی حرام تھا اور اب بھی حرام ہے اور ہمیشہ حرام رہے گا۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔ الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس ط ذلك بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف۔ وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئك اصحٰب النار ھم فیھا خلدون۔ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم[1] جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسا وہ شخص کہ اسے شیطان نے چھوکر مخبوط کر دیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے کہا کہ بیع تو نہیں مگر سود حالانکہ اللہ نے سود کو حرام کیا اور بیع کو حلال کیا۔ پس جس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہونچی اور وہ باز آگیا تو اسکے لئے وہ ہے جو گزر چکا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ اور جو اسکے بعد لوٹیں وہ آگ والے ہیں۔ وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا ہے

[1] پ ۳ س بقرہ۔

اور فرماتا ہے یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تو مؤمن ہے اگر ایسا نہ کروگے تو تمہیں اللہ ورسول کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے۔

سود کی حرمت ومذمت میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں کہ انھیں دیکھکر شاید کوئی سود خوار ہدایت پائے اور توبہ کرے۔ واللہ ہو التواب الغفور۔

حدیث (۱) درھم ربوا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشدّ من ستۃ وثلثین زنیۃ[1]۔ جان کر ایک درہم سود کا کھانا چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے رواہ احمد والدارقطنی عن عبداللہ بن حنظلۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث (۲) الربا سبعون حوبا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ[2]۔ سود ستر گناہ ہے ان سب میں ہلکا یہ کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۳) الربوا بضع وسبعون بابا۔ سود کے کچھ اوپر ستر دروازے ہیں۔ رواہ البزار عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۴) الربوا سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امہ رواہ البیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث (۵) الربوا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل امہ وان اربا الربا استطالۃ الرجل فی عرض اخیہ۔ سود کے بہتر دروازے ہیں انمیں کا ادنیٰ ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں سے زنا کرنا اور سب سے بڑھکر سود یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی آبرو میں زبان درازی کرے رواہ الطبرانی عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۶) ابن ابی الدنیا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً راوی۔

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۴۶ باب الربا۔ [2] ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۶۴ باب التغلیظ فی الربا۔ معباتی

الربا اثنان وسبعون حوبا اصغرها حوبا کمن اتیٰ امہ فی الاسلام ودرھم من الربوا اشد من بضع وثلٰثین زنیۃً قال ویاذن اللّٰہ بالقیام للبر والفاجر یوم القیامۃ الا آکل الربا فانہ لایقوم الاکما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس۔ سود بہتر گناہ کے برابر ہے انمیں کا سب سے چھوٹا ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے اسلام لانے کے بعد زنا کرے اور سود کا ایک درہم کچھ اوپر تیس بار زنا سے سخت تر ہے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکوکار و بدکار کو قیام کا حکم فرمائے گا مگر سود خوار کہ یہ نہیں کھڑا ہوگا مگر اس طرح جیسے وہ شخص جس کو شیطان چھو کر مخبوط کر دیتا ہے۔ (آسیب زدہ)

حدیث (۷) خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکر امر الربا وعظم شانہ وقال ان الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عند اللّٰہ فی الخطیئۃ من ست وثلٰثین زنیۃً یزنیتھا الرجل وان اربا الربا عرض الرجل المسلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ بیان فرمایا اور اس میں سود کا ذکر فرمایا اور اسکی حالت کی بُرائی (معصیت میں) بیان فرمائی۔ اور فرمایا کہ آدمی جو سود کا ایک درہم لیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا میں چھتیس بار زنا سے بڑھکر ہے۔ اور سب سے بڑھکر سود مرد مسلمان کی آبرو لینا ہے۔ رواہ ابن ابی الدنیا والبیھقی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

حدیث (۸) من اعان ظالما بباطل لیدحض بہ حقا فقد بری من ذمۃ اللّٰہ وذمۃ رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن اکل درھما من ربا فھو مثل ثلثۃ وثلٰثین زنیۃ ومن نبت لحمہ من سحت فالنار اولی بہ۔ جس نے ظالم کی باطل کے ساتھ اعانت کی اسلیے کہ کسی حق کو لغزش دے وہ اللہ و رسول کے ذمہ سے بری ہوگیا۔ اور جس نے ایک درہم سود کا کھایا تو وہ مثل تینتس ۳۳ بار زنا کے ہے۔ اور جو گوشت حرام سے اوگا اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث (۹) اجتنبوا السبع الموبقات قالو یارسول اللّٰہ وما ھن قال الشرک باللّٰہ

والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات[1] سات ہلاک کرنیوالی چیزوں سے بچو لوگوں نے عرض کی وہ کیا ہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور جادو اور اس نفس کو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ ناحق قتل کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور لڑائی کے دن پیٹھ پھیرنا اور مسلمان پارسا عورت پر تہمت لگانا جو زنا سے غافل ہے۔ رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۰) لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[2] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اسکا کاغذ لکھنے والے اور اسکی گواہی کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسی کی مثل بالفاظ مختلفہ مسلم ونسائی وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ وابن حبان وابن خزیمہ وابویعلی وامام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث (۱۱) لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الواشمۃ والمتوشمۃ واٰکل الربا وموکلہ وینھی عن ثمن الکلب وکسب البغی ولعن المصورین[3] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گودنے والی اور گودوانے والی اور سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی اور کتے کے دام اور زانیہ کی اجرت سے منع فرمایا اور مصوروں پر لعنت فرمائی رواہ البخاری وابوداؤد عن ابی جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۲) اربع حق علی اللہ ان لا یدخلھم الجنۃ ولا یذیقھم نعیمھا لامن الخمر۔ واٰکل الربا واٰکل مال الیتیم بغیر حق والعاق لوالدیہ۔ چار شخص ایسے ہیں

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۶۴ باب الکبائر واکبرہا۔ [2] مسلم ج ۲ ص ۲۷ کتاب الربا۔ [3] بخاری ج ۱ ص ۲۹۸ کتاب البیوع، مسباق

کہ اللہ پر ثابت ہے کہ انھیں نہ جنت میں داخل کرے اور نہ اسکی نعمت کا انھیں مزہ چکھائے شراب کی مداومت کرنیوالا اور سود کھانیوالا اور یتیم کا مال ناحق کھاجانیوالا اور اپنے ماں باپ کا نافرمان۔ رواہ الحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حدیث (۱۳) اذا ظھر الربا والزنا فی قریۃ فقد احلوا بانفسھم عذاب اللہ جب کسی بستی میں سود اور زنا کا ظہور ہو تو انھوں نے اپنے اوپر عذاب خدا کو حلال کرلیا۔ رواہ الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اسی کے مثل ابو یعلی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

حدیث (۱۴) مامن قوم یظھر فیھم الربا الا اخذوا بالقحط ومامن قوم یظھر فیھم الرشا الا اخذوا بالرعب۔ جس قوم میں سود کا ظہور ہوگا قحط میں گرفتار ہوگی۔ اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہوگا۔ رعب میں ماخوذ ہوگی۔ رواہ احمد عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ وفی اسنادہ مقال۔

حدیث (۱۵) بین یدی الساعۃ یظھر الربا والزنا والخمر۔ قیامت کے پہلے سود خواری و زناکاری و شراب خوری کا ظہور ہوگا۔ رواہ الطبرانی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حدیث (۱۶) یأتی اٰکل الربا یوم القیٰمۃ مخبلا یجر شفتیہ ثم قرأ لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس۔ سود خوار قیامت کے دن مجنوں کیطرح آئیگا اپنے ہونٹ گھسیٹتا ہوگا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ رواہ الطبرانی والاصبہانی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حدیث (۱۷) ما احد اکثر من الربا الا کان عاقبتہ امرہ الی قلۃ [1] جس نے سود سے مال بڑھایا اس کا انجام کم ثلت ہے۔ رواہ ابن ماجہ والحاکم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

---

[1] ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۶۵ باب التغلیظ فی الربا۔ مصباحی

حدیث (۱۸) قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخرجانی الی ارض مقدسۃ فانطلقنا حتیٰ اتینا علیٰ نہر من دم فیہ رجل قائم وعلی وسط النہر رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النہر فاذا اراد الرجل ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیہ فردہ حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت من ھذا فقال الذی رأیتہ فی النہر اٰکل الربا[1] فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آج رات میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے زمین مقدس کی طرف لے گئے۔ پھر ہم ایک خون کی نہر پر پہنچے۔ اس نہر میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور ایک شخص نہر کے کنارہ پر تھا۔ اسکے سامنے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ وہ نہر والا شخص ادھر متوجہ ہوتا اور جب نہر سے نکلنا چاہتا تو یہ دوسرا شخص اسکے منہ میں پتھر مار کر وہیں لوٹا دیتا جہاں تھا پھر جب کبھی وہ نکلنے کیلئے آتا یہ شخص پھر پتھر مارتا کہ وہ لوٹ کر وہیں پہنچتا جہاں تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے تو جواب دیا جس کو آپ نے نہر میں دیکھا سود خوار تھا۔ رواہ البخاری عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی الحدیث قصۃ طویلۃ

حدیث (۱۹) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت لیلۃ اسری بی لما انتھینا السماء السابعۃ فنظرت فوقی فاذا انا برعد وبروق وصواعق۔ قال فاتیت علی قوم بطونھم کالبیوت فیھا الحیات تریٰ من خارج بطونھم قلت یاجبریل من ھؤلاء قال ھؤلاء اکلۃ الربا[2] فرماتے ہیں شب معراج جب ہم ساتویں آسمان پر پہونچے۔ میں نے اپنے اوپر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کڑک گرج اور کوندے اور بجلیاں ہیں۔ پھر میں ایک قوم کے پاس گیا جنکے پیٹ گھر کے مثل ہیں (بڑے بڑے) اور ان میں سانپ ہیں کہ پیٹ کے باہر سے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے کہا اے جبریل

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۲۸۰ باب اکل الربا وشاھدہ وکاتبہ۔ [2] ابن ماجۃ ص ۱۶۴۔ مصباحی

یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا یہ سود خوار ہیں۔ رواہ احمد وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ چند حدیثیں ذکر کی گئیں جن سے سود کی حرمت و شناعت ظاہر اور اسکا گناہ کبیرہ ہونا عیاں۔ مسلمانوں پر لازم کہ ایسی قبیح شئ سے اپنے کو بچائیں اور عذاب آخرت سے ڈریں کہ اگرچہ بظاہر اسکا نام سود ہے۔ مگر حقیقۃً اسمیں ضرر شدید ہے۔ یہ تو سود کے متعلق حکم تھا مگر بعض جگہ صورۃً ربا ہے۔ اور حقیقۃً ربا نہیں۔ اسکے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ مثلاً حربی کے ہاتھ دارالحرب میں ایک روپیہ دو روپیہ کو بیچا یا اسے قرض دیا اور زیادہ لینا ٹھہرالیا۔ یہ صورۃً ربا ہے۔ حقیقۃً ربا نہیں۔ کہ کافر حربی کا جو مال بلا غدر حاصل ہو وہ حلال خالص ہے۔ اسی واسطے یہ ارشاد ہوا۔ کہ لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب۔ یعنی ربا ہی نہیں نہ یہ کہ سود تو ہے مگر جائز ہے۔ ایسا ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ یجوز الربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب۔ حقیقۃً ربا ہونے کیلئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے کہ جو مال مباح ہو اگر اس میں بھی ربا ہو تو لینا حرام ہوگا۔ پھر مباح کہاں ہوا اور معصوم وغیر معصوم میں کیا فرق رہا۔ طحطاوی علی الدر میں ہے۔ شرط الربا عصمۃ البدلین جمیعا۔ اور اسی وجہ سے ہدایہ و فتح القدیر وعنایہ وجامع الرموز وجوہرہ نیرہ وبحرالرائق ودرر ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں کافر حربی ومسلم میں سود نہ ہونے کی علت یہ بیان فرماتے ہیں۔ لان مالھم مباح فی دارھم کہ انکا مال مباح وغیر معصوم ہے۔ اور ایسا مال جس طرح مل سکے لے سکتے ہیں۔ سوا غدر کے کہ غدر حرام ہے۔ اور جو مسلمان دارالحرب میں امان لیکر گیا ہے غدر کر نہیں سکتا۔ لہذا یہ شرط لگائی کہ جو مال انکی رضامندی سے ملے وہ جائز ہے۔ اور اگر امان لیکر نہ گیا ہو تو جس طرح بھی وہاں سے مال لائے گا حلال ہوگا کہ فی نفسہٖ وہ مال مباح ہے۔ اور غدر پایا نہ گیا لہذا حلال خالص ہے۔ اور یہ قطع نظر حدیث لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب کے اس صورت میں سود نہ ہونے کی ایک مستقل علت ہے۔ لہذا امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ معترضین کا جواب دیتے ہوئے اس کے علت مستقلہ ہونے کا افادہ فرماتے ہیں۔ حیث قال

ان المطلقات مراد بمحلها المال المحظور بحق لمالکہ ومال الحربی لیس محظورا الا
لتوقی الغدر وھذا التقریر فی التحقیق یقتضی انہ لولم یرد خبر مکحول اجازہ النظر
المذکور اعنی کون مالہ مباحا الا لعارض لزوم الغدر[1] نیز ہدایہ وتبیین وبحر وغیرہا نے
بھی اسکی طرف اشارہ کیا کہ عدم ربا کی دو دلیلیں ذکر کیں۔ ایک حدیث دوسری یہ کہ انکا مال
مباح ہے تو ثابت کہ ربا کیلئے عصمت شرط۔ واذا فات الشرط فات المشروط۔ اور اسی عدم
عصمت کی بنا پر ہر ایسے طریق سے جسمیں غدر نہ ہو حربی کا مال لے سکتے ہیں۔ کہ یہاں اسکے
سوا حرمت کی کوئی صورت ہی نہیں اور جو اسباب اخذ مال کیلئے استعمال کئے جائیں وہ سب
بنظر ظاہر ہیں۔ حقیقت میں ہمیں اس چیز کا لینا ہے۔ جو ہمارے لئے حلال ہے۔ اور یہ
ظاہری صورت غدر سے بچنے کیلئے ہے مثلاً حربی سے کسی معاملہ میں شرط لگائی۔ اور جیت لی
تو جو مال ملا جائز ومباح ہے۔ اور مسلمان یا ذمی سے ایسا ہو تو حرام۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالی
فتح القدیر میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ جس نے اسکا جواز ثابت۔ وہ یہ ہے۔ ان ابا بکر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل الھجرۃ حین انزل اللہ تعالیٰ الم غلبت الروم الآیۃ قالت لہ
قریش ترون ان الروم تغلب قال نعم فقال ھل لک۔ ان تخاطرنا فخاطرھم فاخبر
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذھب الیھم فزد فی
الخطر ففعل وغلبت الروم فارسا فاخذ ابو بکر خطرہ فاجازہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو القمار بعینہ
مشرکی مکۃ وکانت مکۃ دار شرک[2] ۔ اس مضمون کے نصوص شروح و
فتاویٰ میں بکثرت مذکور کہ جس طرح مال حربی ملے لینا جائز ہے۔ بعض دیگر عبارات ذکر کی جاتی
ہیں۔ ہدایہ میں ہے ولان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا
مباحا بلا غدر[3] فیملکہ بحکم الاباحۃ السابقۃ۔ شلبیہ علی الزیلعی میں ہے۔ المسلم الذی

[1] فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸ باب الربا۔ [2] فتح القدیر باب الربا ج ۶ ص ۱۷۸۔ [3] ہدایہ ج ۳ ص ۸۶ باب الربا۔ مصباحی

دخل دار الحرب بامان اذا باع درھما بدرھمین او باع خمراً اوخنزیراً او میتۃ او قامر واخذ المال یحل غایہ۔ بحرالرائق ودر میں ہے لان مالھم مباح وبعقد الامان منھم لم یصر معصوما الا انہ التزم ان لایتعرض لھم بغدر ولا لما فی ایدیھم بدون رضاھم فاذا اخذ برضاھم اخذ مالا مباحا بلاغدر، فیملکہ بحکم الاباحۃ السابقۃ تبیین میں ہے لاربا بینھما فی دارالحرب وکذلک اذا تبایعا بیعا فاسداً فی دارالحرب فھوجائز لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب ولان مالھم مباح وبعقد الامان لم یصر معصوما الا انہ التزم ان لایغدرھم و لایتعرض لما فی ایدیھم بدون رضاھم فاذا اخذہ برضاھم فقد اخذ مالا مباحا بلاغدر فیملکہ بحکم الاباحۃ السابقۃ اذ تاثیر الامان فی تحقیل التراخی دون التملک فکان الملک فی حق الحربی زائلا بالتجارۃ کما رضی بہ وفی حق المسلم ثابتا لاستیلائہ علی مال مباح بخلاف المستامن منھم فی دارنا لان مالہ صار محظورا بعقد الامان۔ درمختار میں ہے لان مالہ ثمہ مباح فیحل برضاہ مطلقاً بلاغدر۔ طحطاوی میں ہے ولو بعقد فاسد۔ اور ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے کماھو ثابت من ردالمحتار وحقق شیخنا رضی اللہ تعالٰی عنہ فی فتاواہ بادلۃ واضحۃ وبراھین لامعۃ بما لامزید علیہ۔ مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن کما ھو ظاھر لمن لہ ادنٰی معرفۃ۔ تو ضرور حربی ہوئے اور انکے افعال بھی صاف بتارہے ہیں کہ ان کے حربی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت کا انھیں ڈر نہ ہو تو مسلمانوں کی ایذا میں کیا نہ کریں۔ اور اب جو موقع پاتے ہیں تو کیا اٹھا رکھتے ہیں۔ لایالونکم خبالا قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر۔ لہٰذا یہاں کے کفار سے جو مال بتراضی ملے مباح خالص وحلال محض ہے۔ وہ روپے کہ انجمن کو وصول ہوئے اگر دینے والے نے کسی مسلمان سے سود لیکر دیئے تو حرام ہیں۔ انجمن انھیں واپس دے۔ اور وہ

مسلمان کو جس سے لئے ہیں۔ اور اگر مالک کا پتا نہ چلے یا مر گیا اور کوئی وارث بھی نہ چھوڑا تو حقِ فقراء ہے۔ تصدق کرنا واجب کہ ایسے مال کا یہی حکم ہے اور اس صورت میں انجمن کے مستحقین طلبہ پر بھی صرف کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ روپے کسی کافر سے لئے ہیں جب تو کوئی قباحت ہی نہیں کہ یہ سود ہی نہیں۔ اور اگر اسے سود کہکر یا سمجھکر لیا تو برا کیا کہ حلال کو حرام سمجھا۔ مگر اب بھی اسکے سود کہدینے سے سود نہ ہوگا۔ کہ اگرچہ عقود میں لفظ کا اعتبار ہے۔ مگر جبکہ اپنے محل میں ہو اور یہ محل رہا ہی نہیں۔ یہ سب امور عبارات سابقہ سے روشن و ظاہر اعادہ کی حاجت نہیں۔ ولہ نظائر کثیرۃ لا تخفیٰ علی من طالع الکتب۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۲۔ حیلہ جائز۔ قرآن و حدیث و فقہ سے ثابت۔ اسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک شئی کے دو طریق ہیں۔ ایک جائز دوسرا ناجائز۔ اس ناجائز طریق کو چھوڑا جائے اور جائز طریقہ اختیار کیا جائے تو جو چیز جائز طریقہ سے حاصل ہوتی۔ اسکے جواز میں کیا شبہ اور حیلہ کرنے والے کی مراد ہی یہ ہے کہ میں حرام سے بچوں۔ تو جب اسکی نیت حرام سے بچنے کی ہے اور بچا بھی تو اس پر کون سا جرم ہوا۔ گناہ حرام کے ارتکاب میں ہے۔ نہ کہ اس سے احتراز میں خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسکے سر الزام رکھنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کو چاندی خریدنی ہے۔ اور چودہ آنے بھری چاندی بک رہی ہے تو اگر روپیہ دیکر ایک روپیہ بھر چاندی لی اور دو آنے پیسے یا دوانی واپس لی یا مشتری نے چاندی کی تین چوانیاں اور ایک دوانی دیکر خریدی تو یہ سود و حرام ہوا کہ حدیث میں ارشاد ہوا۔ الفضۃ بالفضۃ مثلا بمثل یدا بید و الفضل ربا والذھب بالذھب مثلا بمثل یدا بید والفضل ربا۔ لہذا اس نے اس حرام سے بچنے کیلئے یہ کیا کہ روپئے کے پیسے خریدے اور چودہ آنے پیسے یا کچھ پیسے اور کچھ چاندی کے عوض چاندی خریدی تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ اسنے برا کیا۔ اور اسے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ تو چاندی ہی سے چاندی خرید۔ اگرچہ دوسری صورت میں تیرا فائدہ ہے۔ اور شریعت نے یہ طریقہ جائز بھی رکھا ہے مگر تو اختیار نہ کر۔ جو امر شریعت میں جائز ہے۔ اسے کون ممنوع کہہ سکتا ہے۔

کہ ارشاد ہوا۔ اذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1] اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی کی روایت انھیں سے یوں ہے۔ ولکن بیعوا الذھب بالورق والورق بالذھب والبر بالشعیر بالبر والتمر بالملح والملح بالتمر یدا بید کیف شئتم۔ اللہ عزوجل حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم پوری کرنے کا حیلہ یہ تعلیم فرماتا ہے۔ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ[2] بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجور حاضر لائے۔ ارشاد فرمایا۔ یہ تمر کہاں سے لائے۔ عرض کی۔ کان عندنا تمر ردئ فبعت منہ صاعین بصاع۔ ہمارے یہاں خراب کھجوریں تھیں انکے دو صاع کے بدلے میں ان کا ایک صاع خریدا۔ فرمایا اوہ عین الربا عین الربا لاتفعل۔ اف یہ تو خالص سود ہے۔ خالص سود ہے ایسا نکرو پھر ارشاد فرمایا۔ ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتربہ۔ ہاں اگر خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں کسی اور شئی کے بدلے بیچو پھر اس سے خریدو۔ رواہ البخاری ومسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو سعید خدری و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لناخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلث فقال فلا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا[3] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل کرکے بھیجا تھا۔ وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب حاضر لائے ارشاد فرمایا کیا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ عرض کی نہیں۔ خدا کی قسم یا رسول اللہ ہم اسکے ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں اور دو صاع

[1] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۔

[2] پ ۲۳ سورہ ص۔ [3] باب الربا۔ مسلم ج ۲ ص ۲۶ باب الربا۔ مصباحی

کو تین صاع کے عوض میں خریدتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ایسا نہ کرو۔ اپنے چھوہارے روپے سے بیچو۔ پھر روپے سے انھیں خریدو۔ ان دونوں حدیثوں کا صریح مفاد یہی ہے کہ جس چیز کی خریداری مقصود ہے۔ اسکو اسی جنس سے خریدیں۔ تو کھلا سود ہے۔ اس سے بچنے کیلئے طریقہ بدلا گیا کہ مقصود بھی حاصل ہو اور سود بھی نہ ہو۔ اسی کو حیلہ کہتے ہیں۔ کہ مقصود حاصل ہو اور محذور شرعی سے اجتناب ہو۔

امام قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں حیلہ کی ایک مستقل فصل ذکر فرمائی فصل فیما یکون فرارا عن الربا۔ اس فصل میں ان باتوں کا ذکر ہے جن میں سود سے گریز ہو۔ اور اس میں متعدد صورتیں ایسی ذکر کیں کہ آدمی خاطر خواہ نفع حاصل کرے اور سود نہ ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بیع عینہ کو جائز بتایا بلکہ کرنے والے کو ماجور فرمایا۔ ردالمحتار میں ہے عن ابی یوسف العینۃ جائزۃ ماجور من عمل بہا۔ فتح القدیر میں ہے قال ابو یوسف لایکرہ ھذا البیع لانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ وحمدوا علی ذلک ولم یعدوہ من الربا بحر میں ہے لاباس بالبیوع التی یفعلہا الناس للتحرز عن الربا۔

کسی کے پاس زمزم شریف ہے جسے تبرک وغیرہ کیلئے لیجاتا ہے اور وہ اتنا ہے جس سے وضو ہو سکے اور دوسرا پانی وہاں نہیں جس سے وضو کرے اور زمزم کو وضو میں صرف کرنا نہیں چاہتا تو تیمم کیونکر جائز ہو اسکا حیلہ فتاوی خانیہ و فتح القدیر و غنیہ و بحر و درمختار و حلیہ وغیرہا کتب میں مذکور۔ درمختار میں ہے۔ حیلۃ جواز تیمم من معہ ماء زمزم ولا یخاف العطش ان یخلطہ بما یغلبہ او یہبہ علی وجہ یمنع الرجوع[1]۔ ردالمحتار میں ہے یہبہ ای ممن یثق بانہ یردہ علیہ بعد ذلک فافہم[2]۔ کسی فقیر پر اسکے روپے آتے ہیں اور یہ چاہتا ہے کہ وہ روپے زکاۃ میں ادا ہو جائیں اسکا حیلہ یہ تعلیم فرمایا کہ مدیون کو روپے دیدے پھر اپنے آتے ہوئے میں وصول کرلے نہ دے تو چھین لے یا زکاۃ کے روپے کفن میت یا تعمیر مسجد میں صرف کرنا چاہتا ہے تو یہ فقیر کو دیدے پھر وہ فقیر ان چیزوں میں صرف کرے

[1] درمختار ج ۱ ص ۱۸۶ باب التیمم۔ [2] ردالمحتار ایضاً۔ مصباحی۔

درمختار میں ہے۔ وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مالغہ رفعہ للقاضی وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد وتمامہ فی حیل الاشباہ۔

یہ چند مثالیں حیلہ کی ذکر کی گئیں مسئلہ کی وضاحت کیلئے اتنی بس ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ عبداللہ از موضع درو۔ ضلع نینی تال۔ ۱۳ صفر ۱۳۴۱ھ

میں نے ایک شخص کی زبانی یہ سنا ہے کہ اعلیٰ حضرت گندم کی اور جو اور بھوسہ کی تجارت کو ناجائز فرماتے تھے۔ ؟

الجواب:۔ یہ کسی نے غلط کہدیا۔ گیہوں اور جو اور بھس کی تجارت جائز ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا اختلف ھذہ الاوصاف فبیعوا کیف شئتم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسؤلہ سید حسین علی صاحب ساکن اجمیر شریف محلہ خادمان ۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نوٹ حسب ذیل عمل کے ساتھ بیع کیا۔ یہ صورت حدِ جواز کے اندر ہے یا نہیں یعنی اسی طرح عمل جائز ہوگا یا کوئی اور صورت سے اسطرح لینا اور بیچنا دونوں جائز ہیں یا نہیں ؟

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن فلاں ہوں۔ جو کہ دس دس کے ۱۰ عدد نوٹ کرنسی اور سو سو کے دو عدد نوٹ کرنسی جملہ تین سو کے کرنسی نوٹ میں مبلغ چار سو روپے سکہ سیمی رائج الوقت فلاں ابن فلاں ساکن فلاں سے خرید کئے ہیں۔ اور اقرار یہ ہے کہ روپے تین سال میں ادا کرونگا اور ہر نو ماہ بعد ایک قسط دونگا اور کوئی قسط ایک سو روپے سکہ سیمی سے کم نہ ہوگی۔ بعوض اس روپے کے اطمینان کی خاطر میں اپنی فلاں جائداد زمین ومکان رہن مکفول کرتا ہوں جو آجتک کسی کے پاس رہن وگرانبار نہیں ہے۔ اور جبتک یہ روپیہ باقی رہے گا یہ جائداد

رہن مکفول رہے گی اگر تین سال کے اندر میں زر مذکور کو ادا نہ کرسکوں تو فلاں کو اختیار ہوگا کہ جائداد کو بیع کرکے زر مذکور وصول کرلیں۔ اس واسطے یہ چند کلمے بطور رہن مکفول جائداد کے لکھدئے کہ سند رہے۔ اور بوقت ضرورت کام آئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تین سو کے نوٹ چار سو کو بیچنا جائز ہے۔ کہ نوٹ کاغذ ہے چاندی نہیں حدیث میں فرمایا۔ اذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم، امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں فرماتے ہیں لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ، اور بیع نقد ہو یا ادھار دونوں طرح جائز ہے کہ یہاں نہ اتحاد جنس ہے نہ قدر، کہ نوٹ نہ کیلی ہے نہ وزنی اور روپیہ وزنی اور جب قدر و جنس کسی میں شرکت نہ ہو تو کم و بیش بھی جائز اور نسیہ بھی کما ھو مصرح فی عامۃ الکتب وان شئت تفصیل المسئلۃ فانظر الی کفل الفقیہ الفاھم فان فیہ مباحث نفیسۃ تقربھا العیون واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیل بھینس اور گائے کا اس غرض سے خریدنا کہ اس کا گوشت خشک کرکے پرونجات میں بھیجکر غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کرکے فائدہ اٹھایا جائے اور تجارت کی جائے جائز ہے یا نہیں مسلمان ایسے گوشت کو خرید کر کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جبکہ جانور حلال بسم اللہ اللہ اکبر کرکے ذبح کیا تو حلال ہوگیا اور اس گوشت کو مسلم و کافر سب کے ہاتھ فروخت کرسکتے ہیں، اور یہ گوشت جس طرح تازہ حلال و پاک ہے سوکھنے کے بعد بھی حلال و پاک ہے، گیلی چیز سوکھ کر ناپاک نہیں ہوتی، ہاں اگر سوکھانے میں کسی نجس چیز کی آمیزش کرتے ہوں تو ناپاک ہوجائے گا ورنہ نہیں، اور جب وہ حلال ہے تو مسلمان بھی خرید سکتے ہیں اور کھا سکتے ہیں، سوکھے گوشت کھانے کا ذکر بہت احادیث میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از موضع ٹرد بیل ڈاکخانہ محی پور ضلع رنگپور مسئولہ منشی کبیر الدین صاحب ۶ ربیع الآخر ۴۲ھ

۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ملک بنگال میں عام رواج ہے کہ پاٹ یا دہاں خواہ دوسری چیزوں پر۔ روپیہ پیشگی اس شرط پر قبل فصل بھاؤ طے کرکے وہاں خواہ پاٹ یا غیر چیز وغیرہ وغیرہ کو دو روپیہ خواہ چار روپیہ من ہم تم سے لینگے غریب لوگ اپنی غرض تصور کرکے اسی طرح کا لین دین کرتے ہیں۔ لہذا قبل فصل بھاؤ مقرر کرکے روپیہ پیشگی سب چیزوں پر لین دین کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔؟

۲ ملک ہندوستان خواہ ملک بنگال میں غلام خواہ باندی خرید کرکے رکھنا اور باندی کیساتھ جو زر خرید ہے مباشرت کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب :(۱)۔ یہ بیع سلم ہے اگر اسکے سب شرائط پائے جائیں تو جائز ہے اصلاً اس میں حرج نہیں اسکے شرائط میں بیان جنس ونوع وصفت ہے اور بیان میعاد، اور وہ میعاد ایک ماہ سے کم نہ ہو اور وہ چیز وقت عقد سے ختم میعاد تک بازار میں ملتی ہو اور مجلس عقد میں بائع کو ثمن دیدیا جائے۔ وغیر ھذہ کما ھو مصرح فی کتب الفقہ[۱] حدیث میں فرمایا۔ من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم واجل معلوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱] بیع سلم کے جواز کی کل چودہ ۱۴ شرطیں ہیں۔ اگر ایک شرط بھی کم ہوئی تو یہ بیع ناجائز اور سود ہو جائیگی۔ ۱۔ مبیع کی جنس بیان کرنا مثلاً گیہوں یا دھان یا چاول یا پاٹ۔ لہذا اگر صرف یہ کہا کہ غلہ لیں گے تو بیع ناجائز ہو جائے گی۔ ۲۔ جنس اگر کئی قسم کی ہو تو اسکی قسم کا متعین کرنا بھی شرط ہے جیسے آجکل مختلف قسم اور مختلف نام کے چاول، دھان پائے جاتے ہیں، لہذا اگر صرف یہ کہا کہ چاول دیں گے یا کہا دھان دینگے اور چاول یا دھان کی قسم معین نہ کی تو بیع ناجائز ہے ۳۔ صفت کا بیان کرنا مثلاً یہ کہ عمدہ قسم کا دے گا یا خراب ۴۔ مقدار متعین کرنا یعنی یہ کہنا کہ اتنا من یا اتنا کیلو ۵۔ میعاد متعین کرنا جو ایک ماہ سے کم نہ ہو ۶۔ وہ چیز ایسی ہو جسکی باربرداری صرف کرنی پڑتی ہو وہ جگہ بھی معین کرنا شرط ہے جہاں ادا کرنا ہے ۷۔ ثمن کی تعیین بھی شرط ہے مثلاً کاغذی نوٹ روپے یا اشرفی ۸۔ اگر ثمن چند قسم کا ہوتا ہو مثلاً مختلف قسم کے سکے یا نوٹ رائج ہوں تو قسم بھی معین کرنا شرط ہے

الجواب (۲) باندی غلام کا رکھنا ہندوستان یا بنگال میں شرعاً ممنوع نہیں اور کنیز شرعی کے ساتھ وطی بھی جائز ہے اور باندی وہ ہے جو جہاد میں بطور غنیمت حاصل ہوتی ہے جب تک وہ آزاد نہ ہو کنیز ہے اسکی بیع جائز اور جس نے خریدی وہ وطی بھی کر سکتا ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ یونہیں باندی کی اولاد جو غیر مولٰے سے ہو غلام ہے، اور اس کے بھی وہی احکام۔ بعض لوگ گرانی وغیرہ کسی وجہ سے اپنی اولاد کو بیچ ڈالتے ہیں یہ بیچنا اور خریدنا حرام اور یہ نہ باندی ہے

بقیہ حاشیہ صـــ کا بعـ۹ اگر ثمن کھرا کھوٹا ہر طرح کا ہوتا ہو تو کھرے یا کھوٹے کا بیان کر دینا بھی شرط ہے ۱۰ اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اسکے ہر ٹکڑے کے مقابل مبیع کا ٹکڑا ہوتا ہو تو ایسے ثمن کی مقدار کا تعین بھی ضروری ہے مثلاً گیہوں، چار سو ۴۰۰ روپے کرنسی نوٹ کے ایک کوئنٹل ہوں تو ایک من کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے ہونگے اور ایک کیلو کے چار ۴ روپے، فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ دسوں شرائط خاص عقد بیع میں کرنا ضروری ہیں عـ۱۱ اسی مجلس میں ثمن ادا کرنا شرط ہے لہذا اگر پوری گفتگو ہو جانے کے بعد ثمن دیئے بغیر بائع مشتری متفرق ہو گئے تو یہ عقد فاسد و ناجائز ہو جائیگا حتی کہ اگر مشتری مجلس سے اٹھکر کہیں روپئے لینے گیا اور بیچنے والے کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو عقد فاسد ہو گیا عـ۱۲ وہ چیز عقد سے ختم میعاد تک بازار میں ملتی ہو لہذا اگر یہ کہا کہ فلاں دھان مثلاً باس موتی تو ضروری ہے کہ وہ دھان وقت عقد سے وقت ادا تک بازار میں بآسانی ملتا ہو اگر وقت عقد سے ادائیگی کے درمیان بازار سے مفقود ہو جائے تو عقد فاسد ہو جائے گا عـ۱۳ خیار شرط نہ ہو عـ۱۴ خیار رویت نہ ہو۔ (ملخصاً از فتاوی رضویہ) درمختار و ہدایہ میں ہے۔ ولا یصح السلم عند ابی حنیفۃ الا بسبع شرائط جنس معلوم کقولنا حنطۃ او شعیر ونوع معلوم کقولنا سقیۃ او بخسیۃ وصفت معلومۃ کقولنا جید او ردی ومقدار معلوم کقولنا کذا کیلا بمکیال معروف او کذا وزنا واجل معلوم ومعرفۃ مقدار رأس المال اذا کان یتعلق العقد علی مقدارہ کالمکیل والموزون والمعدود وتسمیۃ المکان الذی یوفیہ اذا کان لہ حمل ومؤنۃ ہدایہ جلد ۳ کتاب البیوع ص ۹۵ واللہ تعالٰی اعلم - آل مصطفٰے مصباحی

نہ غلام نہ اسکے لئے وہ احکام اگرچہ بیچنے والا کافر ہو۔ ردالمحتار میں ہے۔ ھم ارقاء بعد الاستیلاء علیھم اما قبلہ فاحرار لما فی الظھیریۃ وفی المحیط دلیل علیہ۔ یوہیں بعض لوگ لاوارث یا غریبوں کے بچوں کو پال لیتے ہیں اور انھیں لونڈی غلام کہتے ہیں یہ شرعاً لونڈی غلام نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ مولوی شفاء الرحمن طالب العلم مدرسہ اہلسنت بریلی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ وہ شخص جو اپنی بھینس یا گائے یا بکری کی پرورش اکثر یا گاہے غیر کے چارہ وگھاس سے بلا اجازت بلکہ جبراً کرتا ہے اس سے ان جانوروں کا دودھ خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ گائے بھینس جانور نے جو دوسرے کی چیز کھائی وہ مستہلک ہوگئی دودھ گوشت گھی وغیرہ پر حکم حرمت نہیں آسکتا ہاں بطور ورع اگر کوئی بچے تو یہ امر آخر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از بریلی شریف ڈاکخانہ انبریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب حاجی کفایت حسین صاحب ۷ شعبان المعظم ۴۷ھ :۔ بیع سلم کی کیا تعریف ہے؟

الجواب :۔ بیع سلم اسکو کہتے ہیں کہ قیمت کسی چیز کی اب دیجائے اور وہ چیز آئندہ لینا قرار پائے مثلاً اس وقت کسی کو دس روپئے دیئے اور ٹھہرایا کہ مثلاً دو مہینے کے بعد وہ شخص ان کے عوض میں دو من گیہوں دیگا تو یہ سلم ہے اسکے جواز کی چند شرطیں ہیں۔ اگر وہ سب پائی جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ بیان جنس مثلاً گیہوں یا جو۔ بیان نوع مثلاً سرخ گیہوں یا سفید، بیان صفت یعنی کھرے یا خراب۔ یوہیں جنس ثمن مثلاً روپیہ یا اشرفی اور بیان نوع جبکہ متعدد قسم کے سکے رائج ہوں اور بیان صفت، اور بیان مقدار مثلاً اتنے من اتنے روپئے کے بدلے ہیں۔ میعاد کا بیان اور وہ میعاد ایک ماہ سے کم نہ ہو، مکان تسلیم یعنی

ے درمختار میں ہے۔ السلم۔ بیع اٰجل وھو المسلم فیہ بعاجل وھو راس المال ۱۲ (ج ۴ ص ۲۲۶ باب السلم) مصباحی

وہ چیز کہاں پر مشتری کو بائع دیگا اسکی ضرورت اس وقت ہے جب وہ چیز ایسی ہو جسکی بار برداری صرف کرنی پڑتی ہو اور مجلس عقد میں ثمن بائع کو سپرد کر دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از شہر اندر محلہ نیا پورہ مرسلہ جناب ماسٹر عبد الغفار صاحب دوکاندار ۵ ارجمادی الاولیٰ ۸ھ

ایک مسلمان دوکاندار حنفی مذہب متفرق سامان بہت کم منافع پر فروخت کرتا ہے اور خریدار اسکے وہاں سے مال نقد اور ادھار ہر دو طریقے سے خرید کرتے ہیں۔ اب چونکہ وہ کم منافع سے مال فروخت کرتا ہے اگر ادھار مال نقد کے نرخ سے ہی فروخت کرے تو اسے کوئی منافع اسکی تجارت میں نہیں ہو سکتا کیونکہ ادھار کے روپیہ کم از کم ایک ماہ دو ماہ میں وصول ہوتے ہیں اگر ایسی حالت میں دوکاندار نقد مال کے نرخ سے ادھار مال زیادہ نرخ سے فروخت کرے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب :۔ بیع میں ثمن کا معین کرنا ضروری ہے درمختار میں ہے وشرط لصحتہ معرفۃ قدر مبیع وثمن[1] اور جب ثمن معین کر دیا جائے تو بیع چاہے نقد ہو یا ادھار سب جائز ہے اسمیں ہے وصح بثمن حال ومؤجل الی معلوم[2] اور یہ بھی ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کو کم یا زیادہ، جس قیمت پر مناسب جانے بیع کرے، تھوڑا نفع لے زیادہ شرع سے اسکی ممانعت نہیں، مگر صورت مسئولہ میں یہ ضرور ہے کہ نقد یا ادھار دونوں سے ایک صورت کو معین کر کے بیع کرے اور اگر معین نہ کیا، یونہی مجمل رکھا کہ نقد اتنے کو اور ادھار اتنے کو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ اور ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے رجل باع علی انہ بالنقد بکذا وبالنسیئۃ بکذا اوالی شہر بکذا اوالی شہرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از رانی کھیت جامع مسجد مسئولہ قاری جلیل الدین احمد صاحب ۵ ارجمادی الاخرہ ۸ھ

درختوں کے پھل قبل آنے پھول یا پھل جبکہ غیر منفعت ہوں یا پھل قابل منفعت

---

[1] درمختار ج ۲ ص ۲۲ کتاب البیوع۔ [2] ایضاً ص ۲۵ ۔ مصباحی

ہوں درختوں میں فروخت کرنا شرعًا یہ بیع درست ہے کہ نہیں اگر جواب نفی میں ہے۔ تو کوئی صورت بیع اثمار اشجار کے جواز کی نکلتی ہے کہ نہیں۔ بالعموم ہندوستان میں اثمار اشجار کی بیع اشجار ہی میں ہوا کرتی ہے۔ شرعًا یہ کیا حکم رکھتی ہے ؟

الجواب :۔ معدوم کی بیع نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع مالیس عندک[۱]۔ دوسری حدیث میں ہے نھٰی عن بیع السنین[۲]۔ لہٰذا جب تک پھل نہ آئے ہوں ان کی بیع نہیں کی جاسکتی کہ معقود علیہ موجود نہیں عقد کس چیز کا ہوگا اور جو پھل آچکے ہیں اگرچہ وہ قابل انتفاع نہوں ان کی بیع جائز ہے مگر اس میں یہ شرط کہ اتنے زمانہ تک درخت سے توڑے نہ جائیں گے بیع کو فاسد کردیگی درمختار میں ہے (ومن باع ثمرۃ بارزۃ) اما قبل الظھور فلا یصح اتفاقًا (ظھر صلاحھا أولا صح) فی الاصح (ولو برز بعضھا دون بعض لا) یصح فی ظاھر المذھب (ویقطعھا المشتری فی الحال جبرا علیہ وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد)[۳] اس کے جواز کی یہ صورت ہے کہ بیع مطلق واقع کی جائے بلکہ وقت بیع بائع صاف کہدے کہ مجھے اختیار ہوگا کہ درخت خالی کرالوں اور بیع تمام ہونے کے بعد اپنی خوشی سے درخت پر پختہ ہونے تک چھوڑ دینے کی اجازت دیدے تو اب یہ جائز ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ وقید باشتراط الترک لانہ لو شراھا مطلقًا وترکھا باذن البائع طاب لہ الزیادۃ[۴]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افیم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں اور کتے پال کر انکو و نیز ان کے بچوں کو بیچنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ افیون کا کھانا ناجائز، مگر جبکہ کسی دوا وغیرہ میں اتنی قلیل ملائی گئی کہ

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۲۴۸ باب المنہی عنہا عن البیوع۔ [۲] ایضًا ص ۲۴۷۔ [۳] درمختار ج ۴ ص ۴۲ کتاب البیوع۔ [۴] ایضًا ص ۴۴۔ ۱۲ مصباحی

اس دوا کے کھانے سے حواس پر اثر نہ پڑے تو جائز ہے، حدیث میں ہے نہی رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من کل مسکر و مفتر، افیون شراب کی طرح نجس و ناپاک نہیں، لہذا اوسکا لیپ وغیرہ کرنا جائز، اکثر آشوب چشم میں اسکا ضماد آنکھوں پر لگاتے ہیں، اور یہ لگانا جائز اسی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہذا اسکی بیع و شرا جائز ہے، البتہ اسکی بیع ایسے شخص سے کرنا جو اسے ناجائز طور پر کھاتا ہو۔ ممنوع ہے کہ یہ معصیت پر اعانت ہے کتے کی بیع بھی جائز ہے ہدایہ میں ہے ویجوز بیع الکلب والفھد[۱] اور اسکی دلیل میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں لانہ منتفع بہ حراسۃ واصطیادا فکان مالا فیجوز بیعہ اور ترمذی شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی نہی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید[۲] اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ رخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید[۳] یہ کتے کی نفس بیع کے متعلق حکم ہے، مگر اسکا پالنا صرف مواضع ضرورت میں جائز ہے۔ انکے علاوہ ممنوع احادیث صحیحہ میں پالنے کی صرف تین صورتیں جائز فرمائی گئی ہیں، شکار کے لئے اور مویشی کی حفاظت کیلئے اور کھیتوں کی نگہبانی کیلئے۔ اور فقہائے کرام نے مکان کی حفاظت کیلئے بھی پالنے کی اجازت دی ہے چنانچہ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں اسکی تصریح ہے۔

عینی شرح ہدایہ میں ہے فان کل کلب یحفظ بیت صاحبہ ویمنع الاجانب عن الدخول فیہ ویخبر علی الجانی بنباحہ علیہ فساوی المعلم فی الانتفاع[۴] لہذا پالنا اگر ان ضرورتوں کیلئے نہو بلکہ محض تجارت کیلئے ہو تو یہ پالنا جائز نہیں۔ اگرچہ بیع بوجہ اوسکی مالیت کے جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۱] ہدایہ ج ۳ ص ۱۰۱ مسائل منثورہ [۲] ترمذی ج ۱ ص ۱۵۴ باب ماجاء فی ثمن الکلب [۳] مسند امام اعظم ج ۱ ص ۴۲۱ رواہ الہیثم عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ [۴] حاشیہ ہدایہ عینی ج ۳ ص ۱۰۱ مسائل منثورہ مصباحی

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ باغ کے پھل اسطریقہ پر فروخت کرتے ہیں کہ پھل ابھی آئے نہیں ہیں، اور پھل فروخت ہو چکے، یا آئے ہیں لیکن چھوٹے ہیں اور قیمت پوری پھل بڑے پھل کی طے کی گئی، تو آیا یہ طریقہ جائز ہے، یا نہیں، زید کہتا ہے کہ یہ سود ہوا عمرو کہتا ہے کہ تمام باغات اسیطریقہ پر فروخت ہوتے ہیں آخر علماء کیوں نہیں منع کرتے اور اگر یہ طریقہ ناجائز ہے تو کیا طریقہ ہونا چاہئے جس سے پھل جائز طریقہ پر فروخت ہوں؟

الجواب:۔ جبتک پھل نہ آجائے اسکی بیع نہیں ہو سکتی، اور یہ بیع باطل ہے۔ کہ بیع میں مبیع کا وجود ضرور ہے حدیث میں ہے نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن بیع مالیس عندک۔ اور اگر پھل آگئے تو اگرچہ پختہ نہوں انکی بیع جائز ہے۔ اور قیمت کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کی جو قیمت چاہے لے، اسمیں ممانعت نہیں، مگر یہ شرط کہ جب تک پھل تیار نہ ہونگے توڑے نہ جائیں گے اسی درخت پر رہینگے شرط فاسد ہے۔ اور اس شرط سے بیع بھی فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے، ہاں اگر وقت عقد نہ یہ شرط ذکر کی نہ عرف ہو اور عرف ہو تو بائع نے صاف کہدیا ہو کہ تم کو درخت خالی کردینا ہوگا اور مشتری نے قبول کر لیا اب اگر بائع اپنی طرف سے مشتری کو اجازت دے دے تو جب تک مشتری چاہے اس درخت پر رکھ سکتا ہے، اور اب کوئی حرج نہیں کہ اس صورت میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کہ زمیندار ہے اس نے کچھ غلہ اپنے آسامی کے ہاتھ فروخت کیا لیکن قرض دیا اور یہ طے کر لیا کہ جب تم قیمت دینا تو غلہ خرید کر جو بھاؤ اسوقت ہو دیدینا میں وہ قیمت نہ لونگا تو آیا یہ طریقہ سود تو نہیں ہوا۔ یا شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ زید نے جب غلہ فروخت کیا ہے۔ اور روپیہ کے بدلے فروخت کیا ہے تو آسامی پر بھی روپے یا اسکی قیمت کی کوئی چیز واجب ہے۔ مگر زید کا قیمت لینے سے انکار کرنا

اور اس قیمت کا غلہ طلب کرنا دھوکے میں ڈالنا ہے۔ زید کو اگر غلہ ہی لینا منظور ہے تو اسامی سے روپیہ لیکر بازار سے غلہ منگالے یا خود اسی آسامی کے حوالہ کردے، کہ ان روپیوں کا غلہ لا کر میرے یہاں بھیجدو، ایسی مشتبہ صورت بلاوجہ کیوں اختیار کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از قصبہ چانود ماروا اڑ ڈاکخانہ اسٹیشن رانی نور محمد ولد رمضان ۔ ۸ رجمادی الآخرہ ۴۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کو ایک من جو اس شرط پر فروخت کرے کہ جو کے عوض میں ایک من گیہوں فصل پر مجھکو دینا۔ لہذا جو کچھ حکم شرع شریف ہے مع حوالہ کتاب تحریر فرمادیں؟ کیوں کہ جنس مختلف ہونیکی وجہ سے اگرچہ بیشی جائز ہے مگر نسیہ جائز نہیں۔ اور یہ حرام اور سود ہوگا یا کیا؟ جناب مولینا مولوی شمس الدین صاحب قادری رضوی کھا روی سود بتلاتے ہیں کیونکہ یہ دست بدست نہیں ہے اور باقی غلونکا بھی یہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ باجرہ دیکر گیہوں لینے یا مکی دیکر باجرہ یا گیہوں لینا سب کیلئے کیا حکم ہے؟ تحریر فرمادیں اور یہ بیوپار کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اختلاف جنس کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے، مگر باوجود اختلاف جنس اگر قدر یعنی ناپ یا وزن میں اتحاد ہو یعنی دونوں ناپ سے بکتی ہوں یا دونوں وزن سے تو ایسی صورت میں اگرچہ تفاضل جائز ہے گیہوں دیکر اس سے دوچند جو لے سکتے ہیں مگر نسیہ کہ ایک اب دیا جائے اور اسکے بدلے کا دوسرا آئندہ لیا جائے یہ ناجائز و حرام ہے۔

صحیح مسلم شریف میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فاذا اختلفت ہذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید[۱]

نیز انھیں سے دوسری روایت مشکوٰۃ میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں، ولکن بیعوا الذہب بالورق والورق بالذہب والبر بالشعیر والشعیر بالبر والتمر بالملح والملح بالتمر یداً بید کیف شئتم[۲] ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنس مختلف ہونے کی صورت میں

---

[۱] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵ باب الربا۔ [۲] مشکوٰۃ ص ۲۴۵ باب الربا۔ ۱۲ مصباحی

اگر دست بدست نہو تو ربا ہے کہ گیہوں جو دونوں کیلی ہیں اور اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کے قول کو لیا جائے تو دونوں آجکل کے عرف کے لحاظ سے وزنی ہیں بہرحال قدر میں اتفاق ہے اور نسیہ جائز نہیں، درمختار میں ہے۔ وان وجد احدھما ای القدر وحدہ او الجنس حل الفضل وحرم النساء ولو مع التساوی[1] یوہیں باقی غلوں کا یہی حکم ہے کہ وہ سب وزنی ہیں کیوں کہ شرع سے ادسمیں کوئی نص نہیں اور جس میں کیل یا وزن کی تنصیص نہو وہ بالاتفاق عرف و عادت پر محمول ہے، یہ تمام کلام اس تقدیر پر ہے کہ جَو کو گیہوں کے بدلے میں بیع کیا ہو اور اگر الفاظ سوال کی طرف نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گیہوں کے بدلے میں نہیں ہوئی بلکہ فصل میں گیہوں دینے کی شرط ہے اور ثمن کچھ اور ہے اگر یوں بھی ہو جب بھی چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد نہیں، اور اسمیں بائع یعنی جو دینے والے کا فائدہ ہے لہذا یہ شرط فاسد بیع کو فاسد کردیگی۔ کما فی الھدایہ وغیرہا۔ بہرحال یہ بیع صحیح نہیں اور بلا ضرورت سود کا گناہ لیتا ہے۔ اگر اسکو جَو بیچنا ہے تو روپیہ کے عوض بیچے جو نرخ چاہے مقرر کردے اور خریدار اس وقت نہیں دے سکتا ہے تو فصل پر روپیہ ادا کرنے کی میعاد مقرر کردے اور اس روپیہ کے گیہوں خریدے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خریدار روپیہ کی جگہ گیہوں دے دے۔ مگر اس میں یہ ضرور ہوگا کہ اس روپیہ کے جتنے گیہوں ملتے ہوں اتنے ہی لے سکتا ہے زیادہ نہیں، یہ شرعًا جائز بھی ہے اور نفع بھی غالبًا ہوگا۔ یا بیع سلم کرے کہ اسمیں بھی غالبًا نفع ہی ہوتا ہے، اور اسکو شرع نے جائز بتایا ہے۔ بیوپار کیلئے خریدنا بیچنا ہو یا کھانیکے لئے سب کا ایک حکم ہے جائز ہے تو جائز ہے۔ ناجائز ہے تو ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۔ مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ جمادی الآخرہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر سے ایک چیز خریدنا چاہتا ہے بکر کہتا ہے کہ جو کچھ آپ اس کی قیمت دیں گے لے لونگا۔ مگر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہوں گا

---

[1] درمختار ج ۴ ص ۱۹۹ کتاب البیوع ۔ مصباحی

اور بکر یہ کہتا ہے کہ جو کچھ آپ دیں گے بخوشی منظور کرونگا۔ ایسی حالت میں بیع جائز ہوگی یا نہیں جبکہ زید بکر کا ماتحت ہے۔ اور ایسی چیز جو خاص اللہ تعالیٰ کے نذر کرتا ہے اسکی بیع بھی مندرجہ بالا صورت میں بلا طے کئے جائز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً قربانی کا بکرا؟

الجواب:۔ جبکہ زید نے بکر کو جو کچھ زر ثمن دینا کہا۔ بکر نے اسے منظور کرلیا اور عقد بیع واقع ہوگیا تو بیع درست و صحیح ہے، اسمیں کوئی حرج نہیں ہے کہ تراضی طرفین سے جب ایجاب و قبول ہو چکا تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ زید افسر ہے مگر جب اسنے دباؤ نہیں ڈالا تو کوئی حرج نہیں اور اگر زر ثمن کا زید نے بھی اظہار نہیں کیا اور بکر نے یہ کہدیا کہ جو آپ دینگے منظور کروں گا تو یہ بیع نہ ہوئی کہ یہاں ثمن مجہول ہے اور اس طرح بیع نہیں ہو سکتی۔ قربانی کا جانور ہو یا اور چیز سب کا ایک حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از تکیہ برہان پور شریف ڈاکخانہ سودھانی اسٹیشن ضلع پورنیہ سید مخدوم شرف الہدیٰ صاحب ۷ ذی قعدہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ زید عمرو کو کچھ روز کیلئے مبلغ ایک سو روپیہ بطور قرضہ یعنی دستگرداں دیئے مگر اس شرط پر کہ مبلغ نوّے روپیہ کے بدلے مجھے روپیہ ہی ملنے چاہیے اور باقی مبلغ عنلہ روپے کے عوض پانچ یا چھ من دھان یا کوئی غلہ بعد طیاری فصل خواہ دو مہینے بعد ہو یا چار مہینے بعد مجھے دینا اور نرخ بھی دو یا تین روپے کے حساب سے باہم طے کرلیا یہ صورت بیع و شراء و نیز قرضہ کی عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ روپیہ اسوقت دینا اور مبیع آئندہ کسی وعدہ پر لینا اسکو بیع سلم کہتے ہیں اور بیع سلم کی چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ بھی ہے کہ مدت مقرر ہو جو ایک ماہ سے کم کی نہ ہو حدیث میں ہے۔ من اسلف منکم فلیسلف فی کیل معلوم او وزن معلوم الی اجل معلوم لہذا یہ کہدینا کہ چاہے دو مہینہ میں دینا یا چار مہینے میں دینا یہ مدت کی تعیین نہیں ہے بلکہ اس صورت میں مدت مجہول ہے لہذا بیع سلم صحیح نہ ہوئی۔ بلکہ فاسد ہوئی۔ اور غلّہ کا

مستحق نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے روپیہ کو واپس لینے کا حقدار ہے اگر مدت معین ہو تو فقط ان دس روپیوں کا غلہ لے سکتا ہے اس نرخ سے جو وقت عقد سلم باہم طے ہو چکا ہے باقی نوے روپئے قرض ہیں کہ ادنکے عوض میں روپئے ہی کا مطالبہ ہوگا۔ اور اگر مدیون غلہ دے اور یہ لینا چاہے تو وقت ادا جو نرخ بازار کا ہے اس حساب سے لینا ہوگا۔ اس سے زائد کا مطالبہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از برہان پور شریف تکیہ ڈاکخانہ سود ہانی اسٹیشن ضلع پورنیہ مرسلہ جناب شرف الہدیٰ صاحب سجادہ نشین۔

۱۔ زید نے عمرو کو مبلغ یکصد روپیہ دیا اس شرط پر کہ مبلغ دس روپے کے بدلے دو یا تین روپیہ من کے حساب سے کوئی غلہ دینا اور غلہ کو معین کر لیا اور باقی روپے کے بدلے نقد روپے ہی دینا؟

۲۔ اگر وہ نوے ۹۰ روپیہ تم امسال ادا نہ کر سکو تو پھر دس روپے کے بدلے غلہ معین دینا ہوگا اسی بھاؤ کے اعتبار سے جو اوپر مذکور ہوا اور باقی مبلغ اسی ۸۰ روپے نقد دینے پڑیں گے؟

۳۔ اگر دوسرے سال بھی ادا نہ کر سکو تو پھر اس روپیہ کے بدلے نرخ مذکور کے اعتبار سے کوئی غلہ معین دینا ہوگا اور باقی نقد ہلم جراً از عرض نہیں دینے کی تقدیر پر ہر دس کے بدلے نرخ معین کے اعتبار سے غلہ معین ہوگا۔ اس قسم کی بیع و شرا یا قرضہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دس روپئے کے مقابلہ میں جتنا غلہ دینا قرار پایا ہے اسمیں اگر بیع سلم کے جملہ شرائط پائے جائیں۔ تو عقد صحیح ہوگا اور میعاد پر وہ غلہ دینا پڑے گا اور باقی روپیہ کے مقابلہ میں روپیہ ہی دینا قرار پایا ہے اور اگر اس سال روپے ادا نہ کرے تو ان میں سے دس روپے کے بدلے میں اوسی حساب سے دوسرے سال غلہ دینا ہوگا۔ یہ عقد سلم نہیں ہے کہ اس عقد کو معلق بالشرط کرتا ہے اور بیع کو معلق بالشرط نہیں کیا جا سکتا کہ بیع اثبات ملک کیلئے ہے اور اثباتات کو خطر پر معلق نہیں کر سکتے کما فی الہدایہ وغیرہا لہٰذا بقیہ نوے ۹۰ قرض ہے راس مال سلم نہیں ہے

اور جب قرض ہے تو مستقرض سے زیادہ نہیں لیا جا سکتا اور جو کچھ زیادہ لیگا سود ہوگا حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا اور اگران روپوں کے عوض غلہ لیا جائے تو بازار کے نرخ سے نوے روپے کا غلہ لے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از نصیر آباد ضلع مشرقی خاندیس احاطہ بمبئی مرسلہ جناب قاضی سید مظہر علی صاحب ۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ۔

ایک شخص سرکاری ملازم ہونے کیوجہ سے خود جائداد نہیں خرید سکتا تھا لہذا اس نے اپنے خانہ کو روپے دیکر اسکے داماد کے نام پر کچھ جائداد خریدی اور سرکاری کاغذات وغیرہ میں داماد کا نام درج کرایا۔ شخص مذکور کو سوا ایک لڑکی کے دوسری اولاد بھی نہیں تھی البتہ سوتیلے بھائی تھے جو لڑکی کیساتھ ترکہ کے وارث ہو سکتے تھے۔ داماد کا رویہ یہ رہا کہ وہ جائداد کی آمدنی وصول کرتا تھا اور خسر کو لا کر دیدیتا تھا۔ اسکے خود کے اور بیوی بچوں کے کھانے پینے کا خرچ خسر ہی کے ذمہ تھا خسر کے انتقال کے بعد وہ آمدنی اپنی خوشدامن کے پاس دیتا رہا خوشدامن کے انتقال کے بعد بیوی کو نہیں دی بلکہ خود لیتا رہا اب داماد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب جھگڑا یہ ہے کہ جائداد خسر کے ورثہ کی تصور کیجائے یا داماد کے ورثہ کی۔ یہ جائداد خسر کی امانت کے طور پر داماد کے پاس تھی ایسا سمجھا جائے۔ یہ احتمال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ خسر سرکاری ملازم ہونے کیوجہ سے ملازمت کے حدود ہی اپنے نام پر جائداد نہیں خرید سکتا تھا یا خسر نے عاریت کے طور پر دی تھی کہ تازیست خود فائدہ اٹھائے اور بعد مرنیکے داماد مالک ہو یا یہ سمجھا جائے کہ خسر نے داماد کو ہبہ کر دی تھی ؟

لیکن داماد رضامندی کے خیال سے اور یکجا رہنا سہنا تھا اس وجہ سے بزرگی کے خیال سے خسر کے پاس آمدنی دیتا تھا۔ اب داماد کے ورثہ شرعاً وراثت کے مستحق ہیں یا خسر کے اگر داماد کے ورثہ خسر کے ورثہ کو حصہ نہ دیں تو آیا روز قیامت ماخوذ و مستحق عذاب ہوں گے ؟

الجواب: اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ جائداد اس شخص نے اپنے لئے خریدی تھی اور دستاویز میں داماد کا نام کسی مصلحت کی بنا پر تھا جب تو اسی شخص کی قرار دیجائیگی۔ کاغذات میں داماد کا نام درج کرنا قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر گواہوں سے ایسا ثابت نہو تو جائداد داماد کی ہے خسر یا خوشدامن کے پاس آمدنی لاکر محض رکھدینا اسکی دلیل نہیں کہ وہ خسر کی ہی ہے کہ جب یہ اونکے یہاں رہتا تھا اور وہیں کھاتا پیتا تھا تو ہوسکتا ہے کہ بڑا سمجھکر ایسا کرتا ہو۔ ردالمحتار میں ہے فی الخیریۃ من کتاب الدعوی سئل عن اخوۃ اشقاء عائلتھم وکسبھم واحد وکل مفوض لاخیہ جمیع التصرفات ادعی احدھم انہ اشتری بستانا لنفسہ فاجاب اذا اقامت البینۃ علی انہ من شرکۃ المفاوضۃ تقبل وان کتب فی صک التبایع انہ اشتری لنفسہ اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: ازاجمیر شریف پٹن بازار شیر محمد پیش امام پٹن مسجد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ۔

(۱) ایک شخص ایک بکرا جھٹکے کیلئے دیتا ہے اور جھٹکے کے بعد گوشت تولا جاتا ہے گوشت کے وزن پر چھ آنہ فی سیر کے حساب سے فروخت کرتا ہے اور کھال بھی خود ہی بیچڈالتا ہے شرعًا یہ تجارت کیسی اور ایسی تجارت کرنیوالے مسلمان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا حکم شرعًا صادر ہوتا ہے

(۲) اگر صرف بکرا فروخت کرے یہ سمجھکر کہ جھٹکا ہوگا نیز اس کیلئے کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی شخص مردار جانور کی کھال مول لیکر فروخت کرے تو اس کیلئے کیا حکم ہے۔ ان تینوں حالتوں کا کتب معتبرہ کے حوالے سے تفصیل کیساتھ تحریر فرمایا جائے؟

الجواب (۱) جانور کو جھٹکے کیلئے دینا کہ کوئی کافر اوسے جھٹکا کردے[1] پھر یہ مسلمان اوسے

---

[1] جانور کی گردن پر تلوار کا ہاتھ مار کر اسے جدا کرنے کو جھٹکا کرنا کہتے ہیں۔ اگر کافر ایسا کرے۔ تو وہ جانور حرام ومردار ہوگا۔ کہ اس صورت میں کافر ہی ذابح ہوا۔ اور کافر کا ذبیحہ حرام۔ ذبیحہ کی حلت کیلئے ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے۔ درمختار میں ہے۔ وشرط کون الذابح مسلما او کتابیا ج ۵ ص ۲۰۸ واللہ تعالٰی اعلم مصباحی

بیچے یہ حرام ہے۔ پھر اسکو بیچنا یہ دوسرا حرام ہے کہ اب یہ جانور مردار ہے اور مردار کی بیع حرام اور باطل۔ درمختار میں ہے بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتۃ ولا فرق فی حق المسلم بین التی ماتت حتف انفہا او بخنق ونحوہٖ[1] اسکی کھال بھی جب تک پکائی نہ جائے اسکو بیچنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) ایسے کے ہاتھ فروخت کرنا نہ چاہیئے جسکی نسبت معلوم ہے کہ جھٹکا کریگا مگر بیچا تو یہ بیع باطل و حرام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳) مردار کی کھال اگر سوکھی ہوئی ہے تو خرید بھی سکتا ہے بیچ بھی سکتا ہے ورنہ خریدنا اور بیچنا دونوں حرام۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از کلکتہ مطب سنت الجماعت نارکل وانگہ قصاب بستی ۹ کروس لین کلکتہ غلام لٰسین حامدی رضوی ۱۱ شعبان ۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دوکان ہے اسمیں تقریبا چالیس پچاس روپیہ کا سرمایہ ہے زید نے وقت ضرورت پر عمرو سے کچھ روپیہ طلب کیا عمرو نے کہا کہ میں اس شرط پر تمکو پہلے دونگا کہ تم اپنے منافع میں سے ایک پیسہ نفع کا مجھے دو اور میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں جسوقت طلب کروں وہ روپیہ میں لے سکتا ہوں۔ ہاں اگر کوئی چیز اتفاقاً ٹوٹ پھوٹ جاوے گم ہو جاوے تو میں اسی حساب سے اپنے منافع میں سے ادا کرونگا۔ زید نے منظور کرلیا عمرو نے دس روپیہ اسکو دیا زید نے کہا کہ مجھے ایک روپیہ میں ۲ نفع ہونا ہے عمرو نے کہا کہ روپیہ میں ایک پیسہ میرا رہا اور عمرو ایک مسجد میں مؤذن ہے اور امام کے نہ آنے پر کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے تو یہ سود ہوا یا نہیں اور اسکے پیچھے نماز ہوئی یا نہیں ؟

[1] درمختار ج ۲ ص ۱۱۲ کتاب البیوع ۱۲ ۔ [2] ہدایہ میں ہے ولا بیع جلود المیتۃ قبل ان تدبغ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم مصباحی

الجواب :۔ کسی کو تجارت کیلئے روپیہ دینا کہ دوسرا اس سے تجارت کرے اور جو کچھ نفع ہوگا اوسمیں سے ایک حصہ معینہ کا یہ شریک ہے مثلاً ایک روپیہ کا نفع ہو تو ۸ ریا ۴ ریا ۲ ریا کم و بیش جو جا ہیں ٹھہرالیں اسکو اصطلاح شرع میں مضاربت کہتے ہیں۔ اور شرعاً یہ جائز ہے مگر روپیہ اسوقت لے سکتا ہے جب مال فروخت ہوچکا ہو اور مضاربت میں جو کچھ نقصان ہوگا وہ روپے والے کا ہوگا اور یہ شرط کہ اگر مال ہلاک ہوجائے تو میں ذمہ دار نہیں یا دونوں پر اوسکا نقصان ڈالا جائے اس سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے فتاوٰی قاضیخاں میں ہے ومنھا اذا شرط علی المضارب ضمان ما ھلک فی یدہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :۔ از شہر بریلی مورخہ ۲۱ رجمادی الاولٰی یوم پنجشنبہ ۵۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک باغ اہل ہنود کا فروخت ہو رہا تھا جسکی قیمت وہ مبلغ چار سو روپیہ مانگ رہا تھا ایک صاحب نے مبلغ تین سو روپے لگائے دوسرے صاحب نے سوا تین سو روپیہ تیسرے صاحب نے تین سو پچاس روپیہ میں طے کیا مبلغ صہ بیانے کے دیے کل روپیہ پندرہ یوم میں دینے کا وعدہ کیا۔ جس صاحب نے سوا تین سو روپیہ لگائے تھے انھوں نے بیانے دینے کے بعد پونے چار سو روپیہ کا لے لیا اب ان صاحب کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے اہل ہنود کا فائدہ کرایا اور مسلمان کا نقصان؟ بینوا توجروا

الجواب :۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ باغ سے مراد اسکی بہار نہیں بلکہ اوسکے درخت کٹوانے کیلئے خریدے تھے جب ساڑھے تین سو روپے میں درخت خرید لئے اور بیعانہ بھی دیدیا جس کے معنی یہی ہوئے ہیں کہ عقد بیع ہوچکا صرف قانونی طور پر کاغذ لکھنا باقی رہ گیا ہے تو یہ درخت خریدار کے ہوچکے کہ عقد صحیح ہوجانیکے بعد مبیع مشتری کی ملک ہوگئی بائع کو دوسرے کے ہاتھ بیچنا حرام ہوتا ہے اور جس کو یہ بات معلوم ہو اوسے خریدنا حرام ہے حدیث میں ہے لا یبیع الرجل علی بیع اخیہ لیے جس نے جان بوجھ کر خریدا وہ اس کا مالک نہیں اور جو کچھ اوس سے

نفع اٹھائے گا وہ بھی حرام ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مرسلہ مولانا مولوی غلام محی الدین الجیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ ۲۹ ذیقعدہ ۱۹۵۴ء

سیدی دامت برکاتہم العالیہ نیازمندانہ آداب معروض مفاوضہ عالیہ شریف لاکر عزت افزا ذرہ بیقدر ہوا۔ اگر مال میں اشتراک بالاخلاط ہو تو ایک شریک کے بیع کرنے کو اجنبی سے بدون دوسرے کی اجازت کے فقہار کرام ناجائز فرماتے ہیں۔ علمگیری مطبوعہ مطبع مصطفائی جلد ۲ ص ۸۸ کتاب البیوع میں ہے اذا کانت الشرکۃ فی المال بسبب الخلط منہما باختیارہما اور بالاختلاط من غیر اختیارہما یجوز بیع احدہما نصیبہ من شریکہ ولا یجوز من الاجنبی الاباذن شریکہ در مختار کی کتاب الشرکۃ ص ۲۶۷ میں ہے فلا یجوز بیعہ الاباذنہ فلو کانت الدار مشترکۃ بینہما باع احدہما بیتا معنیا او نصیبہ من بیت معین فللآخر ان یبطل البیع۔ بہار شریعت میں بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ بیع باطل ہے یا فاسد یا موقوف اگر باطل ہے یا فاسد ہے تو حق شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ اسکے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ ملک بائع سے زائل ہوجائے اور ان دونوں صورتوں میں زائل نہیں ہوتی بلکہ موقوف کی صورت میں بھی زائل نہ ہوگی تاوقتیکہ جسکی اجازت پر موقوف ہے وہ اجازت نہ دیدے۔ بہرکیف دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید اور عمر کو ترکہ میں ایک مکان ملا۔ اور ابھی تک تقسیم شرعی نہ ہونے پائی تھی کہ زید نے اپنا حصہ ایک اجنبی کو بیع کردیا۔ اور عمر سے اجازت بھی نہ لی تو اس صورت میں یہ بیع کیسی ہے باطل ہے یا فاسد یا موقوف اور بہر تقدیر عمر کیا کرے یعنی حاکم کے یہاں شفعہ کا دعویٰ کرے یا حاکم سے بیع باطل کرائے جواب میں عبارت فقہی نقل فرمائیں اور ہر ایک کتاب کے صفحات بھی تحریر فرمائیں تاکہ یہاں بآسانی عبارتیں نکال لی جائیں؟

حاشیہ ص کا ۱ مسلم ج ۲ من ۳ کتاب البیوع۔ مصباحی

الجواب :- صورت مذکورہ میں یہ بیع نہ باطل ہے نہ فاسد نہ موقوف بلکہ صحیح تام نافذ ہے علمگیری کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اسکے اوّل اور آخر دونوں کو نقل نہیں کیا معلوم ہوتا ہے اس پر نظر نہیں پڑی ورنہ یہ غلطی نہ ہوتی عبارت کی ابتدا یہ ہے واذا کانت الحنطۃ او الموزون مشترکا بین اثنین فباع احدھما نصیبہ من شریکہ او من الاجنبی فنقول اذا کانت الشرکۃ فی المال - اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مکیل وموزون کا بیان کیا جاتا ہے عقار سے اس حکم کو تعلق نہیں -
ثانیاً یہ حکم خلط واختلاط کا ہے، یعنی ہر ایک شخص کی ملک ممیز تھی اس سے دوسرے کو تعلق نہ تھا دونوں نے قصداً اپنی اپنی چیزیں دوسرے کی چیز میں ملادیں یا بلاقصد دونوں چیزیں مل گئیں مثلاً بوری پھٹ گئی اور غلہ مل گیا صورت مسئولہ میں نہ خلط ہے نہ اختلاط بلکہ دونوں کی ملک ابتدا ہی یوں حاصل ہوئی کہ باہم شرکت ہے کیونکہ میراث سے جو ملک حاصل ہوگی وہ ابتدا ہی سے مشاع ہے نہ یہ کہ ممتاز ہو اسکے بعد شرکت ہوئی ہو اسی لئے اس کے بعد عالمگیری میں جو کلام ذکر کیا وہ یہ ہے واذا کانت الشرکۃ بسبب المیراث او الشراء او الھبۃ یجوز بیع احدھما نصیبہ من شریکہ ومن الاجنبی - اسکے بعد عالمگیری کی عبارت بعد اذن شریکہ مگر یہ ناسخ کی غلطی ہے صحیح یہ ہے کہ بغیر اذن شریکہ ہو چنانچہ مصحح محشی نے لکھا کذا فی جمیع النسخ ولعل صوابہ بغیر اذن شریکہ بدلیل المقابلۃ تامل الخ چنانچہ ردالمحتار کتاب الشرکت میں خلط واختلاط کی صورت میں عدم جواز کی وجہ بیان کرتے ہوئے مسئلہ کی جو تصویر کی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارث وہبہ وشرا کی صورت میں اجازت کی ضرورت نہیں - اجنبی کے ہاتھ مطلقاً جائز ہے عبارت یہ ہے قولہ الا فی صورۃ الخلط والاختلاط فانہ لا یجوز البیع من غیر شریکہ بلا اذنہ والفرق ان الشرکۃ اذا کانت بینھما من الابتداء بان اشترط حنطۃ او ورثاھا کانت کل حبۃ مشترکۃ بینھما فبیع کل منھما نصیبہ شائعا جائز من الشریک والاجنبی بخلاف ما اذا کانت بالخلط او الاختلاط کانت کل حبۃ مملوکۃ بجمیع اجزائھا لیس للاخر فیھا شرکۃ فاذا باع نصیبہ من غیر الشریک لا یقدر علی تسلیمہ الا مخلوطا بنصب الشریک فیتوقف علی اذنہ بخلاف بیعہ من الشریک للقدرۃ علی التسلیم والتسلم نتم

اس عبارت نے واضح کردیا کہ خلط واختلاط کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کے ملک میں مطلقاً امتیاز نہ ہو جس طرح وراثت کی صورت میں ہر ایک کا حصہ شائع ہے کہ یہ نہ خلط ہے نہ اختلاط اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ غیر شریک کے ہاتھ بیع کرنے میں شریک کا ضرر ہوتا ہے اور اس صورت میں اجازت پر موقوف ہونا چاہیئے تاکہ اگر ضرر ہو تو بیع کو رد کرکے ضرر سے محفوظ رہے جس طرح بناء مشترک باغراس وغیرہ کا حکم ہے اسمیں بیع اذن شریک پر موقوف ہوتی ہے اسکا یہ جواب ہے کہ یہاں شریک سے دفع ضرر ممکن ہے کیونکہ شریک کیلیے شرع نے عقار میں حق شفع رکھا ہے اگر وہ اپنا ضرر سمجھتا ہے تو شفعہ کرکے اجنبی سے واپس کیلئے پھر اوسکی اجازت پر بیع موقوف کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ علامہ شامی کتاب السرقہ صفہ ۳۴۶ میں فرماتے ہیں قلت ویؤیدہ ان قولہ الا فی صورۃ الخلط والاختلاط استثناء من صحۃ البیع بلا اذن الشریک وحاصلہ توقف الصحۃ علی اذن الشریک وھذا لایتاتی فی الشفعۃ فانہ اذا ادعی الشفعۃ فان بیع الحصۃ من الدار صحیح وان کان الشریک حق التملک بالشفعۃ فانہ اذا ادعی الشفعۃ یتملکھا ملکا جدیدا وان سقط یبقی ملک المشتری علی حالہ سواء اذن اولا۔ درمختار کی عبارت سے یہ بھی استدلال صحیح نہیں کہ اسمیں شریک دار مشترک سے ایک معین بیت کو بیع کرتا ہے اور معین بیت اوسکی ملک نہیں کیونکہ ہر شریک قبل تقسیم جزء شائع کا مالک ہے بیت کے ہر جزء میں دونوں شریک ہیں لہذا تسلیم مبیع پر قادر نہیں بخلاف اوس صورت کے کہ اپنا حصہ جو دار مشترک ہے مثلاً منجملہ اتنے سہام کے بائع اس شائع کا مالک ہے اور شائع ہی کی بیع کرتا ہے لہذا یہ بیع اجنبی کے ہاتھ بھی جائز ہے جیسا کہ شامی کی پہلی عبارت میں مذکور ہے و بیع کل منہما نصیبہ شائعا جائز البتہ دوسری صورت میں درمختار کی عبارت یعنی او نصیبہ من بیت معین مطلق ہے مگر اس سے مراد نصیب من البناء ہے جیسا کہ اسکے بعد واقعات کی عبارت کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں قولہ باع احدھما نصیبہ ای من البناء فقط کما ھو صریح العمادیۃ اما بیع النصیب من الدار بتمامہا فلا مانع من جوازہ افادہ) لہذا صورت مسئولہ میں شریک اگر چاہے تو شفعہ کا دعوی کرسکتا ہے ابطال بیع کا دعوی بیکار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

بیع بالوفا کس صورت میں جائز ہے اور کس صورت میں ناجائز اور کس کس چیز کی ؟

الجواب:۔ بیع بالوفا میں علماء کے متعدد اقوال ہیں اگر اس کو بیع کہا جاوے تو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد ہے اور واقعیت کی طرف نظر کی جائے تو رہن ہے جس سے مرتہن منتفع ہے اور یہ بھی ناجائز لہذا اسکے عدم جواز ہی کا حکم دیا جائیگا[1] واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب محلہ اندر کوٹ میرٹھ ۲۵ محرم ۵۶ھ

سلم فی الحیوان جائز نہیں حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے سلم فی السمک الطری کس حدیث سے ثابت ہے ؟

الجواب:۔ سلم فی الحیوان کے عدم جواز کی دلیل حدیث بھی ہے اور قیاس بھی دونوں قسم کی دلیلیں ہدایہ وغیرہا میں مذکور ہیں، مچھلی کا اس حکم سے استثنا نہیں ہے کہ استثنا کی دلیل حدیث سے مانگی جائے بلکہ مچھلی ایسا مائی جانور ہے کہ پانی سے جدا ہونے کے بعد عموماً زندہ نہیں رہتا بعض زندہ رہیں بھی تو تھوڑی دیر کیلئے۔ جب عموماً یہی ہے کہ زندہ نہیں رہتی ہیں تو مسلم الیہ نے جب تسلیم کیں تو مری ہوئی مچھلیاں اور یہ ظاہر کہ جب وہ زندہ ہی نہیں تو ان کو حیوان کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ حیوان میں حیاۃ ضروری چیز ہے اگر حیوان کہیں بھی تو مجازاً نہ کہ حقیقۃ لہذا معلوم ہوا کہ یہ سلم فی الحیوان میں داخل ہی نہیں کہ سلم فی الحیوان کی ممانعت سے یہ بھی ممنوع ہو جائے ہاں اگر بوقت سلم زندہ مچھلیوں کی شرط ہو تو اسکو سلم فی الحیوان میں داخل کیا جائے گا اور اسے ممنوع بھی کہا جائے گا کہ ظاہر حدیث کا مقتضیٰ بھی ہے چنانچہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فان قیل فالسمك الطري مخصوص من عموم الحیوان فجاز فی العصافیر قیاسا علی الثیاب بقلۃ التفاوت قلنا انما یتم لو شرط حیاۃ السمك الطری فی المسلم فیہ

---

[1] اس کی قدرے تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص۲۶۱ پر ملاحظہ فرمائیں ۔ مصباحی

ولیس کذلک بل کیفما کان حتی لو شرط ذلک کان لنا ان نمنع صحۃ السلم فیہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۶:۔ مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسۂ اسلامیہ میرٹھ ۱۴ صفر ۱۳۳۶ھ

فتح القدیر میں فرمایا فالسمک الطری مخصوص من عموم الحیوان اس لفظ مخصوص سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ سمک طری عموم میں داخل ہے مگر کسی دوسری دلیل سے اسکا اخراج کیا گیا اور جواب سے ظاہر ہے کہ وہ داخل ہی نہیں تو جب داخل نہیں تو مخصوص ہونے کے کیا معنٰی؟

الجواب:۔ عبارت فتح القدیر کو غور سے نہیں دیکھا ورنہ یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا سمک طری کا مخصوص کرنا معترض کا قول ہے جسکا امام ابن ہمام نے جواب دیا ہے۔ عبارت یہ ہے فان قیل فالسمک الطری مخصوص من عموم الحیوان نجاز فی الصغار قیاسا علی الثیاب بقلۃ التفاوت قلنا انما یتم لو شرط حیاۃ السمک الطری فی المسلم فیہ ولیس کذلک بل کیفما کان حتی لو شرط ذلک ان لنا ان نمنع صحۃ السلم فیہ۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ سمک طری کا مخصوص کرنا جب صحیح و تمام ہوگا کہ زندہ مچھلی مسلم فیہ قرار پائے اور سلم فی السمک میں ایسا نہیں ہوتا اور اگر یہ شرط ہو تو اس سلم کو ہم صحیح نہیں مانتے لہٰذا مخصوص کہنا غلط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ حاجی عبدالغفور صاحب رضا دفتر انجمن اشاعت الحق بنارس ۲ شعبان المعظم

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں "کلابتو اودھار خریدنا بلاسود کیسا ہے؟

(۲) کلابتو یا دیگر چیزیں نقد جس حساب سے بکتی ہے اودھار دینے میں یہ ہوتا ہے ایک آنہ روپیہ بڑھا دیتے ہیں ایسا لینا دینا کیسا ہے؟

(۳) کپڑے کے خریدنے میں یہ رواج ہے کہ جس دکان پر خرید کرتے ہیں تو ایک آنہ روپیہ آڑھت[2] کا خریدار سے لیتے ہیں اور بیچنے والے سے بھی لیتے ہیں یہ پیسہ لینا دینا کیسا ہے؟

---

[1] فتح القدیر ج ۶ ص ۲۱۲ باب السلم ۔ [2] آڑھت، دلالی۔ مصباحی

(۴) طوائف مسلمان ہو یا ہندو کے ہاتھ مال بیچنا کیسا ہے ؟

(۵) ایک پیسہ روپیہ میں کم بیچنا یا خریدنا کیسا ہے ؟

الجواب :۔ (۱) کلابتو[1] میں چونکہ چاندی ہی غالب ہے اور وہی مقصود ہے لہٰذا اوسکی ادھار بیع جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جن چیزوں کی ادھار بیع جائز ہے اگر یوں بیع ہوئی کہ نقد اوس حساب سے اور ادھار اتنے کو یہ ناجائز ہے کذا فی الہدایہ اور اگر عقد میں ایک صورت متعین ہو گئی مثلاً اودھار بیع ہے اور اتنے کو تو یہ صورت جائز ہے کہ اب جہالت باقی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر وہ کپڑے خود اسی دکان والے کے ہیں جب تو ثمن سے کچھ زیادہ نہیں لے سکتا اور اگر اس کے نہیں ہیں بلکہ دوسرے کے ہیں اور یہ فروخت کرتا ہے جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے تو یہ دلالی کی ایک صورت ہے اور دلالی جائز ہے جبکہ دلال کچھ کام کرتا ہو اور اپنے کام کی اجرت لیتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) طوائف کا حرام مال جبکہ معلوم ہو کہ یہ حرام ہے اسکو اپنے کسی مطالبہ سے ثمن یا اجرت وغیرہ میں نہیں لے سکتا یعنی جبکہ بیع میں حرام مال پر عقد و نقد جمع نہ ہوں تو اگرچہ یہ بیع جائز ہے مگر جب کہ یہ معلوم ہے کہ یہ مال حرام ہے تو ثمن میں لینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) ایک روپیہ کے پونے سولہ آنے پیسے خریدنا اور بیچنا جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] کلابتو۔ چاندی یا سونے کے تار جو ریشم پر چڑھا کر بُنے جاتے ہیں۔ مصباحی

بابُ القرض

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی عبدالحیٰ سلمہ از ہلدوانی ضلع نینی تال ۱۵ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا قرض عمرو پر آ ۱ؔ تھا اور زید کا انتقال ہو گیا زید کے ورثا میں کوئی نہیں ہے اس صورت میں عمرو ۱ؔ کا قرآن شریف ہدیہ لیکر زید کی طرف سے زید کے ثواب کیلئے دیدے تو قرض سے سبکدوش ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ اگر کوئی وارث نہو تو یہ مال حق بیت المال ہے اور چونکہ بیت المال یہاں نہیں لہذا فقراء ومساکین پر اسکی طرف سے تصدق کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مرسلہ جناب مولوی عبدالعزیز خاں صاحب

کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا زندگی کے بیمہ کرانے کے متعلق اس صورت پر کہ (۱) جس کمپنی سے بیمہ کرایا جاتا ہے اسکے تمام شرکا غیر مسلم ہوں (۲) بیس سال تک ہر سال تین ہزار ۳۰۰۰ روپیہ کے حساب سے ادا کرنا ہوگا اور بشرط زندگی بیس سال بعد جملہ اسی ہزار ۸۰۰۰۰ روپیہ کمپنی سے واپس ملے گا اور بیس سال کے اندر موت ہوجائے تو اسوقت تک جتنا روپیہ دیا جاچکا ہے وہ سب کا سب مزید چالیس ہزار روپیہ کے ساتھ کمپنی سے واپس ملے گا (۳) جس کمپنی سے بیمہ کرایا جائیگا اسکی مالی ذمہ دار حکومت کناڈا ہے۔ (۴) اس کا سرمایہ اندازاً تیس کروڑ روپیہ ہے۔ اگر کوئی شخص برابر بیس سال تک روپیہ ادا نہ کرسکا بلکہ چند سال ادا کرنے کے بعد پھر بند کردیا تو بیس سال کے بعد اسکو کل روپیہ جتنا کہ اس نے دیا تھا واپس ملے گا۔

الجواب:- یہ بیمہ ظاہر اس کمپنی کے پاس روپیہ امانت کے طور پر دینا معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ کمپنی سے اسکا مطالبہ ہر وقت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ مدت پوری ہونے کے بعد مطالبہ ہوگا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو تجارت وغیرہ میں لگائیگی۔ لہذا اسکو امانت نہیں بلکہ قرض سمجھنا چاہیئے کہ کمپنی قرض لیتی ہے۔ اور ادا کرنے کی ایک میعاد مقرر کرتی ہے۔ اور اس میعاد کے پورے ہونے پر کل روپیہ مع اضافہ دیتی ہے۔ اور اثنائے میعاد میں مرجانے پر بھی جو کچھ اس نے دیا ہے کمپنی وہ کل رقم مع شئی زائد دیگی۔ یہ اس بیمہ کا خلاصہ ہے۔

رہا اس کے متعلق حکم شرع وہ یہ ہے کہ اگر بیمہ کرانے والے نے اپنی طرف سے زائد لینے کی شرط نہیں کی ہے، اور کمپنی اپنی طرف سے زائد دیتی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کے روپیہ سے ہم نے بہت منفعت حاصل کی ہے۔ لہذا اپنی طرف سے کچھ زیادہ دینا چاہیئے تو یہ لینا دینا جائز ہے۔ اور اسکو سود سے علاقہ نہیں۔ کہ سود اس زیادہ کو کہتے ہیں جو عقد میں مذکور و مشروط ہو اور اگر مستقرض مقرض کو بلا شرط دے تو جائز و مباح ہے۔ حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا۔ خیارکم احسنکم قضاء۔ اور یہ اس وقت فرمایا کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ قرض دیا تھا جب ادا کا وقت آیا تو صحابہ سے فرمایا کہ اسکو اونٹ دیدیا جائے۔ لوگوں عرض کی جیسا اسکا اونٹ تھا ویسا موجود نہیں ہے۔ اس سے بہتر ہے۔ فرمایا وہی دیدو جو اچھا ہے۔ کہ اچھا دینا اچھے لوگوں کا کام ہے۔ تو اگرچہ یہاں زیادت موجود ہے مگر چونکہ عقد میں مشروط نہ تھی لہذا جائز ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے۔ کان لی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین فقضانی وزادنی۔ اس محل بھی وہی ہے کہ یہ زیادت غیر مشروط تھی۔ اور اگر زیادت مشروط ہو کہ دیتے وقت یہ کہدیا ہو کہ اتنی مدت کے بعد اصل رقم پر اتنا زیادہ لینگے۔ اور اس بیمہ کی صورت میں ظاہر یہی ہے اور اگر شرط نہ بھی کرے مگر چونکہ کمپنی نے یہ طے کر رکھا ہے اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہے۔ لہذا المعروف کالمشروط کے تحت میں داخل ہو کر اسے بھی مشروط کا حکم ہوگا۔ اس صورت میں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سود ہوگا۔ کہ حدیث میں ارشاد فرمایا

کل قرض جر منفعتہ فہو ربا ہوا۔ مگر چونکہ یہ مابین المسلمین نہیں اور نہ مابین المسلم واہل الذمہ ہے۔ بلکہ ان نصاریٰ کے ساتھ ہے جنکو بادشاہ اسلام نے امان نہیں دیا ہے۔ لہذا یہ سود نہیں۔ کہ ایسے لوگوں کا مال اگر مسلمان کو عقد فاسد کے ذریعہ سے مل جائے تو لینا جائز ہے اور یہ سود میں داخل نہیں۔ علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں شرط الربوا عصمۃ البدلین۔ اس صورت میں جبکہ وہ اپنا مال اپنی خوشی سے دیتے ہیں تو جطرح بھی لیا جائے جائز ہے۔ اسمیں اصلاً نہ قباحت ہے نہ یہ سود رد المحتار میں سیر کبیر اور اسکی شرح سے منقول ہے۔ اذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منہم اموالہم بطیب انفسہم بای وجہ کان۔ اور یہ امر کہ دار الحرب میں ایسا جائز ہے۔ دار الاسلام میں ایسا نہیں۔ ہم نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے کہ مدار امان و عہد پر ہے۔ اور جبکہ دار الاسلام میں کفار معاہد نہ ہوں تو انکا مال انکی خوشی سے لینے میں مضائقہ نہیں۔

خصوصاً اس صورت مسئولہ میں کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمپنی حکومت ہندوستان سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ ایسی جگہ کی یہ کمپنی ہے جو دار الاسلام نہیں تو اس سے زیادت کا لینا جائز ہے۔ اور اسے سود سے تعلق نہیں ہے[1] واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] ہندوستان میں بیمہ زندگی میں ایک اہم اور خطرناک شرط یہ لگادی گئی ہے کہ بیمہ دار کے لئے تین سال کی تمام قسطیں بیمہ کمپنی کی قرارداد کے مطابق جمع کرنی ضروری ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کچھ قسطیں جمع ہونے سے رہ گئیں تو اسے ایک میعاد پھر دی جاتی ہے۔ لیکن اگر یہ توسیعی میعاد بھی گذر گئی اور بیمہ دار باقی ماندہ قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا۔ تو اس کا کھاتا بند کر کے اسکی تمام جمع شدہ رقم ضبط کرلی جاتی ہے۔ جو بیمہ کمپنی کی ملک ہوجاتی ہے اس شرط کیوجہ سے شرعاً عقد بیمہ کی اجازت ہر شخص کو نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ اس کے جواز یا عدم جواز کے فیصلہ کیلئے اس پہلو کو سامنے رکھنا ہوگا۔ کہ بیمہ دار کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اور اس کے اخراجات کتنے ہیں؟ اور رقم کی بچت کتنی ہے؟ اگر بیمہ دار کی شرح آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ ہے مثلاً وہ تنخواہ دار

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کے پاس روپئے رکھے تھے اور عمرو کو اختیار دیا تھا کہ تم ان روپیوں کو اپنے کام میں خرچ کرسکتے ہو۔ عمرو نے کہا کہ بہت اچھا جس وقت تمکو روپیوں کی ضرورت ہوا کرے تو آٹھ دس روز پہلے سے خبر دیا کرو تو میں روپیہ تیار کرکے دیا کرونگا۔ اسی طرح سے زید اور عمرو کے درمیان یہی معاملہ رہا۔

ایک مرتبہ زید نے عمرو کے پاس روپیئے رکھے تھے کہ عمرو نے کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اپنے مکان میں چوری ہونے کا واقعہ ظاہر کیا۔ اور زید سے کہنے لگا کہ تم مت گھبرانا تمہارا جب ضرورت پڑے تو میرے سے کہدیا کرنا میں روپیہ دیا کرونگا۔ چنانچہ زید نے تھوڑے تھوڑے کرکے دو مرتبہ روپیہ عمرو سے مانگے اور عمرو نے دیدیئے۔ لیکن زیادہ رقم زید کا عمرو کے ذمہ باقی رہا۔ مگر ساتھ ہی زید نے عمرو کے پاس روپیہ رکھنا چھوڑ دیا۔ اب باقی ماندہ رقم جب زید نے عمرو سے طلب کئے تو عمرو نے روپیئے دینے سے انکار کیا اور کہنے لگا۔ کہ وہ رقم جس کا مسطور بالا میں ذکر ہوچکا، امانت تھی، اس کا دینا مجھ کو لازم نہیں ہے، تو جواب طلب یہ امر ہے کہ صورت بالا مذکورہ میں زید کا رقم یعنی روپیہ جو عمرو کے پاس تھے بطور امانت ہوئے یا قرض۔ اور کس صورت میں عمرو کو امتحان دینا لازم ہے اور کس میں نہیں۔ کتاب کے حوالے سے جواب عنایت فرمادیا جائے؟

حاشیہ بقیہ ص ۲۰۱ کا

ملازم ہے کہ ہر ماہ ضروری اخراجات کے علاوہ معتدبہ رقم پس انداز کرلیتا ہے۔ یا تاجر وغیرہ ہے کہ اپنی آمدنی سے خطیر رقم بچالیا کرتا ہے۔ جس کی بنا پر بیمہ شدہ رقم کی کم از کم مدت مقررہ یا موسعہ تک قسط وار ادائیگی کا اسے ظن غالب ہو۔ تو ایسے شخص کو شرعاً یہ اجازت ہوگی کہ وہ زندگی بیمہ کرائے۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ دار کو ایسی کمپنی سے جو حکومت کے زیر انتظام ہے نفع کا حصول مظنون بہ ظن غالب ہوگا۔ اور حکومت کفار کی ہے۔ لہذا ایسے شخص کیلئے زندگی بیمہ کرانا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے اپنی آمدنی پر ظن غالب نہیں کہ ہم قسطیں وقت پر ادا کرسکیں گے تو اسے اجازت نہیں۔ کہ اسمیں مسلمان کے مال کی تضییع ہے بلکہ بالقصد کافر کو اپنا مال دینا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباحی

الجواب :۔ جب زید نے عمرو سے کہدیا کہ خرچ کرسکتے ہو تو اب یہ رقم امانت و ودیعت نہیں کہ ودیعت کا بعینہ واپس اور رد کرنا واجب ہے۔ بلکہ یہ قرض ہے جو مثل کے ساتھ ادا کیا جائیگا۔ اور واجب فی الذمہ ہوگا۔ لہذا صورت مذکورہ میں اس رقم کا مالک عمرو ہے اور اسی عمرو کا مال ہلاک ہوا زید کو اس سے تعلق نہیں زید کے جتنے روپئے عمرو پر ہیں وہ واجب الادا ہیں یہ خیال کرنا چاہئے کہ عمرو نے زید سے کب مانگا تھا جو قرض قرار دیا جائے کہ قرض کیلئے یہ ضرور نہیں کہ مستقرض طلب کرے اور اپنی ضرورت سے مانگے بلکہ بغیر طلب مستقرض کے بھی قرض ہوسکتا ہے اور بطور خود بھی دوسرے کو قرض دیا جاسکتا ہے۔ فقہانے سفتجہ کو قرض ہی میں شمار کیا ہے۔ ہدایہ وغیرہا عامہ کتب میں اوسکا قرض ہونا مصرح ہے حالانکہ یہ مقرض اپنی غرض اور فائدے کے لئے دیتا ہے اور بغیر مانگے خود دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ عبداللہ جی از پالی مارواڑ ۸ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ یوم شنبہ

ایک شخص نے اپنا زیور بنئے کے یہاں سود پر گرو رکھا دوسرا شخص مسلمان اس کے روپیہ دیکر زیور چھڑالاکر زیور والے کو زیور دیتا۔ اب یہ زیور چھڑانے والا اپنا روپیہ زکوٰۃ میں وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں؟ اللہ اجر دے گا

الجواب :۔ جس نے زیور چھڑایا ہے اگر مالکِ زیور نے اس کو چھڑانے کے لئے کہا تھا تو اس شخص نے جتنا روپیہ ادا کیا ہے زیور کے مالک سے وصول کرسکتا ہے اور اگر بغیر اس کے حکم کے اس نے اوسکا قرض ادا کرکے زیور چھڑایا تو قرض کے ادا کرنے میں متبرع ہوا اب زیور والے سے اس روپیہ کو وصول بھی نہیں کرسکتا اور زکوٰۃ دونوں صورتوں میں سے کسی میں ادا نہیں ہوگی بلکہ اگر زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو زکوٰۃ کا روپیہ زیور کے مالک کو بطور تملیک دیدے اگر وہ مالک نصاب نہ ہو اور زکوٰۃ کی نیت کرے اب وہ شخص اس روپئے سے اپنا زیور چھڑالے تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور وہ زیور بھی رہن سے چھوٹ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بابُ الرّبا

مسئلہ: مسئولہ فضل الرشید خان محلہ فراشی ٹولہ بریلی ۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ

زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان ایک کافر یعنی ہندو سے سود لے سکتا ہے اور اس کو سود پر روپیہ دے سکتا ہے، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے؟

الجواب: سود لینا دینا حرام ہے۔ قال اللہ تعالٰی احلّ اللہ البیع وحرم الربوا حدیث میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ قال وھم سواء[1] سود بہرحال حرام ہے۔ مسلمان سے لیا جائے یا کافر سے۔ ہندوستان میں ہو یا عرب میں ہاں اگر نہ سود کہا جائے نہ سود کی نیت ہو۔ بلکہ ایک مباح مال سمجھکر لیتا ہو کہ کافر حربی کا مال مسلمان کیلئے مباح ہے جب تک غدر یعنی عہد شکنی نہو تو اسمیں حرج نہیں۔ مثلاً ہندو کو سو روپئے دئے اور ٹھہرالیا کہ سال بھر پر سوا سو لونگا۔ ردالمحتار میں ہے فی کافی الحاکم وان بایعھم الدرھم بالدرھمین نقداً او نسیئۃ فلا باس بذلک لانہ ان یاخذ اموالھم برضائھم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مسئولہ حافظ نبی از نینی تال یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو کچھ روپیہ تجارت کرنے کو دیا اور زید نے اپنی تجارت میں شرکت بھی قائم رکھی، اب زید اپنے روپیہ کے ذریعہ سے بکر کے ذمہ خوراک کھاتا ہے، اور بکر اپنی خوشی سے کھلاتا ہے اور بکر ہر طرح کی خدمت کرتا ہے اور جسوقت زید بکر سے روپیہ لیگا ایک حبّہ خوراک کا اپنی جمع میں سے مجرا نہ دیگا۔ اب زید نے بکر سے روپیہ لے لیا بکر نے خوراک کھلانا۔ اور خدمت کرنا چھوڑ دی۔ اس صورت میں زید نے

[1] مسلم ج ۲ ص ۲۷، باب الربا۔ مجتبائی

جو خوراک کھائی ہے، اور خدمت کرائی سود تو نہیں ہوا۔ بینوا توجروا

الجواب: جب زید خوراک کا روپیہ مجرا نہ دیگا۔ محض اس وجہ سے کھاتا ہے کہ اس کا روپیہ بکر کے پاس ہے تو یہ کھانا ناجائز ہے اور سود کہ قرض کے ذریعہ سے یہ نفع حاصل کرتا ہے اور جب قرض سے کسی قسم کا نفع حاصل کیا ہے تو سود ہے احدیث میں ہے کل قرض جر منفعة فھو ربا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مرسلہ رشید الدین احمد ضلع نرسنگھ پور سی۔ پی ۴ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص کا کچھ روپیہ کسی ہندو مہاجن کے یہاں بطور امانت (بینک کے طریقہ پر) رکھا ہے اور مہاجن اس رقم پر اپنے قاعدہ کے موافق سود دیتا ہے، کیا مسلمانوں کو اس مہاجن سے سود لینا جائز ہے، نیز جو بینک گورنمنٹ کیطرف سے پوسٹ آفس میں ہوتے ہیں (سیونگ بینک) اور عام بینکوں سے اسمیں شرح سود کم ہے۔ اس سے سود لینے کا کیا حکم ہے اور کسی دوسرے بینک کہ جو گورنمنٹ سے تعلق نہ رکھتے کیا مسلمان ان سے سود لے سکتا ہے درصورت عدم جواز کوئی صورت وحیلہ شرعی ہندوستان میں نفع حاصل کرنے کیلئے ہوسکتا ہے۔ جس سے وبال سود لازم نہ آئے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب: سود حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرّم الربوا۔ ہاں کفار غیر ذمی سے جو مال بغیر غدر حاصل ہو وہ حلال ہے، اور وہ سود نہیں، اگرچہ وہ کافر سود کہکر دیتا ہو مگر اس لینے والے کو چاہیے کہ اسے سود نہ سمجھے کہ سود کیلئے مال معصوم شرط ہے۔ طحطاوی علی الدر میں ہے شرط الربا عصمة البدلین جمیعًا[1]۔ اور انکے اموال مباح، ہدایہ و فتح القدیر و عنایہ و جامع الرموز و جوہرہ نیرہ و بحر الرائق و در مختار وغیرہا عامۂ اسفار میں ہے لان مالھم مباح فی دارھم[2] واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئولہ محمد عطاء اللہ وارد حال بریلی محلہ گلاب نگر کوٹھی سردار منزل معرفت بخشی ابرار حسین صاحب ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

علمائے دین و مفتیان شرع متین سے فتویٰ طلب ہے اس بارہ میں کہ زید مدرسہ سرکاری انگریزی میں مدرس تھا۔ اسکی تنخواہ سے آنہ فی روپیہ وضع ہوا کرتا تھا اور آدھ آنہ فی روپیہ

---

[1] طحطاوی علی الدر ج ۳ ص ۱۱۲ باب الربا۔ [2] ہدایہ ج ۳ ص ۱۰۶ باب الربا۔ مصباحی

کے حساب سے خود سرکار دیتی تھی۔ اسطرح ڈھیڑھ آنہ فی روپیہ تنخواہ پر ہر ماہ میں جمع ہوتا رہتا تھا۔ اس مد کا نام فنڈ تھا۔ دوران ملازمت تا انفکاک ملازمت وہ اس کے واپس لینے کا مجاز نہ تھا۔ آخر سال میں اس روپیہ کا کچھ سود بھی جیسا کہ بینک کا معمول ہے اصل روپیہ میں شامل کردیا جاتا تھا۔ ۱۹۰۴ء سے یہ قاعدہ بطور پینشن جاری کیا گیا ۱۹۲۳ء میں اختتام ملازمت پر بجائے پینشن انیس سال کے بعد یہ کل رقم مع سود نامبردہ کو حوالہ کردی گئی۔ اس دوران میں یہ رقم چند مرتبہ حد نصاب زکوۃ کو بھی پہنچ چکی ہے اب امورات ذیل قابل استفسار واستفتار ہیں۔ بینوا توجروا

۱۔ موجودہ صورت میں جو روپیہ نوٹوں میں سرکار سے ملا ہے اور سود بھی اسکے ساتھ ہے تو اس سود کا لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ زید نے سود لینے سے انکار بھی کردیا تھا کیا جمع شدہ روپیہ جو زیادہ روپیہ دیا گیا ہے وہ سود کی حد میں داخل ہے؟

۲۔ اگر یہ زیادتی سود ہے تو اس کو کیا کیا جائے؟ واپس یا خیرات؟

۳۔ انیس سال کی زکواۃ دینی چاہیئے یا صرف سال حال کی جبکہ روپیہ وصول ہوا ہے اور سود کی رقم پر زکواۃ دی جائے یا اصل رقم پر صرف؟

۴۔ یہ روپیہ نوٹوں میں ملا ہے۔ تاوقتیکہ نقری سکّہ سے تبدیل نہ ہوں نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

۵۔ کسی غریب سید یا بیوہ سیدہ کو جبکہ وہ سخت اہل ضرورت ہوں زکواۃ دی جاسکتی ہے؟

۶۔ اس روپیہ سے حج ہوسکتا ہے؟

الجواب ۱و۲ وہ روپئے کہ بینک یا گورنمنٹ سے سود کہکر دیئے انکا لینا جائز ہے۔ کہ یہ سود نہیں سود اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عقد میں مشروط ہو اور اگر عقد میں شرط نہ ہو وقت ادا کچھ زیادہ دیا تو یہ سود نہیں، اور صورت مسئولہ میں زید نے روپئے دیتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اتنا زائد لونگا بلکہ زید نے تو سرے سے بطور خود یہ روپیہ جمع کیا بھی نہ تھا بلکہ گورنمنٹ ایک آنہ فی روپیہ اسکی تنخواہ کا ٹکر جمع کرتی رہی، اب بنک کے سود کہدینے سے سود نہیں ہوجائے گا ملتقی الابحر میں ہے ھو فضل مال خال عن عوض شرط

لاحد العاقدین[1]۔ تنویر الابصار میں ہے ھو فضل خال عن عوض بمعیار شرعی مشروط لاحد العاقدین[2]۔ ہاں اسکا خیال رکھے کہ لیتے وقت یہ نیت سود نہ لے کہ سود سمجھکر لینا گویا اپنے طور پر حرام لینا ہے، اور خلاف شرع کرنا ہے اگرچہ یہ نیت مال کو حرام نہ کریگی مگر یہ فعل حرام ہوگا۔ بلکہ اس نیت سے لینا چاہیئے کہ ایک شخص اپنی خوشی سے اپنا مال دے رہا ہے۔ مجھے اسکا لینا مباح ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ یہ زیادتی مشروط نہیں مگر چونکہ یہ معروف و مشہور ہے لہذا حکماً مشروط کہ المعروف کالمشروط اور اس نے اگرچہ خود نہیں دیا گورنمنٹ نے دیا ہے عقد وکیل مؤکل کیلئے ہوتا ہے اور فضولی کا عقد قبول مالک پر موقوف ہوتا ہے، تو عاقد حقیقۃً زید ہی ہوا مجمع الانہر میں ہے عقد الوکیل عقد للموکل وعقد الفضولی یتوقف علی قبول المالک فیصیر العاقد حقیقۃً الموکل او المالک۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان کا بنک ہو اور اسکے یہاں سود دینا معروف ہو تو یہ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے کفار سے جو اموال ان کی خوشی سے ملیں وہ مطلقاً جائز ہیں، اور سود نہیں لان شرط الربا عصمۃ البدلین کما فی الطحطاوی ومالھم غیر معصوم جوھرہ نیرہ میں ہے اذا اخذہ علی ھذا الوجہ بطیبۃ نفسہ کان اولی بالجواز[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ زکاۃ انیس سال کی دینی ہوگی، جبکہ وہ اس وقت سے مالک نصاب ہو۔ اور سال گزر چکا ہو ورنہ جب سے مالک نصاب ہوکر ایک سال پورا ہوگیا ہو ہر سال کی زکاۃ دے، مگر سال اول میں جتنا روپیہ تھا اتنے ہی کی زکاۃ واجب ہے، یہ نہیں کہ جتنا وصول ہوا سبکی زکاۃ ہر سال دیجائے یوہیں سال دوم میں دو سال کے جتنے روپئے ہوئے، انکی زکاۃ دے بلکہ سال اوّل زکوٰۃ کی رقم نکال کر اب جو کچھ باقی بچے، اگر نصاب یا نصاب ثانی کا پانچواں حصہ ہے تو چالیسواں حصہ زکاۃ دے اور اگر نصاب ثانی کے خمس سے کم ہو تو صرف نصاب اوّل کی زکاۃ ہے،

---

[1] ملتقی الابحر ج ۲ ص ۲۹۲ باب الربا۔ [2] تنویر الابصار ج ۴ ص ۱۹۶ باب الربا [3] جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۲۱۸ باب الربا۔ مصباحی

اور وہ زیادتی کہ خمس سے کم ہے معاف ہے، مثلاً سال اوّل میں وہ رقم دو سو درہم تھی اور دوسرے سال چار سو تو پہلے سال کی زکاۃ پانچ درہم ہوئی دوسرے سال میں اس رقم کے نکالنے کے بعد پانچ کم چار سو ہوئے تو صرف تین سو ساٹھ درہم کی زکاۃ ہوئی کہ ۳۵ درہم خمس نصاب سے کم ہے، وعلی ہذا القیاس ہر سال کا حساب کرلیں اور زکاۃ صرف اس رقم پر ہے جو اسکی تنخواہ سے ایک آنہ روپیہ کٹکر جمع ہوتا گیا باقی آدھ آنہ فی روپیہ جو گورنمنٹ جمع کرتی رہی، اور وہ رقم کہ بنک نے سود کہکر دی انکی زکاۃ واجب نہیں کہ یہ رقمیں وصول ہونے سے قبل اسکی ملک ہی نہیں، ہاں اب وصول ہونیکے بعد جب اور اموال کا سال پورا ہوگا تو ان کے ساتھ انکی بھی زکاۃ دیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ نوٹ حکم میں پیسوں کے ہیں کہ پیدائشی ثمن نہیں مگر عرف نے انھیں ثمن قرار دے رکھا ہے، لہذا نوٹ پر بھی زکاۃ واجب ہے سونے یا چاندی سے بدلنے کی کچھ ضرورت نہیں، اور ادائے زکاۃ کے وقت وہی قیمت لگائی جائیگی جس قیمت کا کہلاتا ہے، واللہ اعلم

۵ سادات کرام کو نہ زکاۃ دینا جائز نہ انکا لینا جائز اور ان کو دینے سے زکاۃ ادا نہ ہو گی۔ حدیث میں فرمایا۔ انما الصدقات اوساخ الناس لاتحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[1] ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ فقیر کو دیں، پھر وہ فقیر اپنی طرف سے سید یا سیدہ کی نذر کرے۔ اگرچہ بیشتر اس فقیر سے یہ تذکرہ ہوچکا ہو۔ کذا فی الدرالمختار واللہ تعالیٰ اعلم

۶ جب یہ رقم جائز ہے تو اس سے حج بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئولہ محمد امین محلہ بھوڑ متصل دیوان خانہ ضلع بریلی ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس عمرو آدے اور یہ کہے کہ میرے پاس بیس روپیہ کے نوٹ ہیں اسکے مجھکو روپیہ دیدو۔ زید اس سے یوں کہے کہ میں تجھکو دو آنہ کم بیس (۲۰) روپیہ دونگا۔ تیرا جی چاہے تجھکو ضرورت ہو تو دو آنہ کم بیس (۲۰) روپیہ لیجا اور بٹہ کا

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۳۴۵ باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ ۱۲ مصباحی

زید و عمرو کے درمیان لفظ نہ آئے۔ عمرو رضامند ہو کر زید سے دو آنہ کم بیس ۲۰ روپیہ لے لئے اور زید اسکو دے دیے۔ زید اس پیسہ کو اپنے صرف میں لا دے۔ تو اس صورت سے اس کو لینا جائز ہے یا نہیں۔ اور زید کو بھی ایسا ہی موقعہ در پیش آوے اور زید عمرو کو چار آنہ یا آٹھ آنہ کم دیدے تو زید کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ نوٹ کو کم و بیش پر خریدنا بیچنا جائز ہے۔ مثلاً دس کا نوٹ آٹھ روپئے یا بارہ میں بیچا کچھ حرج نہیں، اور اگر دس کا نوٹ قرض دیا ہے تو پیسہ اوپر دس روپئے لینا بھی جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ محمد امین محلہ بھوڑ ضلع بریلی ۷ ار ذی الحجہ ۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص مسلمان کہ جنکا نام کڑے و پیر بخش ہے۔ یہ دونوں آدمی سود کھاتے ہیں۔ علانیہ طور سے اور بدھا فقیری مسماۃ نصیبن سلار بخش یہ سب لوگ بھی سود کھاتے ہیں۔ انکو برادری میں رکھنا سلام کلام کرنا ایک جگہ ان کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور جو ان شخصوں کا شریک ہو اس کے واسطے شرع شریف سے کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ سود لینا حرام، حرام اشد حرام ہے۔ حدیث میں ہے الربا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ[1]۔ سود ستر گناہ ہے ان سب میں ہلکا یہ کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے باقی اُنہتر ۶۹ اس سے بھی بدتر ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر توبہ فرض ہے اگر توبہ کرکے اپنی اس ناپاک حرکت سے باز نہ آئیں تو مسلمان انسے مقاطعہ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ حاجی نعمت علی صاحب ضلع مظفر پور ڈاکخانہ رائے پور ساکن پنٹول ۱۴ صفر ۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ کسی شخص نے سود پر روپیہ لیا یا غلہ لیا

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۸ باب الربا۔ مصباحی

پھر ادا کرتے وقت اصل دیا اور سود نہ دیا تو اس پر مواخذہ شرعی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر بلا ضرورت شرعیہ سود پر روپیہ یا غلہ لیا تو یہ عقد ربا بہر حال حرام ہے اور سود دیا تو یہ دوسرا حرام ہوا۔ اگر ادا کرتے وقت سود نہ دیا جب بھی انشاء عقد حرام کا گناہ تو اسکے ذمہ رہا۔ اس سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئولہ آفتاب الدین طالبعلم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۱۲ جمادی الاولی ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کفار کے مال حیلہ وبہانہ سے اپنی عزت بچاکر لینا جائز ہے یا نہیں مع دلائل ارشاد فرمائیے ؟

الجواب :- کافر حربی کا مال مباح ہے۔ یعنی عہد شکنی نہ ہو۔ کہ غدر حرام ہے۔ اور وہ صورت بھی جائز نہیں کہ ذلت کا سامنا ہو۔ کہ مسلمان کو عزت کا تحفظ نہایت ضروری ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ منشی عبدالعزیز خانصاحب از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۲۲

بینک میں جو روپیہ رکھا جاتا ہے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سود حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوا۔ ہاں اگر سود سمجھ کر نہ لیں بلکہ یہ کہ کافر اپنی خوشی سے اپنا مال دیتا ہے اگر بینک والا سود ہی کہتا ہے مگر یہ نہ کہے نہ سود سمجھے تو اس نیت کے ساتھ لینے میں اصلاً مضائقہ نہیں کما بیناہ فی فتاوینا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئولہ محمد عبدالقادر محلہ ملوکپور بریلی ۱۱ جمادی الاولی ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھکو ڈیڑھ سو روپیہ کی ضرورت ہے اور دائن بھی مسلمان ہے سود سے بچنے کیواسطے شرعی طور سے روپیہ دیں اور منافع بھی اٹھاویں ؟

الجواب :- اگر سود کے لین دین سے بچنا چاہیں تو دائن کو چاہئے کہ روپے بطور قرض بلا شرط دیدے اور مدیون دائن کے پاس کوئی چیز قینچی جاتو وغیرہ رکھدے اور یہ کہدے کہ اسکی حفاظت کا معاوضہ اتنا ماہوار دیا کرینگا یوں ہر ایک سود سے بچ گیا اور دائن کو نفع بھی مل گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱): مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ کوئی غریب بحالت مجبوری مہاجن سے کچھ غلہ یا روپیہ سود پر لیکر دفع ضرورت کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں بلا سود کے نہ مسلمان ٹکا پیسہ دینے والے ہیں نہ ہندو یہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئلہ (۲): مضمون حدیث کا سود کے کھانے والے دینے والے کتابت کرنیوالے وکالت کرنیوالے شہادت دینے والے سب پر وعید شدید بتلا رہا ہے پھر اس زمانے میں کوئی کھاتا ہے کوئی کھلاتا ہے کوئی گواہی کرتا ہے کوئی کتابت کرتا ہے شاید ہی کوئی اس سے بچا ہو پھر عمل کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب (۱): اگر واقعی ضرورت ہو تو لے سکتے ہیں۔ الضرورات تبیح المحذورات مگر شادی غمی کی بیجا رسمیں یا جائداد خریدنے یا تجارت بڑھانے کیلئے سود پر روپے لینا جائز نہیں کہ یہ کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) عمل اس پر کرے جو اللہ ورسول کا حکم ہے نہ اس پر جو شیطان اسے تعلیم دے جو بچنا چاہے اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ اور جو خود مبتلا ہونا چاہے تو وہ غنی عن العلمین ہے لوگ بلاوجہ حرام کو ترک نہ کریں تو وہ خود گنہگار ہونگے وہ حرام حلال نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: از کوسالپورہ ملک مارواڑ ڈاکخانہ گڑیا مرسلہ پیرزادہ سید مولابخش صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

ایک شخص نے دوسرے شخص کو روپیہ دیا اور وعدہ یہ کیا کہ جب تک تم روپیہ ادا نہیں کروگے جب تک ہمارا فلاں کام کرنا ہوگا ہمارے روپئے کا بیاج نہیں یعنی سود اور تمہارے کام کی مزدوری نہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرض دیکر یہ ٹھہرالینا کہ جب تک ادا نہ کرے میرا کام کرنا ہوگا یہ سود ہوا کہ یہ کام اوسی روپیہ کے نفع میں لے رہا ہے اوسکا یہ کہنا کہ سود نہ لیگا مہمل ہے آخر یہ کام کس چیز کے عوض میں لیتا ہے حدیث میں ہے کل قرض جر منفعة فھو ربا قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از درگاہ کمیٹی اجمیر شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکار گورنمنٹ ہند نے جنگ کے وقت امداد کیلئے قرضہ مبلغ دو ہزار روپیہ خزانہ درگاہ شریف سے لیا وہ رقم تو بدستور موجود ہے اور اسمیں کچھ کمی نہیں لیکن علاوہ اصلی رقم قرضہ کے کچھ زائد روپیہ اضافہ ہوکر وہ رقم اضافہ کیساتھ درگاہ شریف میں آیا کرتی ہے اور وہ خزانہ درگاہ شریف میں شامل ہوکر استعمال میں لائی جاتی ہے تو ایسا روپیہ شرعًا داخل سود ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سود کیلئے یہ ضرور ہے کہ قرضہ دیتے وقت مقرض نے مستقرض سے ٹھہرالیا ہو کہ جتنا دیا جاتا ہے اس سے زائد لیا جائے گا۔ اور اگر اس وقت ایسا نہ ہوا اور مستقرض نے بطور خود یہ سمجھکر کہ اس نے ہماری ضرورت کے وقت رقم دیکر ہمارا کام چلادیا۔ یا اس کو صاحب حاجت جان کر یا کسی دیگر وجہ سے کچھ زائد دیا تو یہ ربوا نہیں۔ نہ اس پر ربوا کی تعریف صادق۔ ربوا اگرچہ لغتہً مطلقًا زیادت کو کہتے ہیں۔ مگر شرعًا ہر زیادت نہ ربوا، نہ حرام، بلکہ ایک خاص قسم کی زیادتی کو کہتے ہیں۔ اور اس کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں۔ کہ اگر وہ متحقق نہ ہوں تو شرعًا ربوا نہیں۔ مثلاً عددیات میں ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے بدلے میں بیچا ربوا نہیں۔ اگرچہ زیادتی ایک جانب میں موجود ہے۔ یا ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے میں بیچے یہ بھی سود نہیں یا ایک معین پیسہ کو دو معین پیسوں کے بدلہ میں خریدا مثلاً یوں کہا کہ اس پیسہ کے بدلے میں دہ روپیہ خریدے یہ بھی سود نہیں۔ ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں ہے

ویجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمرة بالتمرتین والجوزة بالجوزتین لانعدام المعیار

فلا یتحقق الربوا ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما[1] باوجودیکہ ان صورتوں میں عقد معاوضہ یقیناً ہے۔ اور ایک طرف زیادت بھی یقیناً موجود ہے۔ بلکہ وہ زیادت عقد میں یقیناً داخل ہے پھر بھی جائز ہے۔ اور سود نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ شرع مطہر نے اس کے تحقق کیلئے کوئی خاص معیار قرار دے رکھا ہے۔ کہ اسی صورت میں ربوا ہوگا۔ اور حرمت کا حکم دیا جائیگا لہذا پہلے اسکی شرعی تعریف بیان کی جاتی ہے اسی لیے معلوم ہوجائے گا کہ صورت مستفسرہ اس حد کے اندر داخل ہے یا نہیں۔ اور حکم بھی وہیں سے واضح ہوجائے گا۔

درمختار میں ہے۔ ھو لغۃ مطلق الزیادۃ وشرعاً فضل خال عن عوض معیار شرعی وھو الکیل والوزن مشروط ذلک الفضل لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ[2] یعنی عقد معاوضہ میں احد المتعاقدین کیلئے جو زیادتی ایسی ہو کہ اس کے مقابل میں دوسری جانب عوض نہ ہو اور اس کیلئے کوئی شرعی معیار بھی یعنی ناپ یا تول ہو تو سود ہے۔ جب ان سب قیدوں کا تحقق ہوگا اسی وقت سود کہہ سکتے ہیں، ورنہ نہیں، لہذا مقرض نے قرض دیتے وقت اگر زیادتی کا ذکر نہ کیا تو عقد میں زیادت متحقق نہ ہوئی، اور سود نہ ہوا اگرچہ مستقرض نے بطور خود وہ چیز دے دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل اور ارشاد سے بھی اسکا جواز ثابت۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کان لی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دین فقضانی وزادنی۔ میرا کچھ قرضہ حضور کے ذمہ تھا حضور نے اسے ادا فرمایا اور زیادہ دیا۔ رواہ ابوداؤد۔ شیخ محقق محدث دہلوی فرماتے ہیں لم یکن الزیادۃ مشروطۃ فی صلب العقد یہ زیادت نفس عقد میں مشروط نہ تھی لہذا جائز ہے۔ ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا تھا جب حضور کے پاس اونٹ آگئے مجھے حکم فرمایا کہ اس کے قرض کا اونٹ ادا کردوں

---

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۸۱ کتاب البیوع، باب الربا۔ [2] درمختار ج ۴ ص ۱۹۶ باب الربا۔ مصباحی

میں نے عرض کیا ان میں سب اونٹ انکے اونٹ سے بہتر ہیں ارشاد فرمایا یہی دے دو فان خیر الناس احسنھم قضاء رواہ مسلم البتہ یہ زیادتی جو مدیون نے دی اور نفس عقد میں نہ تھی اگر حد شہرت کو پہونچی ہو کہ مدیون جس سے لیتا ہے اسے علاوہ دین کے بھی کچھ ضرور دیتا ہے۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اس نے جو اسے دیا یہی سمجھکر دیا کہ زیادہ ملیگا تو اگرچہ ایسی زیادتی کا عقد میں ذکر نہ ہوا مگر المعروف کالمشروط کے تحت میں داخل ہو کر ناجائز ہو گی کہ کل قرض جر منفعۃ فھو ربوا۔ ہاں اگر بوقت عقد دونوں میں سے ایک نے بھی زیادہ لینے یا دینے سے انکار کر دیا اور بروقت ادا مستقرض نے زیادہ دیا تو حرام نہیں کہ الصریح یفوق الدلالہ۔

یہاں تک کہ جو کچھ کہا گیا اس کا حکم ہے کہ جہاں سود ہو سکتا تھا۔ اور چونکہ داخل عقد نہیں لہذا سود نہیں اور بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خصوصیت عاقدین اسے ربوا ہونے سے خارج کر دیتی ہے۔ اگرچہ زیادت نفس عقد میں مذکور ہو مثلاً کافر حربی جو دارالاسلام میں امان لیکر نہ آیا ہو اس سے اگر اس قسم کا عقد کیا جائے جو دو مسلمان یا مسلم و ذمی کے مابین ہوتا تو سود ہوتا اس کافر حربی سے یہ عقد ربوا نہیں۔ حدیث میں ہے لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب۔ بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ربوا ہے اور جائز ہے یہ ان کی غلطی ہے جب قرآن مجید میں مطلق وارد کہ حرم الربوا تو ربوا حلال کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ حقیقت حال یہ کہ یہ سود ہی نہیں جس کیلئے حکم حرمت ہو اسی واسطے حدیث شریف میں لاربوا فرمایا کہ یہ سود ہی نہیں نہ یہ کہ یجوز الربوا کہ سود تو ہے مگر جائز ہے۔ اور خود صاحب مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ سود نہیں۔ وبینھما بون بعید۔

اب رہا یہ معاملہ کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام اگر دارالحرب ہو جیسا کہ بعض نے کہا۔ جب تو مسئلہ صاف واضح ہے کہ حدیث اور امام اعظم کا قول ہوتے ہوئے کلام کی کیا جگہ۔ اور اگر دارالاسلام ہے اور یہی صحیح و مختار ہے کہ دارالاسلام ہونے کے بعد دارالحرب

بننے کیلئے جو شرائط ہیں وہ یہاں مفقود۔ اس تقدیر پر یہ بات قابل غور ہے کہ دارالحرب میں ربا ہونے کی علت کیا ہے۔ اگر وہ علت یہاں موجود ہے تو یہاں بھی ربوا نہیں۔ کہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے اور اسکی علت ہم اپنے دل سے تراشیں تو کیوں مسموع ہو۔ لہذا فقہاء کی طرف نظر منعطف کی جائے۔ اور انھیں کے کلام سے استدلال کیا جائے۔ یہی اولیٰ وانسب ہے جب ان کے کلام میں اس حکم کی کوئی علت ملے تو اسی پر حکم کا مدار ہوگا۔ اور ظاہر ہو جائے گا کہ ،، فی دارالحرب ،، کی قید اتفاقی ہے۔ مقصود صرف اتنا ہے کہ ذمی و مستامن سے ایسا عقد ربا ہے۔ کہ ذمی کیلئے خود حدیث کا نص صریح لھم مالنا وعلیھم ماعلینا انکو خمر و خنزیر کی بیع و شراء کے سوا تمام معاملات میں حکم مسلم میں قرار دیتا ہے۔ اور مستامن کو چونکہ اتنے دنوں کیلئے امان دی گئی۔ لہذا اس زمانہ تک ذمی کے حکم میں ہے۔ باقی بغیر امان اگر دارالاسلام میں گھس آئے۔ تو اسے یہاں چھوڑ کب سکتے ہیں۔ کہ لوگوں سے معاملہ خرید و فروخت اقراض واستقراض کرے کہ وہاں یہ سوال پیدا ہو سکے کہ سود ہوگا یا نہیں۔ بلکہ اسکا مال شرعاً مباح ہے۔ جو چاہے جس طرح چاہے لے سکتا ہے پھر کیسا سود اور کیسی حرمت اسی واسطے ردالمحتار میں فرمایا وقید به لانه لودخل فی دارنا بامان فباع منه مسلم درھما بدرھمین لا یجوز اتفاقا اھ عن مسکین[۱]۔ اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ امان کیوجہ سے اسکو معاملات میں وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو ایک ذمی کے لئے ہیں۔ اور اگر امان کیساتھ اسکا آنا یا قیام کرنا نہ ہو تو وہ حربی محض ہوگا۔ اور اسکے لئے دارالاسلام میں کوئی ایسی مراعات نہ ہوگی جو ذمی کیلئے ہے۔ مسلم و حربی میں ربوا متحقق نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ ربوا کیلئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے۔ اور حربی کا مال دارالحرب میں معصوم نہیں لہذا غدر و عہد شکنی کے سوا جس طرح بھی ان کا مال حاصل ہو مباح ہے۔ طحطاوی علی الدر

---

[۱] ردالمحتار ج ۴ ص ۲۰۹ کتاب البیوع، باب الربا۔ مصباحی

میں ہے۔ شرط الربوا عصمۃ البدلین جمیعا۔ اور یہ شرط مال حربی میں مفقود۔ اسلئے ہدایہ و فتح القدیر و عنایہ و جامع الرموز و جوہرہ نیرہ و بحر الرائق و درر و در مختار وغیرہ عامہ کتب میں فرمایا۔ لان مالھم مباح فی دارھم۔ ان کا مال دار الحرب میں مباح ہے۔ فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر[1]۔ مسلمان اس مال کو جسطرح لے۔ مال مباح کو لینا ہوگا۔ جب تک غدر نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ مال مباح میں ربوا اور حرمت کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ ورنہ لازم آئے کہ مباح بھی ہو اور حرام بھی۔ اور ان دونوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ نیز صاحب ہدایہ کی یہ عبارت کہ بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محظورا لعقد الامان۔ صاف طور پر بتاتی ہے کہ اسکا مال امان لینے کی وجہ سے ممنوع ہوجاتا ہے۔ جب تک امان نہ ہو مباح ہوتا ہے اور اس میں ربوا کا تحقق نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان جب دار الحرب میں گیا تو اسے کوئی ایسا فعل جائز نہیں جو عہد شکنی ہو۔ اور اسکے علاوہ انکی خوشی سے انکا مال ہر طرح لے سکتا ہے۔ اگرچہ کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے ہو جو مال معصوم میں حرام ہو۔ بحر الرائق میں ہے لان مالھم مباح وبعقد الامان منھم لم یصر معصوما الا انہ التزم ان لا یتعرض لھم بغدر ولا لما فی ایدیھم بدون رضاھم فاذا اخذ برضاھم اخذ مالا مباحا بلا غدر فیملکہ بحکم الاباحۃ السابقۃ اسی کے مثل تبیین اور دیگر کتب میں ہے۔ در مختار میں ہے۔ فیحل برضاہ مطلقا بلا غدر۔ طحطاوی میں ہے ولو بعقد فاسد۔ غرض یہ ہے کہ اصل علت عدم ربوا کی اباحت مال ہے اب اگر فرض کیجئے کہ دار الاسلام میں کفار مقیم ہوں یا کفار کی حکومت ہوجائے تو مسلم کو ان سے عہد شکنی جائز نہ ہوگی۔ اور انکی خوشی و رضامندی سے اگر کوئی مال ہمارے ہاتھ آئے اگرچہ کسی عقد فاسد کے ذریعہ سے ہو یا وہ اسے سود کہکر دیتے ہوں تو یہ حقیقۃً سود نہیں۔

---

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۸۶ باب الربا۔ [2] ایضاً۔ مصباحی

اور اسکا لینا جائز۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مدار کار عصمت واباحت ہے۔ دار الحرب کی قید ضروری نہیں۔ لہذا اگر ایسی صورت دار الاسلام میں متحقق ہوجائے تو یہاں بھی جائز۔ امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اصل علت اباحت ہے اور وہ حدیث جو اوپر مذکور ہوئی اگر نہ بھی ہوتی جب بھی حکم یہی ہوتا۔

حیث قال ان المطلقات مراد بمحلها المال المحظور ابحق لمالکه ومال الحربی لیس محظورًا الا لتوقی الغدر، وھذا التقریر فی التحقیق یقتضی انه لو لم یرد خبر مکحول یکون اجازة النظر المذکور اعنی کون ماله مباحًا الا لعارض لزوم الغدر[1]۔ جب حکم ایسے اکابر اجلہ کی تصریحات سے معلول ٹھہرا۔ تو ضرور علت ہی کی طرف نظر ہوگی۔ اور دار الاسلام میں بھی علت کے تحقق سے اخذ مال جائز ہوگا۔ نیز اس سے بھی صریح تر درمختار اور اس کے متن تنویر الابصار کی عبارت ہے جسکا محصل یہ کہ جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی تک اس نے ہجرت نہ کی ہو اگر اس سے اس قسم کا عقد ہو تو وہ بھی ربوا نہیں۔ عبارت یہ ہے۔ وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یھاجر کحربی فللمسلم الربا معه خلافا لهما لان ماله غیر معصوم[2]۔ جب ما بین المسلمین ربوا نہ ہوا کہ مال غیر معصوم ہے حالانکہ وہاں قید بین المسلم والحربی تھی۔ اور غیر حربی میں بھی بوجہ علت متحقق نہ ہونے کے سود نہ ہوا۔ تو غیر دار الحرب میں علت ربوا کی عدم تحقق کی صورت میں ربوا کیونکر ہوگا

اب رہا یہ امر کہ ہندوستان کے کفار کس قسم کے ہیں۔ یہ تو ظاہر کہ ذمی نہیں۔ جب تک اسلامی سلطنت تھی اس وقت تک بے شک ذمی تھے۔ جب سلطنت گئی اس کے ساتھ ساتھ عہد و ذمہ بھی رخصت ہوا۔ انکو ذمی کہنا ایسا ہی ہوگا کہ اندھے کو آنکھوں والا کہا جائے۔ مستامن بھی نہیں کہ یہاں سکونت پذیر ہیں۔ اور مستامن کیلئے ایک محدود زمانہ تک کی اقامت کی اجازت ملتی ہے۔ نیز کسی بادشاہ اسلام نے انھیں امن نہ دیا کہ مستامن ہوں وہ تو ہندوستان سے مسلمانوں ہی کو

---

[1] فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸ باب الربا۔ [2] درمختار ج ۴ ص ۲۱۰ باب الربا۔ مصباحی

نکالنے کی ہی فکر میں ہیں۔ پھر ہم انکو مستامن کیسے جانیں۔ کیسی جہالت ہے، اور جب یہ دونوں نہیں تو ضرور حربی ہیں۔ اگر حکومت کا خوف نہ ہوتا تو اپنی حربیت کا ظاہر ثبوت دیدیتے۔ اور اب بھی جب موقعہ پاتے ہیں کیا اٹھا رکھتے ہیں۔ اپنے دوسرے ملک کے غیر مسلم وہ یہاں بطور حکومت ہیں۔ یا انکے ہم قدم۔ نہ وہ ہمارے ذمہ میں ہیں نہ وہ ہماری امان میں، غرض ذمی یا مستامن کا وجود سلطنت اسلام سے وابستہ ہے۔ اور جب سلطنت نہیں تو نہ ذمی نہ مستامن لہذا ہمکو غدر جائز نہیں۔ اور انکے اموال جو انکی خوشی سے ہمیں ملیں لینا جائز۔ سلطنت یا کوئی بنک جسکے پاس روپیہ رکھا گیا اگر اصل سے زائد کرکے کچھ رقم دے۔ اسکا لینا حلال طیب، تصریحات بالا سے ثابت کہ وہ ہرگز سود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دینے والے اسے سود کہکر دیتے ہیں انکے کہنے سے سود نہیں ہوسکتا۔ کہ جو چیز سود نہ ہو اسے سود کوئی کہدے تو سود نہ ہوگی۔ کیا بکری کو کسی نے سور کہدیا تو سور ہوجائے گی۔ اور اس کا کھانا حرام ہوجائیگا ہرگز نہیں۔ ہاں لینے والے کو چاہیئے کہ نہ اسے سود کہے نہ سود سمجھے بلکہ ایک مال حلال تصور کرے کہ اسے سود سمجھکر لینا گویا اپنے ذہن میں اپنے کو حرام کا مرتکب قرار دینا ہے۔ اور فعل حلال کو بہ نیت حرام کرنا بھی گناہ ہے۔ مثلاً ایک لکڑی پر کپڑا پڑا ہوا ہے۔ اندھیرے سے اس نے اسے عورت تصور کیا اور اسکی طرف چلا۔ اور ہاتھ بڑھایا تو معلوم ہوا کچھ اور ہے اگر یہ اجنبی عورت کا خیال کرکے ایسا نہ کرتا تو یہ افعال اسکے گناہ نہ ہوتے۔ مگر اسکی نیت نے اسے گناہ میں مبتلا کردیا۔ غیر مصرف زکوٰۃ کو مصرف سمجھکر زکواۃ دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مصرف نہیں تو ثواب ملے گا۔ اور جان بوجھکر کرتا تو جائز نہ تھا۔ حدیث شریف میں ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال قال رجل لاتصدقن اللیلۃ بصدقۃ فخرج بصدقتہ فوضعہا فی ید سارق فاصبحوا یتحدثون تصدق اللیلۃ علی سارق۔ فقال اللّٰھم لک الحمد علی سارق، لاتصدقن بصدقۃ فخرج بصدقتہ فوضعہا فی ید زانیۃ فاصبحوا یتحدثون تصدق اللیلۃ علی زانیۃ قال اللّٰھم لک الحمد علی زانیۃ لاتصدقن

بصدقة فخرج بصدقته فوضعها فی ید غنی فاصبحوا یتحدثون تصدق اللیلة علی غنی فقال اللّٰھم لک الحمد علی سارق وزانیة وغنی فاتی فقیل لہ اما صدقتک علی سارق فلعلہ ان یستعف عن سرقتہ واما الزانیة فلعلھا ان تستعف عن زناھا واما الغنی فلعلہ یعتبر فینفق مما اعطاہ اللہ رواہ البخاری ومسلم[1] ولہ نظائر کثیرة لانطیل الکلام بذکرھا مسئلہ حاضرہ اگرچہ بہت بسط چاہتا ہے مگر انصاف پسند کو اتنا ہی کافی اور نہ ماننے والے کیلئے دفتر ناوافی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں سود لینا جائز ہے اور خصوصاً اہل ہنود سے ؟

الجواب: ۔ سود حرام ہے نہ ہندوستان میں جائز نہ دوسرے ملک میں قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع وحرم الربوا یہ حکم مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائیگا۔ ہاں کافر حربی کا مال اسکی خوشی سے لینا جائز ہے۔ اگرچہ کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے یہ لینا ہو جو مابین المسلمین جائز نہ ہو۔ اور یہ ربوا نہو گا کہ ربوا کیلئے عصمت بدلین شرط ہے طحطاوی علی الدر میں ہے شرط الربوا عصمة البدلین اور حربی کا مال معصوم نہیں۔ غدر کے سوا جس طرح لے گا جائز ہوگا۔ بحرالرائق میں ہے۔ لان مالھم مباح وبعقد الامان منھم لم یصر معصوما الا انہ التزم ان لایتعرض لھم بغدر ولا لما فی ایدیھم بدون رضاھم فاذا اخذ برضاھم اخذ مالا مباحا بلا غدر فیملکہ بحکم الاباحة السابقة۔ واللہ اعلم

مسئلہ: ۔ از گرمشکال ڈاکخانہ ناراین پیٹھ ریاست حیدر آباد دکن مرسلہ مولوی اسرار الرحمٰن صاحب ۱۸ رجب ۱۳۴۶ھ

سود کا اس زمانہ میں جواز وعدم جواز کے بڑے تین مسائل ہیں (الف) عام طور پر

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۳۲۹ باب ثبوت اجر المتصدق۔ بخاری ج ۱ ص ۱۹۱ باب اذا تصدق علی غنی وھو لایعلم۔ مصباحی

ہندوستان دارالحرب ہے۔ لینا جائز ہے بعض کا قول (ب) صرف کفار سے لینا جائز ہے مسلمان سے نہیں لینا (ج) سیونگ بنک کا سود لینا چاہئے نہ لیں تو وہ رقم گرجاؤں کو دیدی جاتی ہے (د) مسلمان رئیسوں کے ریاست میں نہ لینا، جہاں کفار کا تسلط ہے لینا چاہئے (ہ) ایسے مصارف جنمیں بجبوری رقم دینی پڑتی ہے جیسے غیر مسلم اقوام کیلئے کچھ چندہ لیا جاوے یا فیس منی آڈر وغیرہ میں سود لیکر صرف کر سکتے ہیں اِن پانچوں صورتوں کے مفصل جواب باصواب مرحمت فرمائے جائیں

الجواب:۔ صحیح یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے، دارالحرب نہیں۔ اور قرآن پاک میں سود کو مطلقاً حرام فرمایا گیا۔ وحرم الربوا۔ اس میں نہ دارالاسلام کی قید ہے نہ مومن کی۔ پھر تخصیص کہاں سے آئی یہ ضرور ہے کہ کافر حربی سے اگر کوئی مال ہاتھ آئے اگرچہ کسی عقد معاوضہ کے ذریعہ جو مابین المسلمین فاسد ہو تو بربنائے حلت اصلیہ وہ مال حلال ہوگا۔ اور سود نہ ہوگا۔ یہ نہیں کہ سود ہے اور حلال ہے، بلکہ یہ سود نہیں ہے اسوجہ سے حلال ہے۔ حدیث میں ہے لا ربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب یعنی سود ہی نہیں ہے کیونکہ سود کیلئے عصمت بدلین شرط ہے، طحطاوی علی الدر میں ہے شرط الربوا عصمۃ البدلین اور جبکا مال معصوم نہیں تو سود کیونکر ہو۔ لہذا ہندوستان کے کفار سے جو رقم انکی خوشی سے دستیاب ہو، اگرچہ وہ کچھ کہکر دیں مگر جب لینے والا سود سمجھ کر نہ لے تو جائز ہے۔ اور سود سمجھ کر لینا ناجائز۔ اسلامی ریاست کے کفار جو رئیس کے عقد ذمہ میں ہوں ذمی ہیں انکے اموال معصوم ہیں، معاملات میں اونکے لیے مسلم کے احکام ہیں۔ لھم مالنا وعلیھم ماعلینا۔

سیونگ بنک اگر وہ رقم گرجا میں دے تو اوسکا فعل ہے اس کا مواخذہ دوسرے پر نہیں۔ اوسکو بھی وہی سمجھکر لے سکتے ہیں کہ کافر نے اپنا مال اپنی خوشی سے دیا۔ سود سمجھکر لینا ناجائز، فیس منی آرڈر تو اجرت ہے۔ ان کو ناجائز کیوں کر کہہ سکتے ہیں، ہاں اگر کوئی رقم مجبوری سے دی ہو۔ تو اوسکی واپسی کی نیت سے بھی سود والی رقم لیجا سکتی ہے کہ یہ سود لینا نہیں، بلکہ اپنا آنا ہوا وصول کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از دھوراجی کاٹھیاواڑ مرسلہ جناب سید دوست محمد ابن عبدالقادر صاحب پیش امام نگینہ مسجد محلہ پھولواری :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسلمان مشرکوں کیساتھ اس شرط سے یعنی مدت سے مال بیچتے ہیں کہ اس مال کا اتنا روپیہ اتنی مدت پر لیں گے اگر مدت پر ادا نہ کروگے تو بعد مدت کے ان روپیہ کا بیاج لیں گے، آیا یہ بیاج ان مشرکوں سے لینا کیسا ہے، کیونکہ اگر بیاج نہ لیں تو مدت کے بعد روپیہ نہیں دیتے، اور بیاج کے خوف سے جلد وصول ہوتے ہیں۔ اب جو بیاج کہ مدت کے بعد لیا گیا ہے اس روپیہ کو کس جگہ صرف کرنا چاہیئے؟ کیونکہ وہ شخص بیاج کا لین دین نہیں کرتا۔ صرف جلد روپیہ وصول ہوں، اسلئے مدت کے بعد کا بیاج لیتے ہیں، تو مدرسہ ومسجد یا یتیم خانہ یا خانقاہ وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- سود لینا حرام ہے قال اللہ تعالی وحرم الربوا۔ ایسے اعذار کی وجہ سے حرام حلال نہیں ہوسکتا^ے واللہ تعالی اعلم

مسئلہ :- از ہوڑہ مرسلہ محمد عبدالستار رضا صاحب معرفت عبدالحامد محمد شکراللہ خان سنی حنفی قادری ناظم انجمن اظہار الحق ۱۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا صرف سود کا

ے سود لینا ناجائز وحرام ہے۔ لہذا کسی عذر سے لینا بھی ناجائز وحرام ہوگا۔ لیکن اگر مسلمان مشرک حربی سے مال فروخت کرنے کے بعد مدت گذرنے پر وہ زائد رقم بیاج اور سود کہہ کر نہ لے بلکہ مال مباح سمجھ کر لے تو لینا جائز وحلال ہے۔ کہ کافر حربی کا مال کسی ایسے عقد کے ذریعہ بھی لینا جائز ہے۔ جو ما بین المسلمین ناجائز۔ لہذا مدت گذرنے پر مذکورہ زائد رقم لینا سود نہ ہوگا۔ کہ یہاں بدلین میں ایک جانب عصمت مفقود ہے۔ اور تحقق ربا کیلئے بدلین کا معصوم ہونا شرط ہے کما مر مرارا۔ البتہ ایک مباح مال کو سود سمجھکر لینے کا گناہ ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم آل مصطفے مصباحی

کاروبار ہے، ایسے شخص کے یہاں تقریب شادی بیاہ میل جول رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور سود دینے والا دلانے والا لینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے، ایک مولوی صاحب نے کہا کہ سود کے مسئلہ میں ۷۳ درجہ ہے ۷۲ واں درجہ یہ ہے کہ جس نے سود کا کاروبار کیا کہ گویا اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ ایسی حالت میں سود خور کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مسلمان کو اس سے ربط وضبط جائز ہے؟ اپنے گھر میں بلاکر اپنے برتن میں کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ بحوالہ کتب وسنت ارقام فرمادیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سود خوار کے یہاں کھانا پینا اس کے ساتھ میل جول کرنا نہ چاہیئے، حدیث میں ہے۔ لیاتین علی الناس زمان لایبقی منهم احد الا اکل الربا فان لم یاکله اصابه من بخاره وغباره[1]۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سب سود خوار ہوجائیں گے اگر خود کوئی سود نہ کھائے تو اسے بھی سود کا بخار وغبار پہنچے گا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ وذلك بانیکون موکلا اوشاھدا او کاتبا اوساعیا او اکل من ضیافته او ھدیته۔ اس کا بخار پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ سود دے یا اس کا گواہ بنے یا کاغذ لکھے یا دینے دلانے کی کوشش کرے یا اسکی ضیافت یا ہدیہ میں سے کھائے۔ یعنی سود خوار کے یہاں ضیافت کھانا بھی اسکا بخار پہنچنے کا سبب ہوتا ہے۔ جسطرح سود کھانا حرام ہے سود دینا بھی حرام ہے۔ اور سود دلانا بھی حرام ہے۔ قال اللہ تعالٰی تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ حدیث میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال وهم سواء۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور سود دینے اور اسکا کاغذ لکھنے والے اور اسکی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں[2]۔ رواہ مسلم عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک حدیث میں ہے

[1] ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۶۵ باب التغلیظ فی الربا۔ [2] مسلم ج ۲ ص ۲۷ باب الربا۔ مصباحی

درہم ربا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ[1] ایک درہم سود کا ریعنی تخمیناً ۴ر۰) دانستہ کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے۔ رواہ احمد والدارقطنی عن عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک دوسری حدیث ہے الربا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔ سود ستر گناہ کا مجموعہ ہے ان میں سب سے کم درجہ کا گناہ اس کے مثل ہے کہ اپنی ماں سے زنا کرے۔ رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بہتر کی روایت میرے پیش نہیں ہے۔ مگر ستر کیا کم ہیں۔ جن میں ادنیٰ مرتبہ اپنی ماں سے زنا کرنے کی مثل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از پنجاب مرسلہ جناب میاں دین محمد صاحب خوشابی ۲۵ رذی الحجہ ۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادہم اللہ شرفاً وتعظیماً مسئلہ ذیل میں بنک میں بطور حفاظت روپیہ جمع کرتے ہیں اس پر بنک والے اپنے قاعدہ کے مطابق کچھ زیادتی دیتے ہیں جسکو وہ سود سے تعبیر کرتے ہیں اسکا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اسکو لیکر مدرسہ یتیم خانہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سود لینا دینا دونوں حرام ہے۔ مگر جبکہ بینک کفار غیر ذمی کا ہو جیسا کہ یہاں کے بینک کہ نہ مسلم کے ہیں نہ ذمی کے، اور بینک والے اس کے روپیہ سے کچھ زیادہ دیتے ہیں، اور اسے سود کہتے ہیں یہ حقیقۃً سود نہیں لہٰذا اگر لینے والا سود سمجھکر نہیں لیتا ہے بلکہ یہ جان کر لیتا ہے کہ یہ کافر کا مال ہے جو اپنی خوشی سے دیتا ہے، تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، اور اس سے لیکر مدارس یا یتیم خانہ میں صرف کر سکتے ہیں، اور اس مسئلہ کی تحقیق فقیر نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔ لہٰذا نفس حکم پر اکتفا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از کھردہ جمعہ مسجد ڈاکخانہ انٹیا گڈھ مرسلہ شاہ محمد صاحب ۱۲ رمحرم ۱۳۵۰ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین

---

[1] مشکوٰۃ باب الربا۔ ص ۲۴۶ مصباحی

اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کیا بعد چند روز کے یک بیک ڈاکیہ روپیہ سود کا لیکر زید کے پاس پہونچا۔ زید نے دریافت کیا کہ روپیہ کسنے بھیجا تو ڈاکیہ کہتا ہے کہ جو روپیہ تم نے ڈاک گھر میں جمع کیا ہے اسی کا سود ہے زید نے روپیہ لیکر یتیم خانہ میں دیدیا تو کیا وہ یتیم خانہ میں یا مدرسہ میں یا کسی بیوہ یا کسی مسکین کو دیدینا جائز ہے اگر جائز ہے تو دلیل شرعی سے ثبوت کیا ہے یہ سوال ہے ایک سردار پنچ کا وہ کہتے ہیں کہ بذات خود کھانا منع ہے دوسرے کو دیدینا منع نہیں ہے ؟

الجواب :۔ بینک سے جو رقم زائد ملتی ہے وہ سود نہیں۔ اسکو کسی نیک کام میں خرچ کرنا بھی جائز ہے۔ کافر غیر ذمی سے جو مال بلا غدر حاصل ہو اس میں اصلاً حرج نہیں۔ اگرچہ وہ کچھ ہی کہہ کر دیں مگر اسے سود سمجھکر لینا ناجائز ہے کہ جب سود سمجھکر لیا تو قصداً گناہ کیا لہذا اس طرح لینا ناجائز ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از ہوڑہ پیچن تلاب صدر بخشی لائن محمد اسلام میاں کی باڑی مرسلہ عبدالکریم صاحب ۲۲ محرم الحرام ۸۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل مندرجہ ذیل میں کہ

۱ ۔ ڈاک خانہ یا بینک میں روپیہ جمع کرنا کیسا ہے جبکہ اسکا سود بھی ملتا ہو ؟

۲ ۔ پراویڈنٹ فنڈ کا سود کیسا ہے ؟

الجواب :۔ روپیہ جمع کرنے میں کوئی ممانعت نہیں یہ کیا ضروری کہ یہ جمع کرنے والا سود بھی لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ۔ پراویڈنٹ[۱] کے معنی معلوم نہیں لہذا اسکا حکم کیونکر لکھا جا سکتا ہے۔

---

[۱] پراویڈنٹ فنڈ (PROVIDENT-FUND) وہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کر لی جاتی ہے اور ملازمت کے خاتمہ پر اُسے واپس ملتی ہے۔ یہ گورنمنٹی محکموں میں ہوتا ہے۔ ملازمت کے خاتمہ پر یہ رقم اضافہ کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ:۔ از پیلی بھیت محلہ منیر خاں قریب مسجد مرسلہ محمد احسان صاحب

ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کرنیکا جو بنیک ہوتا ہے اسمیں روپیہ جمع کرنا اور اسکا منافعہ لینا مسلمانوں کیلئے کیسا ہے، مشہور تو یہ ہے کہ اسوجہ سے جائز ہے کہ گورنمنٹ جو رعایا سے مالگذاری یا ٹیکس لیتی ہے وہ بہت زائد ہے، اس بنا پر وہ منافعہ سود نہ ہوگا بلکہ اپنے حقوق کے بدلے میں وصول کرتا ہے۔ اب اسمیں دو باتیں عرض کرنا ہے، ایک تو یہ کہ ڈاکخانہ کا محکمہ گورنمنٹ سے علیحدہ ہے دوسرے یہ کہ مالگذاری اور ٹیکس سب لوگ نہیں دیتے تو کیا اسکے لئے بھی جائز ہے جو نہیں دیتے اور ٹیکس وغیرہ دینے والوں کو اسی ہی قدر لینا جائز ہے جتنا زائد دیا یا جتنا مل سکے سب جائز ہے اور مال گذاری اور ٹیکس کی زائد مقدار کسطرح معین کرے شریعت مطہرہ میں بادشاہی حق فی صدی کتنا ہے ؟

الجواب:۔ اگر وہ بینک صرف کفار کا ہے اور اسمیں روپیہ جمع کیا ہے اور وہ بینک والے کچھ زائد رقم دیتے ہیں تو مسلمانوں کو اس نیت سے لینا جائز ہے کہ کافر اپنا ایک مال اپنی خوشی سے دیتا ہے سود کی نیت سے لینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد محمود محلہ قاضیان الور اسٹیٹ

استاذنا المحترم۔ السلام علیکم باعث تصدیعہ یہ ہے کہ ڈاکخانہ میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اور وہاں سے زائد رقم سود کے نام سے ملتی ہے اسکے جواز عدم جواز کی تحقیق سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں ؟

بقیہ حاشیہ ۲۲۴ کا۔ گورمنٹ، ملازم کو ادا کرتی ہے۔ وضع کی گئی رقم پر اضافی رقم کو گورمنٹ سود کہہ کر دیتی ہے، لیکن چونکہ سود کا تحقق اموال محذورہ میں ہوتا ہے۔ اور گورمنٹ کی یہ اضافی رقم مالِ محذور نہیں۔ لہذا یہ حقیقۃً سود نہیں۔ اس لئے مال مباح سمجھ کر اسے لینا جائز و حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصنف علیہ الرحمہ کے زمانہ میں یہ چیز بالکل نئی تھی۔ اور اب تو گورنمنٹی ملازمت کا لازمہ بن چکا ہے۔ آل مصطفےٰ مصباحی

الجواب :- ہندوستان کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن لہذا شق ثالث متعین اور ذمی بحکم حدیث لھم مالنا وعلیھم ماعلینا۔ معاملات میں مسلم کا حکم رکھتے ہیں اور مستامن جب تک امن میں ہے ذمی کے حکم میں ہے، حربی کا مال معصوم مال نہیں نہ ان اموال کے لئے مسلم وذمی کے مال کا حکم ہے البتہ ایسی صورت جسمیں مسلم کی ذلت وبے آبروئی کا اندیشہ ہو یا ان کے ساتھ غدر کیا جائے یہ تو بیشک ناجائز ہے، اور اسکے علاوہ جس طرح ان کا مال دستیاب ہے اگرچہ ایسے عقد کے ذریعہ سے جو ما بین المسلمین ناجائز وفاسد ہو۔ وہ مال مسلمان کیلئے لینا جائز ودرست ہے۔ ڈاکخانہ سے جو رقم دستیاب ہوتی ہے وہ سود نہیں اگرچہ وہ سود کا نام لیتے ہیں کہ طحطاوی علی الدر میں ہے۔ شرط الربا عصمۃ البدلین۔ اور یہ مال معصوم نہیں اور یہاں غدر بھی نہیں ہے تو اس کو ایک مال حلال سمجھ کر لینا جائز ودرست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپیہ کا نوٹ بارہ روپیہ میں فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس قیمت کی وصولی بحساب ایک روپیہ ماہوار کرسکتا ہے یا نہیں۔ نیز ایک روپیہ کے پیسے سولہ آنہ یا زائد پر بیع ہوسکتی ہے یا نہیں یا اور بعد کسی قدر مدت لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب :- دس روپیہ کا نوٹ بارہ روپیہ میں بیچنا جائز ہے کہ دونوں ایک جنس نہیں وہ کاغذ ہے اور روپئے چاندی جس طرح ایک گنی کو پندرہ سے زیادہ پر بیچنا جائز ہے حدیث میں فرمایا اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم۔ اور چونکہ دونوں میں کیل یا وزن کا اشتراک نہیں کہ روپیہ وزنی ہے کیونکہ چاندی ہے اور نوٹ عددی ہے لہذا مجلس عقد میں تقابض بدلین بھی ضروری نہیں کما ہو مصرح فی الھدایہ وغیرہا۔ جب مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری نہ ہوا تو اختیار ہے کہ قسط کے ساتھ وصول کیا جائے یا ایک ساتھ، پیسوں کو روپیہ سے خریدنا بیچنا جائز ہے اختیار ہے کہ روپیہ کے پندرہ آنے خریدے یا بیچے یا سترہ آنے اور چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں بلکہ اصطلاحی ہیں متبایعان اسکی ثمنیت کے ابطال کا حق رکھتے ہیں اور ان میں بھی اگر وصولی کی کوئی میعاد مقرر کیجائے تو ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱):۔ مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

بینک اور ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود کیوں نہیں؟

لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب۔ میں دارالحرب قید اتفاقی ہے کس کتاب میں اس کی تصریح ہے؟

مسئلہ (۲):۔ آجکل کے کفار کو دس روپیہ مثلاً قرض دیکر ۱۲ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ حربی اگر دارالاسلام میں آئے اوسکی دو صورتیں ہیں۔ امان لیکر آئے گا یا بغیر امان اگر دوسری صورت ہے تو اوسے اتنا موقع کب دیا جائیگا کہ وہ بیع و شراء اقراض و استقراض کرے، سلطنت اسلامی کے حدود میں بغیر امان دوسرا داخل ہو تو اوسکا مال و جان محفوظ نہیں جو چاہے تلف کرڈالے۔ کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا اب بھی ایک سلطنت کا آدمی دوسری میں بغیر استیمان نہیں جاسکتا، اور پہلی صورت میں اس محدود زمانہ تک وہ ذمی کے حکم میں ہوجاتا ہے لھم مالنا وعلیھم ماعلینا۔ کے تحت میں آجاتا ہے اس لئے ردالمحتار میں فرمایا وقید بہ لانہ لو دخل فی دارنا بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا[1]۔ یعنی دارالحرب کی قید اسلئے ہے کہ اگر دارالاسلام میں امان لیکر داخل ہوگا اور کمی بیشی کے ساتھ مسلم اس سے بیع کریگا تو ضرور ناجائز ہوگی اس سے صاف ظاہر ہے کہ امان کی وجہ سے عدم جواز کا حکم ہے نیز ہدایہ میں فرمایا کہ بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محظورا بعقد الامان۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ عقدِ امان ہی عدم جواز کی علت ہے پس معلوم ہوا کہ دارالاسلام میں حربی سے ربا اور سود ہونے کی وجہ عقد امان ہے کہ اوسی سے اوسکا مال معصوم و محظور ہوجاتا ہے اور یہ عصمت سبب حرمت ہوتی ہے چنانچہ طحطاوی علی الدر میں ہے شرط الربا عصمۃ البدلین جمیعا

[1] ردالمحتار ج ۴ ص ۲۰۹ کتاب البیوع باب الربا۔ مصباحی

اور جب عقد امان نہ ہو مال معصوم نہ ہوگا پھر ربا کا تحقق نہ ہوگا۔ ہندوستان اگرچہ بنا بر مذہب صحیح دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن کہ بادشاہ اسلام نے انکو امان نہیں دی ہے کہ معاملات میں ان کیلئے وہ احکام ہوں جو مسلم کے لئے ہوتے ہیں بلکہ انگریزی معاہدہ کا خلاف نہ کرتے ہوئے انکے اموال جس طرح حاصل کئے جا سکیں جائز ہے کہ اسلامی احکام کی پابندی نصارٰی کے امن دینے سے لازم نہیں ہوتی ان امور کی پابندی لازم ہوگی جو انکے معاہدہ کی رو سے ہو اس مختصر تقریر سے بات واضح ہوگئی کہ قید کیسی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب ۲ :۔ جائز ہے جب کہ انھیں تک محدود رکھے اگر خدانخواستہ اسکی عادت پڑ جائے کہ مسلمانوں سے بھی اسیطرح کے معاملے کرنے لگے تو ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین امر ذیل میں۔

مسئلہ ۱ ہندوستان دارالحرب ہے کہ نہیں ہمارے اطراف میں جہاں جابجا قربانی بند کردی جاتی ہے ایسی ہی مساجد کے قصے ہیں کیا ایسے امور سے ہمارے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام رہیگا ؟

۲ :۔ ہم مسلمان اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو مسلمان مستامن ہونگے یا دارالحرب میں رہنے سے حربی کہے جائیں گے ؟

۳ :۔ اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو ہندؤں سے سود لینا سود ہوگا یا نہیں ؟

۴ :۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے اور کہتا ہے کہ کتب فقہ میں لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب لکھا ہے لہذا ان (ہندؤں) سے سود لینا سود نہیں ہے ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے ؟

۵ :۔ لاربا بین المسلم والحربی میں مسلم سے عام مسلم مراد ہے خواہ دارالحرب میں رہتا ہو۔ یا دارالاسلام کا مسلم مراد ہے ؟ اور حربی سے حربی کافر مراد ہے یا عام شخص دارالحرب رہنے والا مراد ہے خواہ مسلم ہو۔

۶ :۔ شخص مذکور ملازم افسر ڈاکخانہ ہے کہتا ہے کہ جو روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے اس سے تجارت نہیں کی جاتی جس سے نقصان کا بھی احتمال ہو ٹکٹ وغیرہ بنائے جاتے ہیں نقصان کی صورت نہیں ہے محض انتظاماً نفع کی رقم معین کی ہے اسلئے اسکا سود سود نہیں ہے بخلاف بینک کے کہ اس میں تجارت کی جاتی ہے۔ لہذا نفع و نقصان میں شرکت ہونی چاہیے۔ پس ایسی صورت میں کیا ڈاکخانہ کا سود واقع میں سود نہیں ہے ؟

الجواب (۱) ہندوستان دارالاسلام ہے اسکو دارالحرب قرار دینا غلطی ہے اسمیں اصلاً شک نہیں کہ یہاں زمانہ دراز تک اسلامی سلطنت رہ چکی ہے اور مستقل طور پر مسلمان بادشاہ حکمران تھے لہذا اسکا بیشتر زمانہ میں دارالاسلام ہونا یقینی اور مسلّم ہے، پھر یہ ملک مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا کفار کے قبضہ میں آگیا، اب سوال پیدا ہوا کہ دارالحرب ہوگیا یا بدستور دارالاسلام ہے پس یہ امر غور طلب ہے کہ جو ملک دارالاسلام تھا وہ محض کفار کے قبضہ میں آنے سے ہی دارالحرب ہو جائیگا یا اس کیلئے کچھ دیگر شرایط بھی ہیں فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب بنے کیلئے تین شرطیں ہیں (۱) پہلی شرط اہل شرک کے احکام جاری ہوں اور اسلام کے احکام جاری نہ ہوں (۲) دارالحرب سے اسکا اتصال ہو جائے (۳) کوئی مسلم یا ذمی امان اول پر باقی نہ ہو۔ تنویرالابصار متن درمختار میں ہے۔ لا تصیر دارالاسلام دارحرب الا باجراء احکام اھل الشرك وباتصالها بدارالحرب وبان لا یبقی فیها مسلم وذمی آمنا بالامان الاول[1] ردالمحتار میں ہے قولہ ، باجراء احکام اھل الشرك ای علی الاشتھار وان لایحکم فیھا بحکم اھل الاسلام ھندیہ وظاھرہ انہ لو اجریت احکام المسلمین واحکام اھل الشرك لاتکون دارحرب قولہ وباتصالھا بدارالحرب بان لا یتخلل بینھما بلدۃ من بلاد الاسلام ھندیہ[2] ہندوستان میں اگرچہ کفر و شرک کے احکام جاری ہیں مگر بہت سے احکام اسلام بھی

[1] تنویرالابصار ج ۳ ص ۲۷۰ باب المستامن، کتاب الجہاد۔ [2] ردالمحتار۔ ایضاً مصباحی

جاری ہیں نیز دارالاسلام سے اسکا اتصال بھی ہے لہذا یہ دارالاسلام ہی ہے ہنود کا قربانی کے معاملہ میں یا مساجد کے متعلق کہیں کہیں نزاع کرنا اسکو دارالاسلام ہونے سے خارج نہیں کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) ہم مسلمان ہیں اور ہندوستان دارالاسلام لہذا یہ ہمارا دار ہے مستامن نہیں واللہ اعلم

ج (۳ و ۴) اگرچہ ہندوستان دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ ان سے بذریعہ عقود فاسدہ ان کے اموال لینا جائز ہے۔ وہ سود نہیں کما حققناہ فی فتاوانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۵) مسلم عام ہے۔ اور حربی وہ کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن کہ یہ بھی مدت معینہ تک کے لئے حکم ذمی میں ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۶) جسے ڈاکخانہ سود کہکر دیتا ہے وہ سود نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ جناب عبدالغفور صاحب از دفتر انجمن اشاعت الحق بازار سدانند بنارس ۱۶ رجب ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو دس روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ اسکا تیس روپیہ یا پینتیس روپیہ کا نقصان ہونیکی امید تھی اس نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ اسوقت دس روپیہ ہمیں دو اس نے کہا میں دوسرے سے دلا دونگا تو تم اسکو کیا زیادہ دوگے۔ اس نے کہا دس روپیہ کے بجائے ساڑھے بارہ روپیہ میں دونگا ایک ماہ میں۔ یہ سنکر اسکو اسی شخص نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ یہ خیال کرکے کہ یہ ساڑھے بارہ روپیہ دیگا تو نصف یعنی سوا روپیہ میں لے لونگا۔ سوا روپیہ انجمن میں کار خیر میں دوں گا تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ زائد روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ اور انجمن یا مدرسہ میں جو زائد ملے اسکا نصف یا کل لگایا جاسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب:۔ یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے قرض کی ہے اور قرض میں جو کچھ لیا جائے

ــہ ہندوستان کو دارالحرب کہنے میں یہ شخص خاطی ہے۔ کہ۔ ہندوستان اب بھی دارالاسلام ہے۔ البتہ اس شخص نے دوسرا مسئلہ صحیح بتایا۔ بہرحال اسکی یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفےٰ مصباحی

اس کی مثل قرض لینے والے پر واجب ہے اس میں زیادت کی شرط ناجائز اور سود ہے۔ حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰا۔ لہٰذا یہ زائد رقم جو لیگئی نہ اسے انجمن میں دیا جاسکتا ہے اور نہ کسی اور کام میں صرف کیا جاسکتا ہے بلکہ جس سے لی ہے اسے واپس دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- آمدہ از پالی مارواڑ محلہ چھیپاں علاقہ جودھپور مرسلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمٰن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل میں

بینک میں روپیہ جمع کرنیکے بعد جو ہم کو سیکڑا کے حساب سے نفع ملتا ہے اسکا لینا کیسا ہے۔ اور کس بینک سے یہ نفع لینا جائز ہے اگر صرف گورنمنٹ کا بینک ہو تو اسکا نفع ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں اور اگر ہندو مسلم شرکت کا ہو تو کس صورت میں اسکا نفع جائز ہے اگر صرف مسلم بینک ہو تو اسکا کیا حکم ہے؟ کس صورت اور کس بینک سے نفع ہوگا اور کس سے سود؟

الجواب :- بینک اگر صرف کفار کا ہو اور بینک والے کچھ رقم زائد دیں۔ تو اس قصد سے لینا جائز ہے کہ کافر اپنی رضا و خوشی سے یہ چیز ہم کو دے رہا ہے۔ سود کی نیت ہرگز نہ کرے یہ حقیقتاً سود نہیں اور اگر مسلمانوں کا بینک ہو یا اس بینک میں مسلمان بھی شریک ہوں تو اس زائد رقم کا لینا حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۹ :- مرسلہ عبدالغفار و عبداللطیف صاحبان گوڈیل از دھوراجی کاٹھیاوار ۲۸ محرم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ذیل کے مسائل مسطورہ میں کہ

سؔ۱ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دار حرب، اگر دارالاسلام ہے تو دور حاضر میں کون سا ملک دار حرب ہے؟

سؔ۲ ہندوستان کے کفار نصاریٰ و یہود و مجوس و ہنود حربی ہیں یا غیر حربی؟

سؔ۳ ہندوستان میں اہل اسلام اور مرتدین کے سوا کفار میں کوئی ایسی قوم بھی ہے جو حربی نہ ہو؟

س ۴ ”لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب“ میں ”فی دار الحرب“ کی قید احترازی ہے یا اتفاقی، اور قید احترازی ہے تو پھر اس صورت میں کہ ہندوستان دار الاسلام اور ہندوستان کے کفار حربی ہوں، زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہوگا یا نہیں؟

س ۵ دیوبند کے مفتی کفایت اللہ گنگوہی نے جواب دیا ہے کہ، زندگی کا بیمہ کرانا جائز نہیں ہے کہ ربا یعنی سود یا قمار (جوا) ہے۔ مفتی مذکور کا جواب صحیح ہے یا غلط؟ ہر ایک سوال کا جواب مدلل عنایت کیا جائے؟

الجواب:۔ اس میں شک نہیں کہ نصاریٰ کی حکومت سے پہلے ہندوستان دار الاسلام تھا مسلمانوں کی یہاں حکومت تھی۔ مسلمان بادشاہ تھا اور اسلامی احکام جاری تھے۔ اب چونکہ نصاریٰ کی یہاں حکومت ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار کی حکومت کی وجہ سے ہندوستان دار الحرب ہوگیا یا اب بھی دار الاسلام ہی ہے جیسے پہلے دار الاسلام تھا۔ فقہاء کی تصریحات سے اگر یہ ثابت ہو کہ محض کفار کی حکومت دار الحرب ہو جانے کیلئے کافی ہو جب تو بیشک دار الحرب ہو جائیگا اور اگر اسکے سوا اور باتوں کی بھی ضرورت ہو تو دیکھا جائے کہ وہ باتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں، ائمہ کے ارشادات کیطرف توجہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو جگہ دار الاسلام ہو اسکے دار الحرب ہونے کیلئے فقط اتنی بات ناکافی ہے کہ کفار کی وہاں حکومت ہو جائے بلکہ اس کیساتھ اور تین چیزوں کی ضرورت ہے (۱) اہل شرک کے احکام علی الاعلان جاری ہوں اور اسلامی احکام بالکل جاری نہ ہوں (۲) دار الحرب سے اوس کا اتصال ہو جائے (۳) کوئی مسلم یا ذمی امان اول پر باقی نہ ہو۔ تنویر الابصار متن در مختار میں ہے ولا تصیر دار الاسلام دار حرب الا باجراء احکام اهل الشرك وباتصالها بدار الحرب وبان لا یبقی فیها مسلم اوذمی امنا بالامان الاول۔ رد المحتار میں ہے قوله ولا تصیر دار الاسلام دار حرب الخ۔ ای بان یغلب اهل الحرب علی دار من دورنا او ارتد اهل مصر وغلبوا واجروا احکام الکفر اونقض اهل الذمة العهد وتغلبوا علی دارهم ففی کل من هذه الصور لا تصیر دار حرب

الا بهذه الشروط الثلثة[۱] یعنی ممالک اسلامیہ میں سے کسی ملک پر اگر اہل حرب کا غلبہ و تسلط ہوجائے یا کسی شہر کے سب لوگ معاذ اللہ مرتد ہوجائیں اور اپنا تسلط قائم کرلیں اور کفر کے احکام جاری کرلیں یا اہل ذمہ عہد توڑ کر مسلط ہوجائیں ان سب صورتوں میں وہ جگہ دار الحرب نہیں ہوگی جب تک وہ تینوں باتیں نہ پائی جائیں جنکا ذکر ہوا قولہ باجراء احکام اهل الشرک ای علی الاشتهار وان لایحکم فیها بحکم اهل الاسلام هندیه وظاهره انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرک لاتکون دار حرب[۲] یعنی احکام اہل شرک کے جاری ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ علی الاعلان جاری ہوں اور اسلامی حکم بالکل جاری نہ ہوں اس سے یہ ظاہر ہے کہ اگر احکام مسلمین و احکام اہل شرک دونوں جاری ہوں تو وہ جگہ دار الحرب نہیں ہوگی اسی شرط اول کو اگر دیکھا جائے تو اسی سے ثابت کہ ہندوستان دار الاسلام ہی ہے دار الحرب نہیں کہ بحمدہٖ تعالیٰ اب بھی ہندوستان میں بہت کچھ احکام اہل اسلام جاری ہیں، شعائر اسلام باقی ہیں اذانیں ہوتی ہیں جمعہ و عیدین ہوتی ہیں ترکہ و میراث میں شریعت مطہرہ کے موافق فیصلہ ہوتا ہے وغیر ذلک، لہذا اگرچہ یہاں اہل شرک کے احکام جاری ہیں مگر جب کہ اہل اسلام کے احکام بھی جاری ہیں تو بموجب تصریح علامہ سید احمد طحطاوی اور علامہ سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما ہندوستان دار الاسلام ہی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس زمانہ میں کون ملک دار الحرب ہے اس کی تفصیل کی حاجت نہیں مگر اتنا کہدینا کافی ہے کہ جو ممالک اب تک حکومت اسلام کے تحت میں نہیں آئے وہ اب بھی دار الحرب ہیں یورپ کا کثیر حصہ ایسا ہی ہے، اور اس کے سوا بھی کچھ ممالک ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۲ کفار کی تین قسمیں ہیں ذمی، مستامن، حربی، ذمی وہ ہیں جو بذریعہ عہد و پیمان دار الاسلام میں سکونت رکھتے ہیں، مستامن وہ ہیں کہ امان لیکر کچھ دنوں کیلئے دار الاسلام

---

[۱] تنویر الابصار و در مختار ج ۳ ص ۲۷۷ باب المستامن [۲] رد المحتار ایضاً۔ مصباحی

یں آگئے ہیں ظاہر ہے کہ اب جو کفار ہیں انھوں نے بادشاہ اسلام سے نہ کوئی عہد و پیمان کیا ہے نہ امن لیکر آئے ہیں لہذا یہاں کے سب کفار قسم سوم میں داخل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳ ہندوستان کے تمام کفار حربی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۴ دارالحرب کی قید احترازی نہیں بلکہ یہ قید اتفاقی ہے اسلئے کہ یہ حکم کہ دارالحرب میں بین المسلم والحربی ربا نہیں، معلول بعلت ہے، اور جو حکم کسی علت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ اسی علت کیساتھ دائر رہتا ہے اس کی علت یہ ہے کہ ربا اس وقت ہوتا ہے کہ وہ مال معصوم ہو جیسا کہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرمایا شرط الربا عصمۃ البدلین اور یہ شرط مال حربی میں مفقود ہے اسلئے ہدایہ وفتح القدیر وعنایہ وجامع الرموز وجوہرہ نیرہ وبحرالرائق اور درمختار وغیرہ عامہ اسفار میں فرمایا لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذمالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر۔ اون کا مال اون کے دار میں مباح ہے مسلمان اون کے مال کو جس طرح لے مال مباح کو لینا ہوگا جب تک غدر وعہد شکنی نہ ہو معلوم ہوا کہ مال مباح میں ربا نہیں ہوسکتا کہ ربا اگر ہو تو ایک چیز حلال بھی ہوا اور حرام بھی اور مال کی عصمت وحرمت جب ہی ہوگی کہ مسلمین سے ان کا معاہدہ ہو کہ اس صورت میں لھم مالنا وعلیھم ماعلینا کے تحت میں داخل ہوکر اون کے اموال کا وہی حکم ہوگا جو اموال مسلمین کا ہے یا عقد امان کی وجہ سے وہ حکم ذمی میں داخل ہونگے اور انکے اموال حرام ہونگے اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے یہ فرمایا کہ بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محظورا بعقد الامان یعنی کفار مستامن کا مال دارالاسلام میں اس وجہ سے ممنوع قرار پایا کہ انھوں نے امان حاصل کرلیا ہے اور ردالمحتار میں فرمایا وقید بہ لانہ دخل فی دارنا بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا، دارالحرب کی قید اسلئے ہے کہ اگر کافر دارالاسلام میں امان لیکر آیا اور کسی مسلم نے اس سے ایک روپیہ کو دو روپیہ میں بیچا تو یہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ ان تصریحات فقہاء سے ثابت ہوا کہ مدار کار عقد امان ہے اگر یہ پایا جائے تو عقود میں وہی

احکام ہونگے جو مسلم وذمی کے ہیں ورنہ نہیں اور یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن لہذا عقود فاسدہ کے ذریعہ سے انکے اموال حاصل کرنے میں وہ احکام نہیں جو کہ مسلم و ذمی کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۵ اگر یہ کمپنیاں خاص کفار کی ہوں تو بیمہ کروانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مسلم کا نقصان نہ ہو اور اس کو ربا وقمار قرار دیکر حرام کہنا صحیح نہیں جیسا کہ سوال نمبر چار کے جواب سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ یاد علی صاحب وارثی مہنداول ضلع بستی ۷ محرم ۱۳۶۷ھ

ہمارے قصبہ میں جب کوٹہ کا سوت تقسیم ہوا اس وقت جن برادروں کے پاس روپیہ نہیں تھا وہ بہت پریشان تھے۔ اس لئے ایک مالدار مسلمان نے ان کو اس شرط پر روپیہ دیا کہ فی کارخانہ کے سوت کا جو دام ہوگا ہم دینگے اور ڈھیڑ روپیہ فی کارخانہ کے حساب سے زیادہ لینگے یعنی ایک کارخانہ کا دوگڈہ سوت ملا اور مبلغ اٹھائیس ۲۸ روپئے سوا سات آنہ دوگڈہ کا دام ہوا اسی طرح اس مالدار مسلمان نے جسکو اٹھائیس ۲۸ روپئے سوا سات آنے دیا تھا اس سے اونتیس ۲۹ روپئے سوا پندرہ آنہ لیا یا جنکے ذمہ ابھی باقی ہے ان سے اتنا ہی لے گا یعنی فی کارخانہ کے روپئے پر ڈھیڑ روپیہ زیادہ لیتا ہے لہذا ایسا لینا اور دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ ظاہر ہے کہ یہ روپیہ جو وہ شخص دے رہا ہے کارخانہ والوں کو بطور قرض دیتا ہے تاکہ وہ لوگ کوٹہ والوں سے سوت خرید کر کام چلائیں اور قرض میں جتنا دیا ہے اوس سے زیادہ لینا سود ہے ہدایہ وغیرہ میں ہے کل قرض جر منفعة فهو ربا جب قرض کے ذریعہ نفع حاصل کیا جائے تو یہ سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از نیپال ترائی موضع بیلا ۲۳ ذیقعدہ ۶۴ھ

ہندوستان اور نیپال دار الحرب ہیں یا دار الاسلام اگر دار الاسلام ہے تو نیپال میں راجہ بعض احکام سے منع کرتا ہے، مثلاً گائے کی قربانی کرنا۔ دار الحرب اور دار الاسلام ہونے کیلئے

کیا کیا شرائط ہیں ؟ بینوا توجروا فی الدارین خیرا

الجواب :۔ ظاہر ہے کہ پہلے ہندوستان میں اسلامی سلطنت تھی اور یہ دارالاسلام تھا اور اب اس پر نصارٰی[1] کا قبضہ ہے۔ اور جو جگہ دارالاسلام ہو چکی ہے اس کے دارالحرب ہونے میں تین شرطیں ہیں۔ کہ اگر وہ سب پائی جائیں تو دارالحرب ہو جائے گی۔ اور ایک بھی ان میں سے معدوم ہو تو دارالحرب نہیں۔ دارالاسلام ہی ہے۔ شرط اول یہ ہے کہ اہل شرک کے احکام جاری ہوں اور احکام اسلام وہاں سے اٹھا لیے گئے ہوں۔ شرط دوم یہ کہ اس کا اتصال دارالحرب سے ہو جائے دارالاسلام سے منقطع ہو۔ شرط سوم یہ کہ کوئی مسلم یا ذمی امان اول پر باقی نہو درمختار میں ہے لاتصیر دارالاسلام دارحرب الا بامور ثلاثة باجراء احکام اھل الشرك وباتصالھا بدارالحرب وبان لایبقی فیھا مسلم اوذمی اٰمنا بالامان الاول ردالمحتار میں شرط اول کے متعلق فرمایا قولہ (باجراء احکام اھل الشرك) ای علی الاشتھار وان لایحکم فیھا اھل الاسلام ۔ ھندیہ وظاھرہ انہ لواجریت احکام المسلمین و احکام اھل الشرك لاتکون دارحرب۔ اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اب بھی احکام اسلام مثل جمعہ وعیدین وغیرہا جاری ہیں۔ لہذا شرط اول نہیں پائی گئی۔ اور ہندوستان دارالحرب نہ ہوا اور دوسری شرط یعنی اسکا اتصال دارالحرب سے ہو گیا ہو۔ اسکے متعلق ردالمحتار میں فرمایا ای بان لایتخلل بینھما بلدة من بلاد الاسلام اس شرط کے اعتبار سے بھی ہندوستان کو دارالاسلام ہی کہا جائے گا کہ اس کا اتصال ابتک بلاد اسلامیہ سے باقی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

[1] اب بحمد اللہ تعالیٰ نصاری کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ اب ہمارے ہندوستان میں جمہوری حکومت ہے۔ مصباحی

مسئلہ :۔ مرسلہ ایجنٹ سنلائٹ انشورنش کمپنی آف کینڈ ساکن بنارس محلہ بھوتی اہلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین جان کے بیمہ کے بارہ میں (۱) جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے ڈاکٹری تشخیص کے ذریعہ سے ایک مدت دس یا پندرہ برس یا اس سے کم و بیش مقرر کرلیجاتی ہے پھر جسکی جتنی حیثیت ہوتی ہے اتنا روپیہ مقرر ہوتا ہے مثلاً ایک ہزار یا دس بیس ہزار روپیہ۔ اب اتنا روپیہ کمپنی میں چاہے ایک دم سے جمع کردیا جاوے یا تھوڑا تھوڑا روپیہ مدت مقررہ کے اندر جمع کرتا ہے جب مدت پوری ہوجاتی ہے اور پوری رقم کمپنی میں پہونچ جاتی ہے تو یہ رقم بیمہ کرانے والے کو واپس ملجاتی ہے اور اگر مدت مقررہ کے اندر بیمہ کرانے والا فوت ہوگیا اگرچہ پورا روپیہ کمپنی نے نہیں پایا ہے مگر اسکے بال بچوں کو کمپنی پورا روپیہ دیتی ہے اسی فائدہ کے خیال سے لوگ بیمہ کراتے ہیں۔ (۲) مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ کا جان بیمہ دس برس کیلئے کرایا ہے اور سو یا دو سو روپیہ جمع کیا تھا کہ آمدنی بند ہوگئی یا اور کوئی مجبوری ایسی ہوئی کہ بقیہ روپیہ کمپنی میں جمع نہ کرسکا تو اس صورت میں جتنا جمع کرتا ہے وہ سب نہیں واپس ہوتا بلکہ کچھ کم کرکے مثلاً آدھا یا تہائی یا کمپنی میں جو قاعدہ ہو یس سوال یہ ہے کہ اس طرح جان کا بیمہ کرانے میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے اکثر مسلمان بیمہ کرانا چاہتے ہیں مگر ان کو حکم شریعت اسلامیہ کا انتظار ہے۔ لہٰذا مدلل و مفصل جواب بحوالہ کتاب لکھکر مطلع فرمایئے؟

الجواب :۔ کمپنی بیمہ کو جو روپیہ دیا گیا ہے وہ قرض ہے اور قرض کا حکم یہ ہے کہ جتنا دیا ہے اوتنا ہی وصول کرے اوس سے زیادہ لینا ناجائز ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ اس کمپنی کا محض کفار کی ہونا یا نہ ہونا دونوں کا اس صورت میں وہی حکم ہے کیونکہ اگر یہ کمپنی خالص کفار کی نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ زیادہ لینا ناجائز ہے اور اگر خالص کفار کی ہو تو اگرچہ اونکی رضامندی سے ایسی زیادتی میں کوئی حرج نہیں۔ اور وہ سود نہیں مگر چونکہ یہاں دو صورتیں ہیں۔ مرجاتے ہیں تو ورثہ کو پوری وہ رقم جو معین کی گئی ہے ملتی ہے

اگرچہ کل رقم جمع نہ کی ہو اور یہ ایک صورت فائدہ کی ہے مگر دوسری صورت کہ کسی وجہ سے رقم جمع کرنا بند کردیا تو جو کچھ جمع کیا ہے وہ بھی پورا نہیں ملتا یہ صورت سراسر نقصان کی ہے اور کفار سے اس طرح پر عقد فاسد کے ذریعہ رقم حاصل کرنے میں جواز اوسی وقت ہے جبکہ نفع مسلم کا ہو۔ فتح القدیر پھر ردالمحتار میں ہے لا یخفی ان ھذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرۃ العقد اذا کانت الزیادۃ ینالھا المسلم۔ نیز فرمایا وقد التزم الاصحاب فی الدرس ان مرادھم من حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزیادۃ للمسلم نظرا الی العلۃ وان کان اطلاق الجواب خلافہ۔ پھر اوسی ردالمحتار میں ہے فانظر کیف جعل موضوع المسألۃ الاخذ من اموالھم برضاھم فعلم ان المراد من الربا والقمار فی کلامھم ما کان علی ھذا الوجہ وان کان اللفظ عاما لان الحکم یدور مع علتہ غالبا اور پہلی صورت کہ اثنار مدت میں مرجائے اگرچہ موت کا وقت معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ مدت میں مرے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدت کے بعد بہت دنوں تک جیتا رہے مگر ظاہری طور پر ڈاکٹری کرا کر کمپنی نے اطمینان کرلیا ہے کہ یہاں کوئی سبب عادی ظاہری نہیں ہے لہذا کمپنی نے اس صورت میں بھی اپنا ہی نفع ملحوظ رکھا ہے کہ وہ رقم جو داخل کریگا اوسکو دُونا ہی ادا کرنا پڑیگا اور سود کا بیوپار کرکے اوسکے روپیہ سے کمپنی نفع اوٹھائیگی اور اگر ناگہانی طور پر کوئی مر بھی جائے تو جہاں اتنے لوگوں سے نفع حاصل کیا ہے ایک جگہ کچھ نقصان ہی سہی اسی کے لالچ میں لوگ بیمہ کرائینگے اور ان کے اموال سے کمپنی خاطر خواہ نفع حاصل کرے گی پس یہ بیمہ حقیقۃً ہر صورت میں کفار ہی کو نفع پہنچنے کیلئے ہے بعض نادر صورت میں بیمہ کرانے والے کا فائدہ ہے۔ لہذا ایسا بیمہ شرعاً ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ قاضی طیب علی صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ اہلسنت مقام لاڈنون

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ حسب ذیل میں عموماً آجکل زندگی کا بیمہ ہونے کی کئی کمپنیاں جاری ہیں الا اکثر بیشتر افراد اس کام میں حصہ لیتے ہیں اور ظاہر اسباب فائدہ کی

صورت ہے آیا یہ جائز ہے یا نہیں کوئی سود کی خرابی تو نہیں ہوگی یا ہوگی دس سال پندرہ سال بیس سال تک جتنا روپیہ دیا جاتا ہے اسکا دونا منافع حاصل ہوتا ہے کئی بیمہ زندگی کے ہیں کہ بعد مرنے تک کے ہوتے ہیں جس سے آپ صاحبان واقفیت حاصل کئے ہوئے ہیں ؟

الجواب :۔ اگر یہ کمپنیاں صرف کفار کی ہوں اور اسکے شرکا میں کوئی مسلم نہ ہو اور بیمہ بھی اس طرح ہو جسمیں مسلم کا فائدہ ہی فائدہ ہو یہ نہ ہو کہ بعض صورت میں فائدہ ہو اور بعض صورت میں نقصان تو یہ بیمہ جائز ہے کہ جتنا دیا ہے کمپنی اس سے زائد دیتی ہو اسکو یہ سمجھکر لینا جائز ہے کہ کافر اپنا مال اپنی خوشی سے دیتا ہے کیونکہ کافر کا مال بدعہدی کے سوا جس طرح حاصل ہو حرام نہیں ۔ اور اگر مسلمانوں کی کمپنی ہو تو بیمہ کرانا جائز نہیں ۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہٗ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ، ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے ؟

الجواب :۔ زندگی کے بیمہ کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں بعض میں نفع نقصان دونوں ہوتے ہیں یہ ناجائز ہے اور بعض ایسی صورت ہے کہ نقصان نہیں ہوتا یہ بیمہ اگر کفار سے ہو تو جو کچھ زیادہ ملے لینا جائز ہے ورنہ نہیں واللہ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہٗ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ، ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

لاٹری میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے ؟

الجواب :۔ یہ جوا اور قمار ہے[1] ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

---

[1] کوئی عقد شرعی نہیں ۔ لہذا ناجائز و حرام ہے ۔ ارشاد ہے ۔ یا ایہا الذین اٰمنوا انما الخمرُ والمیسرُ والانصابُ والازلامُ رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۰ ۔ لاٹری حرص و طمع کا ایک جال ہے اس میں شریک ہونے والا امید موہوم پر پانسہ ڈالتا ہے ۔ اور یہی اصل جوا اور روح قمار ہے ۔ رد المحتار میں ہے ۔ القمار من القمر الذی یزید وینقص وسمّی القمار قمارًا لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذھب مالہ الی صاحبہ ویجوز ان یستفید مال صاحبہ ۔ یعنی لفظ قمار قمر سے بنا ہے جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے ۔ قمار کو قمار اسلئے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر آدمی کے اندر یہ امکان رہتا ہے کہ اسکا مال اس کے مقابل کو مل جائے یا اس کا مال دوسرے کی طرف چلا جائے ۔ صاوی علی الجلالین میں ہے ۔ قولہ القمار من المقامرۃ وھی المغالبۃ لأن کلا یرید المغالبۃ لصاحبہ (ج ۱ ص ۳۶۳) ۔ لہذا لاٹری میں شریک ہونا کسی طرح جائز نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ آلِ مصطفٰے مصباحی

باب القضاء

مسئلہ: مرسلہ عبدالحمید خاں افسر مسلح خانہ فتحپوری دروازہ ۱۲ شوال ۱۳۴۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین متین ومفتیان شرع سید المرسلین کثرہم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین دریں صورت کہ دو شخص مسلمانان درامرے متخاصم ومتنازع شدہ در محکمہ عدالت حجاز مقدمہ وقضیہ دائر کردند، آخر الامر حاکم عدالت حجاز آں فریقین را حکم کرد کہ شما حسب شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ منظور کنید آں ہر دو فریقین فیصلہ حکم شرعی منظور ومقبول نمودند کہ عالمے شرعی فیصلہ مقدمہ بایاں نماید، آیا دریں صورت عالمے شرعی در دیار بایاں قاضی وحکم خواہد شد یانہ؟ بینوا بالکتاب والسنۃ

الجواب: بر مسلمانان اتباع شرع واجب ولازم ست، وعدول ازوے روا نیست در جمیع معاملات خود بر شرع پیش کنند، بآنکہ شرع حکم کنند مطیع ومنقاد شوند، قال تعالٰی: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ[1] وبرحکام فرض ست کہ قطع نزاع ورفع خصومت مطابق شرع کنند۔ قال تعالٰی: مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ[2]، وقال جل مجدہ: مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[3]، وقال عزاسمہ: مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[4] نظر آں حکم اوراکنند کہ عالم علم دیں باشد، واگر چنیں نباشد پس لازم است کہ او رجوع بعلما کند تا فیصلہ اش بر طبق شرع واقع شود وبر ہر دو فریق اتباع آں لازم گردد ومصداق فضلوا واضلوا نشود در تنویر الابصار فرمود حکما رجلا فحکم بینہما بینۃ واقرار ونکول صح لو فی غیر حد وقود ودیۃ علی عاقلۃ اھ

---

[1] سورہ نساء پارہ ۵، رکوع ۵، پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔
[2] پ ۶ رکوع ۱۱، سورہ مائدہ۔ اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ [3] حوالہ مذکور۔ اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ [4] ایضاً۔ اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ مصباحی

وفی الھندیہ ولکل من المحکمین ان یرجع مالم یحکم بینھما واذاحکم لزمھما۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ علی بخش صاحب قوم شیخ ساکن بریلی۔ محلہ کانکر ٹولہ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ

شرعی فیصلہ کسی بے علم مسلمان کو کرنا کیسا ہے۔ شرعی فیصلہ عالم کا مکروہ جاننا کیسا ہے؟

الجواب :۔ جو شخص علم نہ رکھتا ہو اس کا فیصلہ کرنا جائز نہیں اور حدیث میں اس پر وعید آئی اور عالم نے جو فیصلہ موافق شرع کیا اس کو مکروہ جاننا حکم شرع کو مکروہ جاننا ہے ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہیئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۱) مسئولہ ہاشم غلام محمد منشی احمد آباد گجرات۔ اسٹور ٹرسٹ انجمن اسلامیہ اسکول ۲ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ بیٹی کا حصّہ اپنے ماں باپ کے مال میں نہیں؟

ایسا قانون اپنی جماعت کا ٹھہرا کر اس پر بجبر عمل کرنے کی کوشش کرے اور قرآن شریف کے حکم کے خلاف اس حکم کو منوانے کی کوشش کرے ایسے شخص پر شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ (۲) ایک جھگڑے کو ایک گروہ قرآن شریف کے حکم کے موافق فیصلہ کرانا چاہتا ہے مگر فریق دوسرا جماعت کے رکن کے موافق فیصلہ کرانا چاہتا ہے شریعت کے فیصلہ سے دوسرا فریق راضی نہیں اس دوسرا فریق پر حکم شرعی کیا ہے؟

مسئلہ (۳) اس قانون پر بجنسہ عمل کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے کسی شخص کو جماعت سے خارج کرنے والوں پر شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ (۴) جماعت سے خارج کرنیوالوں اور جماعت سے خارج سمجھنے والوں سے مسلمانوں کو کیسے تعلق رکھنا چاہیئے؟

مسئلہ (۵) آیا یہ حکم ان لوگوں پر عائد ہوتا ہے یا نہیں جو شخص ایسی فساد کی بات اٹھادیں جس سے حکم خدا و سنّت رسول جاری نہ ہو اور کافروں کا رسم قائم رہے یا جاہلوں کو کہنے سننے کا خیال کرکے خدا اور رسول کا حکم قبول نہ کریں، تو یہ سب قسم کے لوگ کافر ہوتے ہیں، عورتیں

ان کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں نماز اور روزہ کچھ قبول نہیں، کھانا کھانا پانی پینا ان لوگوں کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں اور اپنی شادی وغمی میں ان کو نہ بلاویں اور نہ انکے جنازہ میں جاویں، بینوا توجروا

الجواب:۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ان الحکم الا للہ۔ حکم نہیں مگر اللہ کیلئے۔ اللہ عزوجل نے جن لوگوں کے جو کچھ حصے مقرر فرما دیئے انھیں نہ دینا نہایت سخت ظلم ہے اللہ عزوعلا نے لڑکے اور لڑکی دونوں کے حصے والدین کے مال میں رکھے لڑکیوں کو نہ دینا حرام قطعی ہے۔ فرمایا ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا[1] اور فرمایا۔ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ[2] آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حکام کے پاس لے جاؤ کہ لوگوں کے کچھ اموال گناہ کے ساتھ کھالو حالانکہ تم جانتے ہو۔ قرآن مجید کے حکم کے خلاف قانون بنوانیکی کوشش کرنا بلکہ اس پر جبر کرنا پہلوئے کفر رکھتا ہے اگر حکم الٰہی کو ناپسند کرتا ہے تو یقیناً کافر ہے، ارشاد فرماتا ہے۔ مَن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الکٰفرون۔ اولٰئک هم الظٰلمون۔ اولٰئک هم الفسقون۔ اور ایسا قانون بنوانیوالا ضرور خلاف مَا اَنزَلَ اللہ پر حکم کرانیکی کوشش کرتا ہے اور یہ اعانت علی الاثم والعدوان، اور کم از کم حرام و فسق ہے فرماتا ہے۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[3] اور اس قانون پر عمل کرنے میں یتیم لڑکیاں اپنے حصوں سے محروم رہ جائینگی اور یتیم کا مال کھانا آگ کھانا ہے اور آخرت میں اس کا عذاب بھڑکتی آگ، ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا[4] جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً کھاجاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

[1] پ ۴ ر ۱۲ سورۂ نساء۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ، اور قرابت والے ترکہ، تھوڑا ہو یا بہت، حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا
[2] پ ۲ ر ۷ سورۂ بقرہ۔ [3] پ ۶ ر ۴ سورہ مائدہ۔ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [4] پ ۴ ر ۱۲ سورۂ نساء۔ ۱۲ مصباحی

اور عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہونگے۔ ان کا مال کھانا تو کھانا اچھے کے بدلے میں انھیں برا دینا بھی حرام ہے فرماتا ہے وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا[1] یتیموں کے اموال انھیں دیدو اور اچھے کے بدلے میں برے نہ دو اور ان کے اموال اپنے مالوں میں ملاکر نہ کھاؤ بیشک یہ بڑا گناہ ہے، میراث کے احکام اللہ عزوجل نے بیان فرماکر یہ ارشاد فرمایا اس وعدہ و وعید کو مسلمان غور سے پڑھیں اور احکام الٰہی کے سامنے گردنیں جھکائیں سرکشی نہ کریں: فرماتا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ[2] یہ اللہ کی حدیں باندھیں ہوئی ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا اسے جنتوں میں داخل فرمائیگا جن کے نیچے نہریں بہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ و رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے آگ میں داخل کریگا اسمیں ہمیشہ رہنا ہے اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اعاذنا اللہ منها ومن عذابها والمؤمنين۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲): شریعت کے حکم پر راضی نہ ہونا اور اس پر اپنے بنائے ہوئے قانون کو ترجیح دینا کفر ہے فتاوی عالمگیری میں ہے اذا قال الرجل لغیرہ حکم الشرع فی ھذہ الحادثة کذا فقال ذالک الغیر من برسم کار می کنم نہ بشرع یکفر عند بعض المشائخ حکم شرع سے اعراض کرنا اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر راضی نہ ہونا منافق کا کام ہے، مومن کی شان نہیں، ارشاد فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا[3]

---

[1] پ ۴، سورۂ نساء، ر ۱۳، [2] ایضاً۔ [3] پ ۵ رکوع ۵ سورۂ نساء۔ ، مصباحی

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اوران کی جو تم میں صاحب امر ہیں اور اگر تم میں باہم کسی شئی میں نزاع ہو تو اسے اللہ و رسول کی حضور پیش کرو اگر تم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اسکا مآل پسندیدہ کیا تم نے ان کو نہ دیکھا جو دعوی کرتے ہیں کہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور اس پر جو تم سے قبل نازل کیا گیا وہ چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس فیصلہ کو جائیں۔ حالانکہ انھیں حکم دیا گیا کہ اسکے ساتھ کفر کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کردے دور کی گمراہی میں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسکی طرف آؤ جو خدا نے اتارا اور رسول کیطرف تو دیکھو گے کہ منافقین تم سے اعراض کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1] تیرے رب کی قسم وہ ایمان والے نہونگے جب تک تمہیں حکم نہ بنائیں۔ ان امور میں جن میں باہم مختلف ہوئے پھر جو تم نے فیصلہ کردیا اس سے اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور اسے پورے طور پر مان نہ لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳):۔ جو حکم خلاف شرع ہے اس سے بیشک انکار ہی کیا جائیگا اور اس پر عمل کرنے والا یا لوگوں کو عمل کرنے پر مجبور کرنیوالا اور نہ عمل کریں تو جماعت سے خارج کرنے والا سخت فاسق فاجر گنہگار و مستحق نار و غضب جبار ہے۔ اس پر توبہ لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴):۔ لڑکیوں کا حصہ انھیں نہ دینا رسم کفار ہے، اور اگر کوئی مسلمان ان کی پابندی کرے تو نہایت سخت مجرم مسلمانوں کو تو قرآن نے یہ حکم دیا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ[2] اے ایمان والے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے پھر اگر ظاہر دلیلوں کے آنیکے بعد اس سے مائل ہوئے تو جان لو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ باپ دادا کے کفری رسموں پر اڑے رہنا

[1] پارہ ۵ رکوع ۶ سورۂ نساء۔ [2] پارہ ۲ رکوع ۹ سورۂ بقرہ۔ مصباحی

کافروں کا طریقہ ہے مسلمان پر تو احکام خدا و رسول کی پیروی لازم، اللہ عزوجل کافروں کی صفت بیان فرماتا ہے ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ[1] جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کا اتباع کرو تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسکی پیروی کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور راہ پر نہ ہوں جب بھی انھیں کی پیروی کرینگے، پھر قرآن عظیم کے ایسے واضح و بین ارشادات ہوتے ہوئے نصوص قطعیہ کے خلاف پر عمل کرنا اور اس پر اڑے رہنا بلکہ لوگوں کو اسکے عمل پر مجبور کرنا کسی مسلمان کی ہرگز شان نہیں ہو سکتی قرآن عظیم نے تو یہ کام منافقوں کا بتایا ہے، فرماتا ہے ۔ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ[2] منافق مرد اور عورتیں آپسمیں ایک دوسرے سے ہیں بری بات کا حکم دیتے ہیں اور اچھی بات سے منع کرتے ہیں ۔ اور مومن و مسلم کی وہ شان ہونی چاہیئے جو فرماتا ہے ۔ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[3] مومن مرد اور عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں، اور یہ جماعت سے خارج کرنے والے یا سمجھنے والے بیشک امر بالمنکر اور نہی عن المعروف کرتے ہیں، ان سے میل جول سلام کلام سب ترک کر دیا جائے جب تک تائب ہو کر قرآنی ارشاد کی پابندی پر راضی نہ ہوں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۵): ۔ اگر ان لوگوں نے ان احکام کو مانا نہ ہو اور ان پر ایمان نہ لائے تو اسلام سے خارج، کہ پورے قرآن پر انکا ایمان ہی نہیں اور بے اسکے مسلمان نہیں، اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ[4] اور اگر پہلے مانا تھا اور اب انکار کرتے ہیں تو اب کافر و مرتد ہو گئے، ان کی عورتیں نکاح سے خارج ہو گئیں، اور اس صورت میں ان سے میل جول

[1] پارہ ۲ ر ۵ سورۂ بقرہ ۔ [2] پارہ ۱۰ رکوع ۱۵ سورۂ توبہ ۔ [3] ایضا ۔
[4] تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو ۔

مصباحی

شادی بیاہت ان کے ساتھ کھانا پینا سب حرام۔ اور ان کے جنازہ کی نماز حرام اور ان پر تمام وہی احکام ہیں جو مرتدین کے ہیں اور اگر قرآنی احکام حق جانتے ہیں اور سچ جانتے ہیں ان پر ایمان ہے مگر شامت نفس اور شیطان کے دھوکے میں گرفتار ہیں کہ انکی پیروی نہیں کرتے اور شیطان کے بھلاوے میں پڑے ہیں تو سخت فاسق فاجر ہیں توبہ کریں اللہ تعالٰی توبہ قبول کرنیوالا ہے ورنہ مسلمان ان سے قطع تعلق کریں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔[1] اگر تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مرسلہ عبدالحکیم صاحب شہر کانپور۔ محلہ مصری بازار مسجد محمد تقی، ۲ رجب ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مسائل شرعیہ عبادات میں غیر مسلم کے فیصلہ کیطرف رجوع کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے باوجودیکہ امیر شریعت موجود ہیں؟

الجواب: کفار کے پاس فیصلہ لیجانا ممنوع ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔[2] واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مرسلہ عبدالمجید صاحب محلہ لائیکان متصل جونی بال مسجد ریاست جودھ پور مارواڑ یکم جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ

علمائے مذہب احناف سے نہایت ادب کیساتھ التماس ہے کہ ہمارے یہاں اکثر اشخاص مسئولات ذیل کے متعلق گفتگو کرتے رہتے ہیں، اور بارہا مقدمہ بازی کی نوبت آجاتی ہے، اس لئے حسبۃً للہ امورات مندرجہ ذیل کا جواب کتب معتبرہ مذہب احناف سے

---

[1] پارہ ۷ رکوع ۱۴ سورۂ انعام۔ [2] کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جن کا دعوٰی ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا۔ اور اس پر جو تم سے پہلے اترا، پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انھیں دور بہکادے۔ پارہ ۵ رکوع ۶ سورۂ نساء۔ مصباحی

مع حوالہ کتب مزین بمواہیر عنایت فرمادیں اسکا اجر اللہ تعالٰی کی درگاہ سے پادیں؟

۱؎ قاضی کا نفقہ یا روزینہ یا تنخواہ کا بیت المال سے مقرر کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۲؎ اس وقت جبکہ ہندوستان میں بیت المال نہیں ہے اگر قاضی کا نفقہ اہل اسلام پر ڈالا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

۳؎ ہمارے یہاں ہندو ریاستوں میں قاضی کے متعلق صرف نکاح خوانی اور نماز عیدین کی انجام دہی ہے اور بنا بر اسناد شاہی مہاراجگان ریاست مارواڑ بھی وقتاً فوقتاً اسناد نکاح خوانی عطا فرماتے آئے ہیں۔ نیز وقت نزاع فیما بین اہل اسلام (متعلقہ نکاح وطلاق ومہر وغیرہ) قاضی کے رجسٹر سے عدالت ریاست مقدمات کے فیصل کرنے میں مدد حاصل کرتی ہے، اور رجسٹر مذکورہ کو مستند مان کر بموجب احکام شریعت حکم نافذ فرماتی ہے، ریاست مذکورہ نے قاضی مذکور کی اس خدمت کے صلہ میں بطور نفقہ کچھ رقم فی نکاح مقرر کردی ہے جس کو ناکح خواں منکوحہ بر وقت ایقاع نکاح ادا کرتے ہیں آیا یہ نفقہ جو راج نے مقرر کردیا ہے قاضی کو لینا جائز ہے یا ناجائز؟

۴؎ ایسے قاضیوں کی بیاض یا رجسٹر میں اگر کوئی اپنا نکاح درج نہ کرائے اور بالا بالا بلا اجازت پڑھلے حالانکہ سرکار سے یہ حکم صادر ہوچکا ہے کہ کوئی بلا اجازت قاضی نکاح نہ پڑھائے تو ایسے لوگوں کا یہ فعل کیسا ہے۔ حسبتاً للہ مسئولات بالا کا جواب بادلہ وبحوالہ کتب معتبرہ و مستندہ سے استنباط وتدقیق منیع فرماکر مع مہر مزین فرمادیں؟

الجواب: قاضی کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جائیگا جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے مصارف بیت المال سے لئے کہ جب قاضی اپنا وقت امور مسلمین میں صرف کرتا ہے تو مصارف اگر بیت المال سے نہ دیئے جائیں تو گذارہ کی کیا صورت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ ومصرف الجزیۃ والخراج مصالحنا کسد ثغور وبناء قنطرۃ وجسر وکفایۃ العلماء والقضاۃ انتہی ملتقطا[1] واللہ تعالٰی اعلم مصباحی

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب (۲):۔ اگر ہندوستان میں بیت المال نہیں ہے تو قاضی بھی نہیں جن کے لئے تکلیف کرنے کی حاجت ہو، رہے علماء یہ نوکری وغیرہ کرکے خدمت دین بھی کرتے ہیں اور گزراوقات بھی کرلیتے ہیں، غالباً سائل کی مراد قاضی سے وہ لوگ ہوں جو شاہی زمانہ کے قاضیوں کی اولاد سے ہیں اگر یہ ہے تو نہ وہ قاضی ہیں نہ ان کیلئے مصرف مقرر کرنے کی حاجت کہ قضاۃ کوئی میراث نہیں ہے نہ یہ نسب کی صفت ہے کہ باپ قاضی ہو تو بیٹا بھی قاضی بلکہ ان لوگوں کو براہ ادب مجازاً قاضی کہتے ہیں جیسے علماء کی اولاد کو مولوی صاحب مشائخ کی اولاد کو شاہ صاحب وغیرہ کہتے ہیں قضاۃ ایک عہدہ ہے جو بادشاہ کی طرف سے لوگوں کو دیا جاتا ہے اور اس کیلئے تقلید شرط ہے، یعنی جس شخص کو قاضی بادشاہ نے بنایا وہی قاضی ہے وہ مرجائے یا معزول ہوجائے تو اب قاضی نہیں۔ اور قاضی کے متعلق معاملات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور اس عہدہ کی وہی نوعیت ہے جیسے انگریزی سلطنت میں جج کی ہے تو جس طرح جج کی اولاد جج نہیں اسی طرح قاضی کی اولاد قاضی نہیں اور آج کل لوگ انھیں بھی قاضی کہتے ہیں جو نکاح پڑھا دیا کرتے ہیں حالانکہ نکاح پڑھانا ان امور میں نہیں جو قاضی کے سپرد ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳):۔ نکاح خوانی پر اجرت لینا جائز ہے [1] راج نے مقرر کیا ہو جب بھی لے سکتے ہیں اور نہ مقرر کرے اس وقت بھی لے سکتے ہیں اس کے عدم جواز کی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴):۔ نہ مسلمانوں کے ذمہ شرعاً یہ لازم کہ نکاح قاضی ہی سے پڑھوائیں نہ یہ واجب کہ نکاح خواں کے دفتر میں نکاح درج کرائیں۔ اگر راج اندراج پر مجبور کرے تو یہ ریاست کا حکم ہوگا جو مسلمانوں پر واجب الاتباع نہ ہوگا بلکہ اس کو مذہبی دست اندازی تصور کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] حاشیہ صہ ۲۴۷ کا:۔ تنویر الابصار ج ۳ ص ۲۰۷ فصل فی الجزئیۃ۔ مصباحی

بابُ الافتاء

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد حسین از بمبئی ۱۹ ذیقعدہ ۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں میڈک وتمساح وغیرہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ ہم سے جب کسی مسئلہ کی نسبت سوال ہو کہ امام شافعی کا اس بارہ میں کیا قول ہے تو فقہائے کرام کا یہ حکم ہے کہ یوں جواب دو کہ امام اعظم کا اس امر میں یہ ارشاد ہے، اور حق فرمایا کہ ہمیں اپنے ہی مذہب کے متعلق فتویٰ دینے میں کسقدر دشواریاں پیش آتی ہیں، نہ کہ مذہب دیگر امام، جنکے مذہب سے کافی اطلاع نہیں، نہ اس مذہب کی کتابیں موجود، اور ان کے اقوال جو ہماری کتابوں میں منقول، کیا علم کہ وہ کس درجہ کے اقوال ہیں، آیا وہ اس مذہب میں معمول بہا ومفتے بہا ہیں یا نہیں، اس امام کا وہ مذہب ہے یا محض ایک روایت ہے، اور مذہب میں وہ قول یا قوت ہے یا نہیں، لہٰذا اگر سائل شافعی المذہب ہے تو مفتیان شافعیہ کی طرف اسے رجوع چاہیئے میںنڈک وتمساح وغیرہما مچھلی کے سوا تمام پانی کے جانور ہمارے مذہب میں حرام ہیں، در مختار میں ہے ولا یحل حیوان مائی الا السمک غیر الطافی جوہرۂ نیرہ میں ہے ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک، ہاں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے تمام دریائی جانوروں کو حلال فرمایا اور بعض نے انسان وکلب وخنزیر کا استثنا کیا، ہدایہ میں ہے ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک وقال مالک وجماعۃ من اھل العلم باطلاق جمیع ما فی البحر واستثنی بعضھم الخنزیر والکلب والانسان وعن الشافعی انہ اطلق ذالک کلہ والخلاف فی الاکل والبیع واحد لھم قولہ تعالیٰ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ، من غیر فصل، وقولہ علیہ السلام فی البحر

ے مگر مچھ ۱۲

ھوالطھور ماؤہ والحل میتتہ۔ ولانہ لادم فی ھذہ الاشیاء اذالدموی لایسکن الماء والمحرم ھوالدم فاشبہ السمک، قلنا قولہ تعالٰی ویحرم علیھم الخبائث وماسوی السمک خبیث، ونھی رسول اللہ علیہ السلام عن دواء یتخذ فیہ الضفدع، ونھی عن بیع السرطان والصید المذکور فیماتلی محمول علی الاصطیاد وھو مباح فیمالایحل والمیتۃ المذکورۃ فیماروی محمولۃ علی السمک وھوحلال مستثنٰی من ذالک لقولہ علیہ السلام احلت لنامیتتان ودمان اما المیتتان فالسمک والجراد واماالدمان فالکبد والطحال [۵] وھٰکذا ھو المذکور فی کتب اخر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب ازامرتسر جامع مسجد متصل عیدگاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ

کیاکتاب صلوٰۃ مسعودی کے مسائل عندالحنفیہ درست ہیں اور قوی ہیں یاضعیف؟

الجواب: کسی کتاب کی نسبت یہ نہیں کہاجاسکتاکہ اسکے تمام مسائل قوی ہیں، اس میں کوئی ضعیف نہیں، ہدایہ وغیرہا کتب معتبرہ مستندہ کے بعض مسائل پر جب فتوٰی نہیں دیاگیا توصلاۃ مسعودی توصلاۃ مسعودی ہے، مصنفین سے بعض مواقع میں لغزش واقع ہوناکیا مستبعد، یابی اللہ العصمۃ الا لکلامہ اوکلام رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ پھر یہ حکم علی الاطلاق کیونکر صحیح ہوسکتاہے کہ اسکے تمام مسائل صحیح ومفتٰی بہاومعمول بہاہیں، کہ بعض مسائل بوجہ اختلاف عصرومصروملک وعادت وغیرہاوجوہ سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ اور صلاۃ مسعودی توکوئی ایسی کتاب بھی نہیں کہ علماء وفقہاء اسکے اقوال سے استناد کرتے ہوں، فقیر نے کتب متداولہ میں کہیں نہ دیکھا کہ اس کے اقوال سے استناد کیاہواور اگرکسی نے اسکاحوالہ دیاہو تویہ نظر فقیر سے نہیں گزرا اور اگر استناد کیابھی ہواور اسکاکوئی قول عامۂ کتب معتبرہ کے خلاف ہویااسکے خلاف پر فتوٰی ہو، یاجمہور کے خلاف ہوتوعمل اس پرہوگاجسکی ترجیح ہو، درمختار میں ہے۔ امانحن فعلینا اتباع مارجحوہ، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مسئولہ قاسم علی خاں بمقام اسلام پور ریاست جے پور ۵ جمادی الاخرٰی ۱۳۲۱ھ جمعہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر غیرمقلدین

---

[۵] ہدایہ ج ۴ ص ۴۴۲ کتاب الذبائح ۱۲ - مصباحی

اور وہابی کا بہت بڑا زور و شور ہو رہا ہے تو کیا ان کے مسائل پر اور ان کے طریقے پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں!

الجواب :۔ ایسے طریقہ پر چلنا گمراہی اور ان سے مسائل پوچھنا اشد حرام کہ یہ جب گمراہ ہیں تو تمہیں گمراہ کرنے میں کیا کمی کریں گے۔ کہ جب جاہلوں سے فتویٰ پوچھنا ناجائز ہے افتو بغیر علم فضلوا و اضلوا۔ اور یہ تو بدترین کہ ۔ع ۔ " او خویشتن گم است کرا رہبری کند" واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتاب الدعوٰی

مسئلہ ۲۴۷: از ضلع ناسک نیل باوڑی کی مسجد مرسلہ رحمت اللہ صاحب امام یکم ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نوکر نے عمرو سے کہا کہ میں نے پانچ ہزار کا مال خریدا ہے۔ اور وہ نوکر مرگیا۔ حالانکہ وہ نوکر جنون کی حالت میں تھا۔ اور زید سے بیس ۲۰ کوس کے فاصلہ پر تھا اور زید کو کچھ معلوم نہیں تھا اب عمرو زید کے اوپر دعوٰی کرتا ہے کہ تمہارے نوکر نے ہمکو کہا ہے کہ میںنے پانچ ہزار روپیہ کا مال تمہارے واسطے خریدا ہے وہ دینا یہ مال کا خریدنا زید کو بالکل معلوم نہیں ہے اور نوکر نے بھی نہیں خریدا صرف ایک دعوٰی کرتا ہے اب عمرو زید کے اوپر تقاضا کرتا ہے یہ دعوی عمرو کا زید کے اوپر صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: جب وہ نوکر مجنون تھا تو اسکی بات کا اعتبار ہی نہیں نہ اسکے تصرفات صحیح ہوسکتے۔ کہ بیع وشراء کیلئے عاقل ہونا ضرور ہے۔ اور مجنون عاقل نہیں حدیث میں فرمایا رفع القلم عن ثلث (الی ان قال) وعن المجنون حتی یفیق درمختار میں ہے۔ وشرطہ اھلیۃ المتعاقدین ردالمحتار میں ہے ای بکونہما عاقلین نیز اسی میں بحر سے ہے فشرائط العاقد اثنان العقل والعدد فلا ینعقد بیع مجنون وصبی لایعقل[1] الخ اور اگر مجنون نہ بھی ہو تو محض اسکا اتنا کہدینا کہ میں نے تیرے واسطے پانچ ہزار کا مال خریدا ہے۔ اس سے عمرو کو دعوٰی کا اختیار نہیں جبکہ نہ عمرو نے اسے وکیل کیا نہ خریدنے کے بعد اپنی رضا ظاہر کی۔ اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ عمرو نے اسے وکیل کیا تھا تو اس پر یا مرنے کے بعد اسکے ورثہ پر دعوٰی کرسکتا ہے زید سے کیا تعلق ہے زید کا تو نوکر تھا جب مرگیا تو زید سے کوئی تعلق نہ رہا نہ زید پر کوئی مطالبہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] درمختار وردالمختار ج ۴ ص ۵ - مصباحی

کتاب الاقرار

مسئلہ (۱) مرسلہ سید اکبر شاہ امام مسجد شریف سوبجر بازار کراچی ۲ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متوفی اپنے تین مکان چھوڑ کر فوت ہوا بلکہ مکان دوکان جسکو خرید کیا ایک رسید موجود ہے، اس میں تحریر از منکوحہ متوفی کا نام ہے، اور اسکے ساتھ ایک قطعہ اسٹامپ آٹھ آنے کا بطور اقرار نامہ ہمرشتہ ہے۔ مضمون اقرار نامہ اس طرح پر ہے کہ اس دوکان کی مالک زوجہ منمقر ہے اور خریدی ہوئی اسکی ہے، جو حاصل ہوگی وہ سب خرچہ مجرا کرکے باقی منکوحہ مذکورہ کو دیا کرونگا، لیکن بیعنامہ اپنے نام کرالیتا ہوں، اسلئے کہ عورت پردہ نشیں ہیں میرا اور میرے وارثوں کا کوئی حق نہ ہے نہ رہے گا۔ اس کے بعد پھر ایک ہبہ نامہ بلاعوض اسی دکان کے متعلق لکھا ہے۔ اس کے والد صاحب نے اور یہ لڑکا اس منکوحہ سے ہوا ہے۔ حین حیات متوفی کے وہ دکان قبضہ میں اسکے تھی اور اب تک ہے حین حیات زوجہ مذکورہ کے متوفی نے دوسری عورت کی اس سے چار فرزند ہوئے، تب متوفی نے داخل خارج ان چار بچوں کے نام پر کیا ہے، اور جسکو کہ ہبہ نامہ لکھا تھا اسکو کچھ حصہ نہیں دیا۔ لیکن اس نے قبضہ نہیں چھوڑا ہے

س ۲: ۔ دو مکان دوسرے بھی چار بچوں کے نام پر کئے ہیں اسمیں بھی کوئی حق نہیں دیا۔

اب آپ از روئے شرع محمدی کیا فتوی فرماتے ہیں، تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ خداوند تعالی آپکو دونوں جہان کی عزت بخشے!

الجواب: ۔ جب شخص مذکور نے خود اقرار کیا اور کاغذ لکھ دیا کہ یہ مکان زوجہ کی ملک ہے اسی نے خریدا ہے بیعنامہ میں اپنا فرضی نام محض اسلئے لکھوایا کہ مسماۃ پردہ نشیں ہے تو اب وہ ملک زوجہ ہی قرار پائے گا۔ اور زوجہ اولی کے لڑکے نام جو ہبہ کیا یہ کوئی چیز نہیں کہ دوسرے کی ملک کو ہبہ کرنیکا اسے کیا اختیار، اور زوجہ ثانیہ کے بچوں کے نام داخل خارج کرنا باطل محض

کہ اگر زوج کی ملک ہوتی بھی تو جب وہ پہلی عورت کے لڑکے کو ہبہ کر چکا تو اب ان چاروں کے نام کس طرح کر سکتا ہے کہ اس صورت میں تو ہبہ سے رجوع بھی نہیں کر سکتا۔ مجمع الانہر میں ہے، ینقطع حق الرجوع اذا کان الموھوب لہ ذا رحم محرم منہ، امیرالمؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرماتے ہیں من وھب ھبۃ لذی رحم فلیس لہ ان یرجع فیھا۔ لہٰذا یہ دکان زوجہ ثانیہ کے لڑکوں کے نام نہیں کر سکتا۔ اور داخل خارج محض باطل۔ واللہ اعلم

ج ۲ اس شخص کو اپنی زندگی میں اپنے مال کا اختیار ہے۔ جسے چاہے دیدے اگر مرض الموت سے پہلے زوجہ ثانیہ کی اولاد کو دیدیا تو اب دوسرے وارثوں کو کوئی حق نہ رہا۔ مگر انکو دینا اگر دوسرے وارثوں کو محروم کرنیکی نیت سے ہو تو بہت برا کیا۔ حدیث میں فرمایا۔ من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[1] جو اپنے وارث کی میراث قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اسکی میراث جنت سے قطع فرمادے گا۔ اور اگر مرض الموت میں ان چاروں لڑکوں کے نام کیا تو یہ حکم وصیت میں ہے۔ اور وصیت وارث کے حق میں بغیر اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ حدیث میں فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ للوارث[2] ہدایہ میں ہے لایجوز الوصیۃ لوارثہ الا ان یجیزھا الورثۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ رائے بہادر سندر لال۔

۱ حکم شرع یہ ہے کہ جب اقرار کاذب کی صورت ہو تو سوائے اسکے کہ مقر لہٗ سے حلف لیا جائے اور کوئی چارہ کار مقر کے واسطے نہیں ہے؟

۲ اور اب کہا جاتا ہے کہ مکرہ کو جسنے ڈر کیوجہ سے جھوٹا اقرار کیا تھا ثبوت پیش کرنیکا موقع دیا جائے گا اور خاص اس صورت میں مقر لہٗ سے حلف نہ لیا جائے۔ بدنصیب جاہل دنیادار آخر کس راہ پر چلے ایک جگہ کچھ حکم ہے دوسری جگہ کچھ اس لئے اسکی ضرورت ہے کہ شرعی

---

[1] رواہ ابن ماجہ و البیہقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲۶۶ باب الوصایا۔ مشکوٰۃ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ،
[2] مشکوٰۃ ص ۲۶۵ باب الوصایا۔ مصابیح

کوئی روایت ایسی بتائی جائے کہ صورت ۲ میں حکم ۱ نہیں ہو اور اگر اقرار مکرہ اقرار کاذب سے مستثنیٰ نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حکم کلی کا انطباق اس فردِ خاص پر نہو؟

الجواب:۔ اقرار کی صحت کیلئے رضا شرط ہے، جو اقرار بغیر رضامندی مقر کے ہو وہ اقرار اقرار ہی نہیں، اور اقرار کے جتنے احکام ہیں اس پر وارد ہی نہیں۔ جبر و تعدی کے ساتھ جو اقرار ہوگا وہ صرف صورۃً اقرار ہے نہ کہ حقیقۃً و شرعاً۔ شریعت مطہرہ نے ایسے اقرار کو جو جبراً ہو صحیح نہ مانا۔ تو ایسے اقرار کا مقر پر شرعاً کچھ اثر نہیں۔ قاعدہ کلیہ ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ لا یصح الاقرار مع الاکراہ بالاجماع۔ فتاویٰ علمگیری میں ہے۔ وکذا الرضا والطوع شرط حتی لا یصح اقرار المکرہ کذا فی النہایۃ۔ درمختار میں ہے فلو اکرہ بقتل او ضرب شدید او حبس حتی باع او اشتری او اقر او آجر فسخ ما عقد ولا یبطل حق الفسخ بموت احدہما ولا بموت المشتری ولا بالزیادۃ المنفصلۃ وتضمن بالتعدی وسیجئی انہ یسترد وان تداولتہ الایدی او امضی لان الاکراہ الملجئی وغیر الملجئی یعدمان الرضا والرضا شرط لصحۃ ہذہ العقود وکذا لصحۃ الاقرار[1] اکراہ سے جو اقرار ہو اس میں مقر کو اختیار رہتا ہے کہ اگر وہ چیز مقرلہٗ کو نہ دی ہو تو نہ دے اور دیدی ہو تو واپس لے اگرچہ مقرلہٗ نے اسے بیچ ڈالا یا اور کوئی تصرف کرلیا ہو اور اگر اقرار مکرہ اقرار صحیح ہوتا تو یہ احکام نہوتے۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ لا ینفذ اقرارہ اذ الرضا شرط لصحۃ الاقرار فیفسد الاقرار عند فوات الرضا وہذا باجماع المسلمین فلہ الامتناع عن دفع المقربہ للمقرلہ ان لم یکن دفعہ ولہ استردادہ منہ ان کان دفعہ لہ مکرہا والاکراہ یعدم الرضا ویفسد کل امر تتوقف صحتہ علیہ وقد رفع عن ہذہ الامۃ بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرہوا علیہ[2] ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ دعویٰ اقرار بالاکراہ دعویٰ اقرار کاذب نہیں کہ اقرار کاذب میں سوا اس کے کہ مقرلہٗ سے حلف لے، مقر کو کچھ اختیار نہیں مقر اگر دعویٰ اکراہ کرے تو ضرور اس سے ثبوت طلب کیا جائیگا۔ بینہ پیش کردے

[1] درمختار ج ۲ ص ۲۰۹ کتاب الاکراہ۔ [2] فتاویٰ خیریہ ج ۲ ص ۱۴۲ کتاب الاکراہ۔ مصباحی

تو وہ اقرار کالعدم قرار دیا جائے گا محض یہ خیال کر کے کہ وہ تو اقرار کر چکا ہے اس دعوی اکراہ کو تناقض قرار دیکر رد کر دینا (جیسا کہ مدعی علیہ کے پیش کردہ فتوی میں ہے) بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے اگرچہ مقر نے بوقت اقرار یہ بھی کہا ہو کہ یہ اقرار برضا و رغبت ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیریہ کی آئندہ عبارت سے واضح ہوگا اگر اسی کا نام تناقض ہو تو جس سے چاہیں مار پیٹ کر دھمکی دیکر بیع و ہبہ اور ہر قسم کا اقرار کرا لیا کریں اور اس مظلوم کی نہ داد ہو نہ فریاد کہ دعوی کرنے کو جائے تو تناقض قرار دیکر خارج کر دیا جائے اور اس مظلوم کی ایک نہ سنی جائے۔ اگر قسمت سے دعوی مسموع بھی ہوا تو اگرچہ ہزاروں آدمیوں کے سامنے اس پر جبر و تشدد ہوا اور سب گواہی و شہادت بھی دیں مگر کسی کی گواہی کا کچھ اثر نہیں۔ بس مدعی علیہ سے حلف لیکر مظلوم کی دادرسی کا خاتمہ کر دیا جائے کہ یہ تو اقرار کاذب ہے، اور اقرار کاذب میں محض مدعی علیہ پر حلف ہے و بس بھلا اسکو دعوی اقرار کاذب سے کیا تعلق۔ مقر نے صورت موجودہ میں کب دعوی اقرار کاذب کیا ہے اسکا دعوی تو اکراہ کا ہے نہ اقرار کاذب کا اقرار کا نفس الامر کے مطابق نہ ہونا اور بات ہے اور کذب اقرار کا دعوی کرنا شیئ دیگر۔ کیا اگر کسی مجنون نے حالت جنون میں اقرار کیا اور بعد افاقہ دعوی کیا کہ اسوقت مجنون تھا تو اسے یہ کہا جائیگا کہ یہ اقرار کاذب کا دعوی ہے یا یہ ہوگا کہ اگر جنون کا ثبوت دے تو اقرار لاشیئ مانا جائے گا۔ اقرار کاذب اور دعوی اقرار کاذب میں فرق نکرنا عجیب ہے کیا اگر مقر کا اقرار واقع میں کاذب ہو اور دعوی اقرار کاذب نکرے تو قاضی خواہ مخواہ مقر لہ پر حلف رکھ سکتا ہے ہرگز نہیں تو معلوم ہوا کہ دونوں باتوں میں فرق بیّن ہے۔ مقر اگر کذب کا دعوی کرے تو یہ دعوی امام اعظم و امام محمد رحمہما اللہ تعالی کے نزدیک نامسموع ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ پر حلف ہے اور بوجہ فساد زمان اسی پر فتوی۔ بالجملہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اقرار مکرہ بالاجماع نامعتبر پھر دونوں کو ایک سمجھنا اسکو اسکی فرد قرار دینا کیونکر جیسا کہ فتاوی خیریہ کی عبارت مذکورہ بالا سے ظاہر و روشن تر ہے، ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ دعوی اقرار کاذب و دعوی اکراہ دو چیزیں ہیں۔ ورنہ جس طرح دعوی اقرار کاذب کو امام اعظم و محمد رحمہما اللہ تعالی نے نامعتبر و نامسموع فرمایا۔

اور مدعی علیہ سے انکے نزدیک اسمیں حلف بھی نہ لیا جائیگا اسی طرح چاہیئے تھا کہ دعویٰ اکراہ کو نامسموع فرماتے، حالانکہ یہ دعویٰ بالاجماع مسموع ہے، اور خود یہ اقرار ہی بالاجماع نامعتبر۔ لہذا ضرور ہیکہ اگر مقر اکراہ کا دعویٰ کرے تو اس سے بینہ طلب کیا جائے اور اس بینہ کا اعتبار ہوگا زبردستی دعویٰ اقرار کاذب قرار دیکر بینہ کو رد نہ کریں گے فتاویٰ علمگیریہ ہے۔ لو اکرہ علی ان یقر بانہ لم یتزوج ھذہ المرأۃ وانہ لا بینۃ لہ علیہا بذالک او علی ان ھذا لیس بعبد وانہ حر الاصل فاقرارہ بذلک باطل لان الاکراہ دلیل علی انہ کاذب فیما اقر بہ فلا یمنع ذلک قبول بینتھا علی مایدعی من النکاح والرق بعد ذلک کذا فی المبسوط۔ بلکہ اگر مدعی علیہ طوع ورضا بینہ سے ثابت کرے تو مُدعی کے بینہ کو مُدعٰی علیہ کے بینہ پر ترجیح ہے۔ بینۃ الاکراہ اولی من بینۃ الطوع۔ بلکہ صورت مستفسرہ میں خود مدعی علیہ نے جو فتویٰ پیش کیا ہے اسکے نمبر ۲ میں یہ عبارت مذکور ہے۔ اگر وقت بیع میں شرائط اکراہ جو شرع میں ہے موجود ہوں اور بینہ سے ثابت ہوں تو یہ بیع مکرہ ہے جو منعقد غیر لازم ہے رضا بائع پر موقوف ہے وہ چاہے فسخ کرے چاہے جائز رکھے۔ مفتی کی یہ عبارت خود بتاتی ہے کہ مقر کے بینہ کا اعتبار ہے۔ اور یہ اقرار کاذب میں داخل نہیں ورنہ بینہ سے ثبوت کی کیا حاجت تھی، مُدعٰی علیہ کے حلف پر مُدعی کا خاتمہ کردیا جاتا کتب فقہ میں بکثرت روایات موجود ہیں کہ اقرار بالاکراہ میں مقر کے بینہ مقبول ہیں اور اس اقرار کا کچھ اثر نہیں فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔

سوال فی حرمۃ ھند دھان زوجھا بالسلاح وھو یقول لھا اذا لم تقری لی عند القاضی بان لی فی ذمتک المقدار الفلانی وتصادقینی علی دعوای التی ادعی بھا علیک والا قتلتک ویحلف ویغلظ الایمان اذا لم توافقینی علی ذالک قتلتک فوافقت علی ذالک واقرت عند القاضی فقال لھا القاضی عندک ما ادعی بہ زوجک واقرت عند القاضی فسجل علیھا ذالک الاقرار فھل لھا اذا ثبت التھدید منہ لھا اقرار ام لا وھل تحتاج الی الاثبات علی التھدید ام لا افتونا۔ الجواب ان اقامت بینۃ علی ذالک لا یعتبر اقرارھا

مع الاکراہ ولا یلزمہما شیئ مما اقرت بہ والحالۃ ما شرح واللہ اعلم[1]۔ ہاں اگر مقر گواہ اکراہ نہ پیش کرسکے تو اکراہ ثابت نہو گا اور مقرلہ کے حلف پر فیصلہ ہوگا اور بصورت بیّنہ حلف نہیں فتاوی خیریہ میں ہے۔ سئل فی رجل اشتری من اخر ثلثی رحی بثمن قدرہ ستون قرشا اقر بقبضہا ومات فدعت ورثتہ ان الاقرار بقبض الثمن کان تلجئۃ ولم یقبض منہ شیئا فما الحکم فی ذالک اجاب یلزم المقرلہ الحلف باللہ تعالٰی نقد اقرار اقرارا صحیحا فان حلف علی ذالک منع الحکم الورثۃ عنہ وان نکل عن الیمین لزمہ ما ادعتہ الورثۃ وان اقامت الورثۃ المذکورون البینۃ علی ما ادعوا قبلت واللہ اعلم[2] بالجملہ ان عبارات سے بخوبی واضح ہوا کہ اقرار کاذب واقرار مکرہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگرچہ اقرار مکرہ بھی بظاہر اقرار کاذب ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتہ یہ اقرار ہی نہیں جیسے مجنون کا اقرار۔ اقرار کاذب طوع و رضا کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً عام طور پر رواج ہے کہ قبل وصول زر ثمن اقرار ناموں میں لکھا جاتا ہے کہ زر ثمن تمام وکمال وصول پایا حالانکہ اسوقت تک وصول نہ کیا تھا بلکہ بعد میں ملے گا اسی عام رواج کی بنا پر امام ابویوسف رحمۃ اللہ نے کذب کے دعوی کو مسموع رکھا اور مدعی علیہ پر حلف عائد کیا قرۃ العیون میں ہے۔ وجہہ ان العادۃ جرت بین الناس انہم اذا ارادوا الاستدانۃ یکتبون الصک قبل الاخذ ثم یاخذون المال فلا یکون الاقرار دلیلا علی اعتبار ھذہ الحالۃ فیحلف علیہ لتغیر احوال الناس وکثرۃ الخداع والخیانات۔ اور امام اعظم نے نامسموع فرمایا اور اسکی وجہ بھی اسی قرۃ العیون میں یہ لکھی۔ لان الاقرار حجۃ تلزم شرعا کالبینۃ بل اولی لان احتمال الکذب فیہ ابعد اور ظاہر ہے کہ بصورت اکراہ کذب ہی کا پہلو غالب ہے تو اسے دعوی اقرار کاذب میں داخل کرنا خود دلیل ائمہ ثلثہ کے خلاف ہے، واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوی اسعدیہ ج ۲ ص ۳۴۴ کتاب الاکراہ ۔ [2] فتاوی خیریہ ج ۲ ص ۹۶ کتاب الاقرار ۔

مصباحی

کتاب الھبۃ

مسئلہ:۔ مسئولہ از شہر کہنہ محلہ کانکر ٹولہ مرسلہ ظہور محمد خان صاحب

ایک شخص کے چند لڑکے لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے بعض جوان ہوگئے۔ بعض کی والدین نے شادی کردی۔ بعض جوان بلا شادی کے ہیں۔ بعض کمسن ہیں۔ اگر والدین کوئی شیئ جیسے مکان زمین وغیرہ تقسیم کرنا چاہیں تو جوان اور بچہ کمسن سب کا برابر ایک مطابق حق سمجھ کر تقسیم کریں یا والدین کی رضامندی پر موقوف ہے؟

الجواب:۔ اگر انمیں کوئی اولاد دینی ترجیح رکھتی ہے تو اسکو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ورنہ تمام اولاد کو برابر دیں۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو انکے والد نے ایک غلام عطا فرمایا تھا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی میں نے اپنے اس لڑکے کو غلام دیا ہے، ارشاد فرمایا کیا تم نے اپنی اور اولاد کو بھی اسی کے مثل دیا ہے عرض کی نہیں، فرمایا فارجعہ تو واپس کرلو، اور ایک روایت میں ہے فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم۔ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔ اور ایک روایت میں ہے لا اشھد علی جور۔ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ عبد اللہ از موضع دلاؤ، ضلع نینی تال ۱۳ رصفر ۱۳۴۱ھ

زید نے اپنے لڑکے کی منگنی بکر کی لڑکی کیساتھ کی بعد منگنی زید بکر کے یہاں ۲۰ ، ۲۵ آدمیوں کیساتھ عیدی لیکر آیا۔ عیدی میں لڑکی کو کپڑے اور زیور دے گیا۔ بعد کو زید کا اور زید کے بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ اب وہ کپڑے تو لڑکی نے پہن کر پھاڑ ڈالے۔ لیکن وہ زیور باقی ہے اب وہ زیور وارثوں کو دینا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکی کو اس زیور کا مالک کردیا۔ یا وہاں کا عرف یہی ہے کہ شادی سے پہلے جو کچھ دیتے ہیں۔ لڑکی کو اس کا مالک کردیتے ہیں۔ تو اب واپس نہیں لے سکتے کہ ہبہ صحیح ہوگیا

اور موت احد العاقدین مانع رجوع فی الہبہ ہے۔ ہدایہ میں ہے او بموت العاقدین[1]۔ اور اگر مالک نہیں کیا ہے نہ وہاں کا ایسا چلن ہے بلکہ پہننے کو دیا ہے اور ملک اپنی باقی رکھی ہے تو واپس لے سکتے ہیں کہ یہ ہبہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:- مرسلہ محمد جمیل اختر موضع شہباز پور۔ پوزنیاں ضلع مظفر پور ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں حامی حمایت دین ومفتی شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زندگی میں اپنی لڑکی کو کوئی چیز ہبہ کیا اور اسکی لڑکی نے اس کی زندگی میں قبضہ کرلیا اب بعد وفات زید کے اس کا لڑکا چاہتا ہے تقسیم کرلیں یہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب ہبہ کرچکا اور لڑکی نے قبضہ بھی کرلیا تو یہ ہبہ تمام ہوگیا اور زید کے لڑکے کو اسمیں کچھ دعوٰی نہیں پہنچتا۔ کما ہو منصوص علیہ فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:- مسئولہ جناب مولوی ممتاز علی صاحب از کانپور محلہ پریٹ مکان شیخ منصور صاحب ۱۳ شعبان ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنی کل جائداد غیر منقولہ کے دو غیر مساوی حصے کرکے ایک چھوٹا اپنے واسطے رکھا اور ایک حصّہ کو اپنی چار لڑکیوں کے حق میں مساوی طور سے بذریعہ دستاویز ہبہ نامہ رجسٹری شدہ ہبہ کیا۔ اور اس حصّہ موہوبہ کے ایک جزو میں دو اجنبی شخص جنکا اب انتقال ہوگیا ہے۔ اور شریک تھے۔ اب ان دونوں کے ورثہ موجود ہیں اور ان اجنبی شخصوں کے مقابلہ میں بھی اسوقت تک کوئی تقسیم نہیں ہوئی۔ اور ہندہ کی ان چار لڑکیوں میں ایک لڑکی نابالغہ تھی۔ ہندہ نے اپنے کو اسکی ولیہ سمجھکر کیوں وہ ہندہ کی عیال داری میں تھی۔ عمل درآمد کیا۔ اور ہبہ کے وقت سے تین چار سال تک جائداد اصلی صورت پر غیر منقسم رہی۔ مگر رجسٹر میونسپلٹی میں صرف نام کا داخل خارج کردیا اور کرایہ بعض جائداد موہوبہ کا خود وصول کرکے لڑکیوں کی دیتی رہیں۔ اور بعض جائداد غیر منقسم کا کرایہ لڑکیاں خود وصول کرتی رہیں۔ بعد اس کے جائداد موہوبہ کی ایک جزو کو چاروں موہوب لہم نے چار حصّوں پر تخمینی مساوی تقسیم کرکے اس میں جداگانہ حد بندی قائم کرلی۔ اور جائداد موہوبہ کا دوسرا قطعہ غیر منقسم یعنی مشاع رہا۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے دو لڑکیوں کا انتقال ہوگیا۔ اور

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۲۸۹ کتاب الہبۃ۔ مصباحی

مدت کل جائداد موہوبہ کی ہندہ ہی کرتی رہیں۔ اس وقت تک جائداد کا دوسرا قطعہ غیر منقسم یعنی مشاع ہے۔ اور مسماۃ ہندہ خود حیات ہے۔ اور دو لڑکیاں بھی۔ اور دو متوفیہ لڑکیوں کے ورثہ بھی موجود ہیں۔ بصورت مذکورہ بالا مسماۃ ہندہ کا اپنی لڑکیوں کو ہبہ کردینا شرعاً مفید ملک ہے یانہیں۔ اور جس جزء جائداد کو چند سال بعد موہوب لہم نے نظری تخمینی طور پر دے دی۔ تقسیم کیا ہے۔ کیا اس جزء پر اس طرح کا قبضہ ہوجانے سے پوری جائداد موہوبہ پر شرعاً قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ یا کل جائداد پر قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اس جزء منقسمہ اور غیر منقسمہ دونوں پر اعتبار کیا جائے گا۔ یا صرف جزء منقسمہ پر اعتبار کیا جائے گا۔ اور غیر منقسمہ پر نہیں، کیا صرف نام کا داخل خارج کرنا اور بقدر اپنے حصے کے کرایہ پانا اور جائداد کے برابر غیر منقسم یعنی مشاع رہنے کی حالت میں شرعاً قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ یانہیں۔ اگر یہ ہبہ مفید ملک نہیں تو دو لڑکیوں متوفیہ کے ورثہ اپنے مورث کے کل اس جائداد موہوبہ کو اس کے بعض حصہ کو ترکہ کی حیثیت سے پاسکتے ہیں یانہیں۔ ایک لڑکی نے جائداد کا ایک ٹکڑا بیع کرڈالا اور ایک نے اس پر عمارت بنوالی؟

الجواب:۔ یہ ہبہ کہ ہندہ نے کیا ہبہ مشاع ہے۔ اور ہبہ مشاع ناجائز فتاوٰی ہندیہ میں ہے۔ ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ لا تجوز۔ ہدایہ میں ہے ولا تجوز الھبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ۔ نیز اسی میں ہے وان وھبھا واحد من اثنین لایجوز عندہ۔ بلکہ یہ ہبہ مذکورہ فی السوال بالاتفاق ناجائز ہے۔ اس میں وہ خلاف کہ امام و صاحبین میں دربارہ شیوع ہے، نہیں پایا جاتا۔ اسلئے کہ موہوب لہم میں ایک نابالغہ لڑکی ہے اور وہ ہندہ ہی کے عیال میں ہے ایسی صورت میں صاحبین کے طور پر بھی یہ ہبہ ناجائز۔ فتاوٰی قاضیخاں میں ہے۔ وھب دارہ لابنین لہ احدھما صغیر فی عیالہ کانت الھبۃ فاسدۃ عند الکل۔ درمختار میں ہے۔ وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع وبقلبہ لکبیرین لا عندہ للشیوع فیما یحتمل القسمۃ قید نا بکبیرین لانہ لو وھب لکبیر وصغیر فی عیال الکبیر او لابنیہ صغیر وکبیر لم یجز اتفاقاً[1]۔ جب یہ ہبہ فاسد ناجائز ہے

[1] درمختار ج ۴ ص ۵۷۳ کتاب الہبۃ۔ مصباحی

تو اگر شیوع کے ساتھ مؤتب لہم نے اس پر قبضہ کیا تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ یہ مفید ملک نہیں اور موہوب لہم کے اس میں تصرفات نافذ نہوں گے اور تصرف کیا ہو تو ضمان دیں درمختار میں ہے۔ ولوسلمہ شائعا لایملکہ فلا ینفذ تصرفہ فیہ فیضمنہ وینفذ تصرف الواھب[1] ردالمحتار میں ہے قال فی الفتاویٰ الخیریہ ولا تفید الملک فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی ولوسلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضیخاں وافتی بہ فی الحامدیۃ ایضا والتاجیۃ وبہ جزم فی الجوھرۃ والبحر وفی نورالعین عن الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض ولا یثبت الملک فیہا الا عند اداء العوض نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف اذ الھبۃ تنقلب عقد معاوضۃ اھ وذکر قبلہ ھبۃ المشاع فیما یقسم لاتفید الملک عند ابی حنیفۃ وفی القہستانی لاتفید الملک وھو المختار کما فی المضمرات وھذا مروی عن ابی حنیفۃ وھو الصحیح اھ[2] جب یہی قول ظاہر الروایت ہے اور اسی کو صحیح اور مختار بتایا گیا پھر محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر نص فرمایا اور خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، تو بعض مشائخ کا اسے مفید ملک ماننا کیا مفید ہوگا۔ پھر بھی جو مفید ملک کہتے ہیں اسے ملک خبیث واجب الرد قرار دیتے تو ایسی ملک موہوب لہ کیلئے کیا مفید، جبکہ ہندہ پر انکے نزدیک بھی واجب ہے کہ یہ جائداد موہوب لہم سے واپس لے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وذکر عصام انھا تفید الملک وبہ اخذ بعض المشائخ اھ۔ ومع افادتھا للملک عند ھذا البعض اجمع الکل علی ان للواھب استردادھا من الموھوب لہ ولوکان ذارحم محرم من الواھب۔ عبارات مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ ہبہ مفید ملک نہیں۔ نہ موہوب لہ کے تصرفات نافذ۔ تو اس جائداد کے

---

[1] درمختار ج ۲ ص ۵۶۹ کتاب الہبۃ۔ [2] ردالمحتار ج ۴ ص ۵۷۰ ملخصا۔ ۱۲ مصباحی

بیع کا بھی موہوب لہم کو کوئی حق نہیں ردالمحتار میں ہے۔ نقل عن المبتغی انه لو باعه الموهوب له لا یصح۔ عالمگیری میں ہے۔ ونص فی الاصل انه لو وهب نصف دارہ من آخر وسلمها الیه فباعها الموهوب له لم یجز ونص فی الفتاوی انه هو المختار کذا فی الوجیز الکردری۔ اور یہ امر اظہر ہے کہ موہوب لہم کا باہم تقسیم کرنا یا انکے نام کا داخل خارج ہونا کچھ مفید نہیں نہ جزو منقسم کے مالک ہیں نہ غیر منقسم کے کچہری کے کاغذ میں اندارج نام قبضہ نہیں اور قبضہ ہوتا بھی تو ملک نہ ہو جاتی لہذا اس جائداد موہوبہ کی ہندہ ہی مالک ہے لڑکیاں جو فوت ہو چکی ہیں انکی ملک ہی نہیں تو ترکہ کیوں کر ہو سکے اور ورثہ کا کچھ استحقاق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ مبارک علی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۲۴ ربیع الاول ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم سب اہل محلہ نے میلاد شریف کیواسطے کچھ روپیہ چندہ کیا تھا۔ لہذا میلاد شریف ختم ہونے کے بعد کچھ روپیہ باقی ہے۔ متولی مسجد کی رائے یہ ہے کہ وہ روپیہ مسجد کے امام کو دینا چاہیئے وہ کتاب خرید کریگا۔ دیگر چند لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس روپیہ سے جو مکان مسجد کے نام ہے وہ تعمیر کرانا چاہیئے۔ اب اس روپیہ کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ چندہ جس کام کیلئے لیا گیا اس سے کچھ بچ رہا اگر معلوم ہے کہ یہ روپیہ فلاں کا ہے تو اسے واپس دیں یا اس کی اجازت سے جس کام میں چاہیں صرف کر دیں اور معلوم نہو سکے تو بقیہ کو اس جیسے کام مثلاً میلاد شریف کیلئے لیا اور بچا تو میلاد شریف میں صرف کر دیں۔ اور یہ نہو تو صدقہ کر دیں اور اس صورت میں اگر امام حاجتمند ہے تو اس کو دے سکتے ہیں در مختار باب الجنائز میں ہے۔ فان فضل شئ رد للمتصدق ان علم والا کفن به مثله والا تصدق به۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: از بریلی محلہ سوداگران مرسلہ سید قناعت علی صاحب امین جماعت رضا مصطفٰے ۱۲ رشعبان ۴۲ھ۔

جو ماں باپ اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کمتی بڑھتی دیتے ہیں ان کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟

الجواب: زندگی میں جو کچھ اولاد کو دینا چاہے سب کو برابر دے یہانتک کہ لڑکے اور لڑکی میں بھی برابری ملحوظ رکھے۔ لحدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان اباہ اتی بہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال اکل ولدك نحلت مثلہ قال لاقال فارجعہ وفی روایۃ انہ قال ایسرك ان یکونوا الیك فی البر سواء قال بلی قال فلا اذاً[1] ہاں اگرکم وبیش دینا کسی مصلحت شرعیہ کی بنا پر ہو اضرار مقصود نہ ہو مثلاً ایک خدمت دین میں مشغول ہے کہ کسب معیشت میں مشغول ہو تو اس خدمت میں نقصان واقع ہوگا اور دوسرا ایسا نہیں یا ایک فاسق فاجر ہے کہ مال کو ضائع کردیگا تو ایسی صورتوں میں کمی بیشی جائز ہے اور اگر اضرار مقصود ہے تو گنہگار رہے فتاوٰی امام قاضیخان پھر درمختار میں ہے لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوٰی ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از لاہور مرسلہ صوفی احمد دین صاحب ۲۰ رجب ۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پھوپھی نے زید کے حق میں جائداد منقولہ وغیر منقولہ ہبہ کی۔ اور قبضہ موہوب الیہ کو دیکر

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب العطایا ص ۲۶۱ ، مصباحی

دست بردار ہوئی، زید عرصہ تک اس پر قابض و متصرف رہ کر فوت ہوگیا اور اپنے ورثار میں ایک زوجہ حاملہ اور ایک ہمشیرہ اور دو پھوپھی حیات چھوڑیں۔ زید کی وفات کے بعد اسکی بیوی کو لڑکا پیدا ہوا اور چند یوم زندہ رہ کر فوت ہوگیا اب واہبہ اس جائداد موہوبہ کو اپنی ملکیت بنانا اور اس پر پھر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ آیا زید کی بیوہ کل جائداد موہوبہ کی وارث ہے یا دیگر ورثار زید بقدر حصص شرعیہ کسقدر کے مالک ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ جب ہبہ کر کے قبضہ بھی دلادیا تو تمام ہوگیا اور چونکہ یہ ہبہ بھتیجے کو ہوا جو ذی رحم محرم ہے۔ لہذا اسکی زندگی میں بھی اگر رجوع کرنا چاہتی تو نہ کر سکتی کہ ذی رحم محرم سے ہبہ واپس نہیں ہوسکتا نہ کہ اب کہ زید کا انتقال ہوگیا کہ موت موہوب لہٗ بھی مانع رجوع ہے ہدایہ میں ہے۔ او یموت احد المتعاقدین لان بموت الموہوب لہ ینتقل الملک الی الورثۃ فصار کما اذا انتقل فی حال حیاتہ۔ نیز اسی میں ہے وان وھب ھبۃ لذی رحم محرم منہ لم یرجع فیھا لقولہ علیہ السلام اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا[1]۔ لہذا اس جائداد بلکہ زید کی جملہ جائداد میں بحسب شرائط فرائض آٹھ سہام ہوں گے ایک سہم زوجہ کو اور سات سہام اس کے لڑکے کو ملیں گے اور لڑکے کے انتقال کے بعد اگر کوئی عصبہ ہو تو اسکے حصہ میں سے ایک ثلث اسکی ماں کو اور دو ثلث عصبہ کو ملیں گے اور عصبہ نہ ہو تو کل اسکی ماں کو ملیں گے زید کی ہمشیرہ اور پھوپھی بہرحال محروم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد ذکریا تمباکو فروش ۹ پیلیلیس روڈ ہوڑہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں اور زید خود جاہل لیکن بڑے لڑکے حافظ قرآن اور درس عربی پر بھی دخل رکھتے ہیں زید کی دونوں لڑکی کی شادی ہوچکی ہے زید کو ۱۹۲۶ء میں ادائے حج کا خیال ہوا قبل حج کے جس قدر جائداد تھی اس جائداد کو اپنے دونوں لڑکے کے نام ہبہ کردیا

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۲۹۰ کتاب الھبۃ، مصباحی

اور دونوں لڑکی کو ایکدم محروم کیا اب اسکے متعلق جو کاغذی کارروائی ہوئی یعنی دستاویز لکھنا اسکے مضمون کے اصلاح کیواسطے زید کے جو بڑے لڑکے حافظ قرآن ہیں چند محکمۂ ڈویزن میں وکلاؤں سے صلاح ومشورہ کیا اسکے بعد دستاویز تعمیل ہوا زید جاہل ہیں اگر ان کے لڑکے پڑھے لکھے نہ ہوتے تو ایسا مضمون جس سے دونوں لڑکی ایک دم محروم ہوتی ہیں زید سے انجام نہیں ہوتا زید کی یہ کارروائی از روی شریعت جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو زید پر کیا حکم ہے۔ اور زید کے لڑکے اپنے نفع کے باعث اس کارروائی میں حصہ لیا ہے جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو زید کے لڑکے پر کیا حکم ہے اور اس دستاویز پر جو گواہ ہوئے ہیں ان پر کیا حکم عائد ہوتا ہے جواب بحوالۂ کتب ارسال فرمادیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ زندگی میں جو جائداد اپنی اولاد کو دینا چاہے تو سب کو برابر دے یہاں تک کہ لڑکی کو بھی اتنا ہی دے جتنا لڑکے کو دیا اگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ بعض اولاد کو دیا بعض کو نہ دیا تو برا کیا۔ جیسا کہ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اکل ولدك نحلت مثل هذا اور فرمایا لا اشهد علی جور پھر بھی اگر دے دیا تو ہبہ ہوگیا جیسا کہ اسی حدیث کی بعض روایات میں آیا اشهد غیری میرے سوا کسی اور کو اس پر گواہ کرلو۔ زید کے لڑکے نے جو سعی وکوشش کی اس نے بھی اچھا نہ کیا برا کیا کہ برے کام کے متعلق کوشش بھی بُری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از چوری پٹی دیناج پور مرسلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ انصاری صاحب ۸ صفر ۱۳۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے چار لڑکے ہیں کیا زید ان چاروں لڑکوں کے حقوق جو ان کو اس سے ملنے والے ہیں اپنی زندگی میں یک لخت غیر شخص کو دے سکتا ہے یا نہیں ؟

اگر موافق شرع کے زید کو اختیار بھی ہو تو کیا لڑکے بالکل اس سے محروم ہیں اور ان کا کوئی حق نہیں پہنچتا ؟

الجواب:۔ ہر شخص کو اپنے مال کا زندگی میں اختیار ہے چاہے کل خرچ کر ڈالے یا باقی رکھے مگر اس غرض سے دوسرے کو دینا تاکہ ورثہ میراث سے محروم ہو جائیں ناجائز و حرام ہے۔ بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ حدیث میں فرمایا من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ۔ جو شخص اپنے وارث کی میراث کو قطع کرے گا اللہ تعالیٰ جنت سے اوسکی میراث کو قطع کر دیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از ناریل بازار بنارس مرسلہ جناب خان محمد عظیم اللہ گوٹہ فروش

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حاجی یار محمد مرحوم ساکن محلہ ہنومان پھاٹک شہر بنارس نے اپنے کل حقوق و جائداد مکان نمبری ۳۲/۹۴ اور زیر مکان مرحوم کی موروثی خرید کردہ جو زمین ہے اور مکان نمبری ۳۲/۹۹ میں سے نصف حصہ جسکے مالک اور حصہ دار ہیں۔ اپنے حین حیات میں موجودہ پسران ولی محمد و حبیب اللہ اور دونوں پوتے عظیم اللہ و مطیع اللہ کو ہبہ کامل کر کے مالک و قابض کر دیا۔ اور احتیاطاً ایک ہبہ نامہ بھی عدالت سرکار میں رجسٹری کرا دیا۔ جسکے مضامین یہ ہیں۔ ہم مقر کے تین بیٹے ہیں اس میں دو بیٹے ایک ولی محمد اور ایک حبیب اللہ زندہ موجود ہیں اور ایک خان محمد پسر کلاں فوت ہو گئے ان کے دو بیٹے ایک عظیم اللہ بعمر ۱۴ سال و ایک مطیع اللہ بعمر ۹ سال نابالغان موجود ہیں۔ اور میں ان سب سے خوش و رضامند ہوں اور یہ سب خدمت و طاعت کرتے ہیں۔ اور مجھے خوش رکھتے ہیں اور اب بعوض ان کے خدمت و تابعداری کے مکان نمبری ۳۲/۹۴ مذکور الصدر یعنی مسلم مکان معہ زمین و عمارت و تمامی حقوق و مرافق متعلقہ مکان مذکور بحق ولی محمد و حبیب اللہ اپنے پسران مذکور و نیز بحق عظیم اللہ و مطیع اللہ پسران نابالغان خان محمد متوفی ساکنان محلہ مذکور کو ہبہ کرتا ہوں و دیدیتا ہوں اس تصریح سے کہ ولی محمد و حبیب اللہ مذکورین ایک ایک سیومی و عظیم اللہ و مطیع اللہ مذکورین ایک سیومی حصہ میں دونوں نصف نصف کے مالک و حقدار ہیں۔ آج کی تاریخ سے ولی محمد

ایک سیومی کے مالک وقابض ہیں اور حبیب اللہ ایک سیومی کے مالک وقابض ہیں۔ اور عظیم اللہ و مطیع اللہ ایک سیومی حصہ میں نصف نصف کے مالک وقابض ہیں۔ اور ہم مقر نے اپنا قبضہ مالکانہ اٹھالیا اور موہوب علیہم کو مالکانہ قابض و دخیل کردیا۔ اور ایسا ہی مکان نمبری $\frac{33}{99}$ معہ زمین و عمارت مذکورہ میں سے جو میرا نصف حصہ ہے اسکو بھی مذکورین کے حق میں ہبہ کردیا۔ اسی تصریح کیساتھ اور اس ہبہ کو موہوب علیہم نے قبول و منظور کیا اور عظیم اللہ و مطیع اللہ کا میں ولی شرعی ہوں انکی طرف سے اس ہبہ کو میں نے قبول و منظور کرلیا ہے۔ اب میرا یا میرے وارث کا مکانات موہوبہ میں کوئی حق باقی نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی دعوی کرے تو ناجائز و باطل ہو۔ اس واسطے یہ چند کلمہ بطریقہ ہبہ نامہ تحریر کردیا کہ وقت پر کام آئے اور سند کامل رہے۔ لہذا ازروئے شرع شریف یہ ہبہ نامہ درست ہے یا نہیں اور پوتوں کو روزگار وراثت البیت سے حصہ ملیگا یا نہیں؟ بالتصریح فرمادیں؟ اور ثواب دارین حاصل کریں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ ہبہ نامہ کی عبارت مجمل ہے، حاجی یار محمد نے اپنے دونوں مکان اپنے دونوں بیٹوں اور دونوں پوتوں کو ہبہ کئے۔ اسکی دو صورتیں ہیں آیا ہر ایک کا حصہ متعین و ممتاز کرکے ہبہ کیا، اور قبضہ دلا دیا یا بغیر تقسیم و تعیین ایک ایک ثلث ولی محمد و حبیب اللہ کو اور ایک ثلث عظیم اللہ و مطیع اللہ کو ہبہ کیا اگر پہلی صورت ہے کہ تقسیم کرکے قابض کردیا ہے جب تو یہ ہبہ صحیح و تام و نافذ۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ ہبہ تام و نافذ نہوا کہ وقت عقد شیوع پایا گیا اور ایسا شیوع مانع تمامیت ہبہ ہے، بلکہ موہوب لہم میں بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں، لہذا یہ ہبہ صاحبین کے نزدیک بھی درست نہوگا ہدایہ میں ہے، اذا وھب اثنان من واحد دارا جاز وان وھبھا واحد من اثنین لایجوز عند ابی حنیفہ وقالا یصح درمختار میں ہے، وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع وبقلبہ لکبیرین لا عندہ للشیوع فیما یحتمل القسمۃ اما مالا یحتملہ کالبیت فیصح اتفاقا قید بکبیرین لانہ لو وھب لکبیر وصغیر فی عیال الکبیر اولابنیہ صغیر وکبیر لم یجز اتفاقا۔[1] اور پوتے اپنے دادا کے اس صورت میں وارث نہیں کیوں کہ ان سے اقرب ان کے چچا موجود ہیں۔ البتہ جو کچھ انھوں نے کمایا ہے اس کے مالک ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[1] درمختار ج ۴ ص ۵۷۳ کتاب الھبۃ ۱۲ مصباحی

کتاب الاجارۃ

مسئلہ:۔ از شہر بریلی محلہ بہاری پور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اچکن جامہ وار کی درزی سے سلائی اور مبلغ ۹ کا صرف کپڑا ہے، علاوہ سلائی کے، لیکن تراش میں اولٹا سیدھا ہوگیا۔ یعنی بوٹیوں کا سر اوپر ہونا چاہیئے۔ وہ نیچے ہوگئے۔ اور وہ نقص اب نہیں جاسکتا۔ لہذا ایسی صورت میں درزی سے قیمت لینی جائز ہے یا نہیں۔ اور اسکی مزدوری دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہیکہ اگر زیادہ تفاوت ہو یعنی اس کام کے کرنے والے یہ کہیں کہ بہت فرق ہے تو اختیار ہے کہ کپڑے کی قیمت لے یا وہی سلا ہوا کپڑا۔ اور اس صورت میں سلائی وہ دے جو اس خراب سلے ہوئے کی ہونی چاہیئے، نہ وہ جو باہم ٹھہر چکی ہے اور تھوڑا فرق ہو تو تاوان لینا جائز نہیں اور صورت مسئولہ میں چونکہ بہت زیادہ تفاوت نہیں کہ کپڑا الٹا نہیں سیا گیا بلکہ بوٹیوں کا رخ جو اوپر کو ہونا چاہیئے نیچے ہوگیا، معمولی درزیوں کو اسکی تمیز بھی نہیں ہوتی، لہذا تاوان جائز نہیں، اور وہ سلائی دیجائے جو اسکی ہونی چاہیئے نہ وہ جو باہم ٹھہر چکی ہے، بحر الرائق میں ہے فی الخلاصۃ لو صبغ ردیئا ان لم یکن ناحشا لایضمن وان کان فاحشا بحیث یقول اھل تلک الصناعۃ انہ فاحش یضمن قیمتہ ثوب ابیض وفیھا ایضا رجل دفع الی خیاط ثوبا وقال اقطعہ حتی یصیب القدم وکمہ خمسۃ اشبار وعرضہ کذا فجاء بہ ناقصا ان کان قدر اصبع ونحوہ فلیس بشیئ وان کان اکثر یضمنہ۔ اگر رنگریز نے کپڑا خراب رنگ دیا اگر فاحش خرابی نہ ہو تو اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر زیادہ خرابی ہے کہ اس کام کے کرنے والے اسے زیادہ خراب بتاتے ہوں تو اس سے سفید کپڑا کی قیمت کا تاوان لے۔ ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور یہ کہا کہ اتنا نیچا قطع کرو کہ قدم تک پہونچ جائے اور اس کی آستین پانچ بالشت کی ہو۔ اور

چوڑائی بھی اسکی ایسی ہو، اسکو چھوٹا کرلایا اگر بقدر ایک انگلی سے چھوٹا ہو تو اسکا کچھ اعتبار نہیں اور اگر زائد چھوٹا ہو تو تاوان دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از چوہڑ کوٹ تحصیل بارکھان ملک بلوچستان غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام علیہم الرضوان اندریں مسئلہ کہ آیا ملازمت و نوکری قوم نصاری کردن جائز است یا نہ خصوصاً شخصے حاجی و مولوی و متقی بمشاہرہ خمس وعشرین بعہدہ معلمی در نوکری مصروف است بعضے عالماں بعدم جواز ایں مشاہرہ قائل ؟

الجواب: بعض ملازمت ناجائز است مثلاً ملازمت حکم کردن خلاف ما انزل اللہ و ملازمت رجسٹری کہ کاغذ سود بنویسد۔ بر وگواہ می باشند۔ وغیرہما۔ واگر در کار ہائے متعلقہ محذورے نبود۔ جائز ہست۔ ہمچنیں تعلیم کہ اگر بتعلیم امر مباح ماموراست مثلاً حساب اقلیدس وغیرہ اجارہ جائز ہست واگر بتعلیم عقائد باطلہ و امور منہیہ اشتغال دارد ناروا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئولہ عبد الغنی متعلم مدرسہ منظر اسلام ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان زمیندار نے اپنی رعیت سے دو یا تین سال کے باقی خراج وصول کرنے کے وقت اصل خراج سے کچھ زیادہ لیا۔ اس غرض سے اگر یہ خراج زمیندار کے قبضے میں ہوتا تو اس سے نفع حاصل کرتا۔ چونکہ رعیت نے ادا کرنے میں تاخیر کی اس سے زمیندار کا نقصان ہوا۔ آیا اس قسم کی زیادتی لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور یہ سود ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب: کھیت کی جو مالگزاری مقرر ہو چکی ہے۔ زمیندار اتنا ہی لے سکتا ہے اگرچہ کاشتکار نے کئی سال تک ادا نہ کی ہو اس سے زیادہ لینا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئولہ جناب عبد العزیز صاحب محلہ سکروال قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۸ رجب ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو مسلمان ایسے ہوٹل میں ملازم ہوئے کہ جس میں گوشت خنزیر کا پکتا تھا اور بھی ہر قسم کا گوشت پکتا تھا ان دونوں میں سے ایک کا یہ کام تھا کہ ڈھکی ہوئی رکابی اٹھا کر ایک دوسرے مسلمان کو دیتا تھا جو میز پر رکھتا تھا لیکن ان

دونوں کو علم نہ تھا کہ اس ڈھکی ہوئی رکابی میں کیا ہے جو کہ ظاہر میں گوشت خنزیر سے پرہیز کرتا تھا اب ان دونوں کے حق میں کیا حکم ہے۔ آیا شرعاً کوئی کفارہ ہے جو ادا کر کے یہ دونوں برادری میں شامل ہو جائیں؟

الجواب:۔ جبکہ یہ معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں خنزیر کا گوشت پکتا ہے اور ان دونوں کے متعلق یہ کام تھا کہ کھانا میز تک پہنچائیں۔ تو ایسے ہوٹل میں انھیں ملازمت ہی نہ چاہیے تھی۔ توبہ کر کے برادری میں شامل ہو جائیں، حدیث میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ فیض اللہ ساکن محلہ معماران بریلی ۲۹ شوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام باڑہ اس شرط پر کہ پانچ روپیہ ماہواری کو سرکاری مدرسہ نسوانی کیواسطے دیا گیا تھا کہ کلام مجید اور شرع کی کتابیں پڑھائی جاوینگی اب کلام مجید اور مسائل کی کتابیں نہیں پڑھائی جاتی ہیں، حساب اور اردو کی کتابیں مدرسہ کی تعلیم کی پڑھائی جاتی ہیں اور عیسائیئن آکر امام باڑہ میں لڑکیوں کا امتحان لیتی ہیں۔ اب امام باڑہ ان سے خالی کر لیا جاوے یا ان کے پاس رہنے دیا جاوے اسمیں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ مسلمان لڑکیوں کے پاس عیسائی عورتوں کا آنا اور ان کا امتحان لینا اخلاق خراب ہونے کا سبب ہے اور انھیں دیکھ کر لڑکیاں بھی آزادی پسند ہو جائیں گی۔ اور یہ فتنہ کا دروازہ ہے ایسے مدرسہ میں مسلمان اپنی لڑکیوں کو نہ بھیجیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین۔ اگر مسلمان عورتیں تعلیم قرآن مجید و مسائل شرع کی دیں اور عیسائی عورتوں سے سابقہ نہ پڑے تو مکان دیا جائے ورنہ مدرسہ اٹھادیا جائے؟ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ رحمت حسین ساکن محلہ بہاری پور بریلی یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں امام باڑہ پنچاتی عرصہ دراز سے خالی پڑا رہتا تھا جسمیں کہ غلاظت کرتے تھے اور جوا وغیرہ ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے کرایہ پر جنگی کو دے دیا گیا۔ جسمیں مدرسہ تعلیم نسواں جاری ہو گیا۔ اسمیں تعلیم اردو و قرآن شریف کی ہوتی ہے۔ کافروں کی

کوئی زبان نہیں سکھائی جاتی۔ اس کے کیرایہ کی آمدنی تعمیر و مرمت مسجد میں صرف ہوتی ہے۔ کثرت رائے مدرسہ قائم رکھنے کی ہے۔ چند آدمی اسکے خلاف ہیں۔ اس میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ آیا مدرسہ قائم رکھا جاوے یا خالی کرالیا جائے؟

الجواب:۔ اگر اس مدرسہ میں لڑکیوں کو قرآن مجید و مسائل شرع کی تعلیم دی جاتی ہو تو مسلمان اپنی لڑکیوں کو اسمیں پڑھوا سکتے ہیں۔ جبکہ عیسائی عورتیں یا دیگر کفار عورتوں کی صحبت مسلمان لڑکیوں کو نہ ہوتی ہو۔ اور وہ امام باڑہ جوگی کو کیرایہ پر دیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا حکم ہے علمائے دین و خلیفہ مرسلین کا مسائل ذیل میں۔ کہ کسو کی مسجد کی دکان کسی تصویر کھینچنے والے کو دیجا سکتی ہے یا نہیں درانحالیکہ اس مسجد کے گرد و پیش ایسے ہی دوکاندار ہیں جو انگریزوں کے ہاتھ کاروبار کرتے ہیں، نیز مسجد مذکور کے جو ممبر ادر خیدہ دہندہ ہیں ان کا بھی کام و کاروبار انگریزوں سے ہے؟

الجواب:۔ اس شخص کو دکان کیرایہ پر دیجا سکتی ہے۔ مگر یہ کہکر نہ دیں کہ اس میں تصویر کھینچئے۔ اب یہ اسکا فعل ہے کہ تصویر بناتا ہے اور عذاب آخرت مول لیتا ہے۔ پھر بھی بہتر یہ ہے کہ مسجد کے آس پاس خصوصًا دکان مسجد کو محرمات سے پاک رکھیں، اور ایسے کو کرایہ پر دیں جو جائز پیشہ کرتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ اسمٰعیل صالح محمد از راناواو ضلع کاٹھیاوار ۴ ذی الحجہ ۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت پر قرآن شریف پیسہ لیکر پڑھا جائے کہ نہیں اور قرآن شریف پڑھ کر پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن مجید کی تلاوت پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اس طرح پڑھوانے کا کچھ ثواب نہیں۔ بلکہ گناہ ہے، جوہرہ نیرہ میں ہے واختلفوا فی الاستئجار علی قراءۃ القرآن مدۃ معلومۃ قال بعضھم لا یجوز وھو المختار۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد فاروق از رسڑا بلیا ۶ ذی الحجہ ۴۱ھ

بکری اس طرح چرانے کو دینا کہ اسکے بچوں میں نصف چرانے والے کو دیے جائیں جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ بکری یا مرغی یا کوئی جانور چرانے کو اسطرح دینا کہ بچے نصف نصف تقسیم کر دیے جائیں گے۔ یعنی چرائی میں آدھے بچے دیے جائینگے یہ ناجائز ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولو دفع غزلا لاخر لینسجہ لہ بنصفہ ای بنصف الغزل او استاجر بغلا یحمل طعامہ ببعضہ او ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ فسدت فی الکل لانہ استاجرہ بجزء من عملہ والاصل فی ذالک نہیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قفیز الطحان[1]۔ ہاں اگر بکری کے مثلاً دو بچے ہیں اور ایک معین کر کے چرواہے کو دیا اور دوسرا اپنے لئے رکھا تو جائز ہے۔ یعنی جبکہ بکری کو بچے دینے کے بعد چرانے کو دیا۔ اور بیانے سے قبل یہ صورت ہو نہیں سکتی۔ درمختار میں ہے والحیلۃ ان یفرز لہ الاجر اولا یا ماہوار یا سالانہ چرائی مقرر کر کے دیں جیسے گائے بھینس چرانے کو دیتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ مولوی عبدالعزیز امام کلس داخلی سیر ضلع ہزارہ ۱۱ ذی الحجہ ۲۱ھ

میت کیواسطے قرآن عظیم کا ختم پڑھنا میت کو ثواب حاصل ہو سکتا ہے یا نہ ؟

الجواب :۔ قرآن مجید پڑھکر میت کو ثواب پہنچانا جائز بلکہ مستحسن ہے، ہاں قرآن مجید کی تلاوت پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے کہ طاعات پر اجارہ صحیح نہیں۔ الا ما استثنی المتاخرون وھذہ لیست منہ اور جب اجرت پر پڑھنے کا کچھ ثواب ہی نہیں تو میت کو کیا پہنچیگا۔ واللہ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ شاہ قمرالدین صاحب امام مسجد کلاں جامع مدرسہ معینیہ از پوکرن ماڑوار ریاست جودھپور ۲ ربیع الاول شریف ۴۲ھ

شادی کے موقعہ پر جو قوم خدمت گار ہے۔ مثل سقہ و خاکروب و نائی وغیرہ کو حق خدمت کچھ دینا جائز ہے یا نہیں۔ ؟

الجواب :۔ مواقع خوشی میں ان لوگوں کو اگر بطور انعام کچھ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[1] درمختار ج ۵ ص ۴۰۔ کتاب الاجارہ۔ مصاحج۔

مسئلہ :- مرسلہ حفیظ اللہ طالب علم الہ آباد۔ محلہ یاقوت گنج مدرسہ عالیہ مصباح العلوم درجہ عالم ۲۴ ربیع الآخر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے امام کے متعلق متولیان مسجد یہ طریقہ رائج کریں کہ جسوقت کے نماز میں وہ امام نہ آئے اس وقت کی تنخواہ وضع کرتے ہیں یعنی اس وقت کی تنخواہ نہیں دیتے، کیا یہ عندالشرع جائز ہے اور اس میں امام کی کوئی توہین تو نہیں ہوگی فقط۔ بینوا توجروا

اور کسی جزئیہ سے اسکا ثبوت تحریر کریں ؟

الجواب :- جب وہ امام نماز پڑھانے کیلئے نوکر ہے تو جن وقتوں کی نماز نہ پڑھائے گا ان وقتوں کی تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا کہ اجیر خاص جب تک تسلیم نفس نکرے مستحق اجر نہیں اور اگر یہ پڑھانے کیلئے تیار تھا مگر لوگوں نے دوسرے سے پڑھوالی تو مستحق اجر ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعمل۔ طحطاوی میں ہے۔ فیستحق الاجر بذالک (ای بتسلیم نفسہ) عمل اولم یعمل اھ زیلعی الا اذا ابی العمل ولو حکما کمرض اومطر فلا اجر لہ اھ درمنتقی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اجرت تعلیم قرآن کا کیا حکم ہے آیا جائز ہے یا نہیں ؟

یہاں یہ طریقہ ہے کہ ختم سورہ انعام تین بار پڑھتے ہیں اور ثواب مردہ کو بخشتے ہیں اور اس کا ہدیہ بھی لیتے ہیں اور کھانا بھی کھاتے ہیں آیا مردہ کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اجرت تعلیم متاخرین فقہاء حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ایصال ثواب کیلئے جو قرآن مجید پڑھوایا جاتا ہے اسکی اجرت لینا دینا ناجائز اور بغیر اجرت ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن مجید محمود اور پڑھنے والے کو کھانا کھلانا یا کچھ ہدیہ دیدینا بھی جائز اگر المعروف کالمشروط کی حد کو نہ پہنچا ہو۔ ورنہ پیشتر نفی کر دیجائے کہ اس کا عوض کچھ نہ دیں گے

پھر جو ہوسکے اسکی خدمت کیجائے اس میں اصلاً حرج نہیں کہ "الصریح یفوق الدلالۃ" واللہ اعلم

مسئلہ:۔ از پالی مارواڑ ریاست جودھپور مرسلہ سید قمرالدین صاحب امام مسجد جامع ۲۸ شوال ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں قصبہ پالی ملک مارواڑ ریاست جودھپور میں قاضی کو نکاح خوانی کی اجرت اکثر لوگ دیتے ہیں اور بعض تو میں سید و پیرزادہ وغیرہ نہیں دیتے ہیں اسلئے کہ وہ خود نکاح پڑھاتے ہیں، مجھ قمرالدین پیش امام مسجد جامع نے اپنے قدیمی دستور کے موافق اپنی ہمشیرہ اور ہر سہ برادر نے وہاں کا نکاح پڑھایا۔ قاضی نے اجرت نکاح کا دعویٰ عدالت میں پیش کیا اور پے در پے ہر سہ عدالت سے ڈگری حاصل کرکے آخر کار اب ایک رپورٹ چیف جج صاحب کے اجلاس سے یہ دعویٰ مدعی احکام شرع کی محتاج طے پایا جاکر بقائمی سقینات و تحقیقات و تجویز بعد دیکھنے عدالت ماتحت میں واپس رکھا گیا ہے اس لئے سوالات مندرجہ ذیل کے جوابات از روئے شرع شریف بحوالہ کتب فقہ و حدیث پاک مفصل تحریر فرماکر اجر عظیم حاصل فرمادیں؟

(۱) از روئے شریعت قاضی جبراً اجرت نکاح کے حاصل کرنے کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۲) مسائل نکاح و محرمات و رضاعت و طلاق و عدت وغیرہ وغیرہ سے ناواقف ہو وہ شخص قابل عہدہ قضاۃ ہے یا نہیں؟

(۳) عہدۂ قضاۃ کون کون کتب تحصیل کرنے اور کس قدر علم کی ضرورت ہے؟

(۴) قاضی کو احکام شریعت کے مقابلہ میں ریاست ہذا کا حکم غالب سمجھنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح خواں جسکو لوگ قاضی کہتے ہیں یہ شرعاً قاضی نہیں اس کا قاضی کہنا عام لوگوں کی اصطلاح ہے لہذا شرائط قضا کی بھی اس میں ضرورت نہیں عموماً نکاح خواں ایسے ہوتے ہیں جنکو قاضی کہنا عہدۂ قضا کو ذلیل کرنا ہے یہ قاضی عرفی وکیل و معبر ہوتا ہے کہ الفاظ ایجاب کہکر قبول کرانا اس کا کام ہوتا ہے اس کیلئے بس اتنی ہی ضرورت ہے کہ ایجاب و قبول کے الفاظ صحیح طور پر کہہ سکے اور کہلا سکے اسکے لئے نہ عالم ہونیکی ضرورت نہ نکاح و طلاق

کے مسائل جاننے کی حاجت نکاح خواں کو اجرت نکاح خوانی لینا جائز ہے۔ مگر اجرت اسوقت لے سکتا ہے جب اس نے نکاح پڑھایا بھی ہو ورنہ بغیر عمل گھر بیٹھے ہوئے اجرت ہرگز نہیں لے سکتا بلکہ یہ بھی ضرور نہیں کہ یہی لوگوں کے نکاح پڑھائے نکاح کرنے والوں کو اختیار ہے جس سے چاہیں پڑھوائیں اور اگر اس قاضی نے جبراً اجرت لی تو گناہ و حرام ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوابھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ حکم شریعت کے مقابلہ میں کسی کا حکم نہیں ان الحکم الا للہ اگر حکم خدا کے مقابل دوسرے کے حکم کو حق جانا تو کفر ہے من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ واللہ اعلم

مسئلہ از جگدل ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ عبدالوحید ۷ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے تنخواہ مسجد میں نماز پڑھاتا ہے۔ لوگ اسے عیالدار سمجھکر صدقہ فطرہ و قربانی کے چمڑہ دیا کرتے ہیں اب کچھ عرصہ سے بعض غیر مقلدوں نے لوگوں کو ورغلایا ہے۔ کہ صدقہ فطرہ اور پوست قربانی کھانے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے۔ اسے صدقہ فطر اور پوست قربانی نہ دینا چاہیئے۔ لہٰذا لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھنے اور فطرہ و پوست قربانی دینے سے باز رہے۔ اسکی بابت صحیح حکم کیا ہے اور ایک ایک دو روپیہ امام کو دینا یہ فطرہ ہے یا نہیں؟

۲ اور اگر زید سے قبل کہا گیا ہو کہ مسجد میں امامت کرو۔ تمہاری حاجت کو ہم لوگ فطرہ عید و چرم قربانی سے پوری کردیا کریں گے۔ اسکی بابت کیا حکم ہے؟

۳ اگر کسی کی تنخواہ مقرر نہو۔ اور تعلیم و تدریس دیتا ہو۔ اور لڑکوں کے والدین بوجہ مفلسی کے مشاہرہ نہ دیتے ہوں۔ تو اس حالت میں مدرس چرم قربانی اور فطرہ عید سے اپنی تنخواہ لے سکتا ہے؟

۴ زید قبل اپنی تنخواہ مقرر کرتا ہے۔ کہ میں اس قدر تنخواہ لونگا تو امامت کروں گا؟

الجواب (۱):۔ صدقہ فطر کا مصرف وہ ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے درمختار میں ہے۔ وصدقۃ الفطر کالزکاۃ فی المصارف۔ لہٰذا اگر امام اسکا اہل ہو تو اسے دے سکتے ہیں

اور چرم قربانی امام کو دینے میں اصلاً کوئی مضایقہ نہیں، حدیث شریف میں ہے کلوا وادخروا وائتجروا۔ اگر امام مذکور عیال دار ہے اور اسے صاحب حاجت سمجھکر دیں تو باعث ثواب ہے درمختار و عالمگیری وغیرہما میں ہے۔ ویتصدق بجلدھا۔ صدقہ فطر میں اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایک شخص کا صدقہ ایک کو دیا جائے اور اگر ایک صدقہ چند فقیروں پر تقسیم کر دیں یا چند صدقے ایک فقیر کو دیں جب بھی جائز ہے درمختار میں ہے۔ وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر وبہ جزم فی الولوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعھم الزیلعی فی الظھار من غیر ذکر خلاف وصححہ فی البرھان فکان ھو المذھب کتفریق الزکاۃ والامر فی حدیث اغنوھم للندب[1]۔ یونہی گیہوں یا جو وغیرہ کی جگہ انکی قیمت دینا بھی جائز ہے بلکہ بعض صورت میں افضل، تنویر الابصار میں ہے ودفع القیمۃ افضل من دفع العین علی المذھب۔ درمختار میں ہے وھذا فی السعۃ اما فی الشدۃ فدفع العین افضل کما لا یخفی۔ لہذا اگر صدقہ فطر میں سے دو ایک پیسہ کسی کو دیا جائے تو دے سکتے ہیں یعنی صدقہ کی قیمت متعدد فقرار پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ صدقہ فطر و پوست قربانی کھانے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی وہ غلط کہتا ہے اگر وہ اہل ہے تو صدقہ فطر لینے میں کون سا گناہ ہوا اور پوست قربانی تو محتاج ہو یا نہ ہو بہرحال دے سکتے ہیں پھر اس کے پیچھے نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

ج ۲۔ اگر یہ کہنا براہ ہمدردی وعدہ کے طور پر ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں وہ لوگ دے سکتے ہیں اور وہ شخص لے سکتا ہے اور اگر اس سے مقصود اسکو نوکر رکھنا ہے تو یہ اجارہ فاسدہ ہے کہ اجرت مجہول ہے اور امام نے نماز پڑھائی تو اجرت مثل دینی پڑیگی یعنی اتنوں دنوں نماز پڑھانے کی جو اجرت ہونی چاہیئے وہ اسے دیجائے، درمختار میں ہے تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما یفسد البیع یفسدھا کجھالۃ ماجور او اجرۃ الخ نیز اسی میں ہے وحکم الاول وھو الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال، اور اس صورت میں صدقہ فطر اور

[1] درمختار ج ۲ ص ۸۵ باب الفطر، مصباحی

پوست قربانی اجرت میں نہیں دے سکتے صدقہ فطر تو ظاہر ہے کہ وہ مثل زکوٰۃ کسی معاوضہ میں نہیں دیا جاسکتا اور پوست قربانی اس شخص کو ویسے دے سکتے ہیں اجرت میں نہیں دے سکتے کہ اجرت میں دینا بمنزلہ بیع کے ہے اور حدیث میں آیا ہے۔ من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳ تنخواہ میں نہ صدقہ فطر دیا جاسکتا ہے نہ چرم قربانی جیساکہ نمبر۲ میں مذکور ہوا۔ ہاں اگر اس شخص نے مفت بلا تنخواہ پڑھایا اور اس نے اسکو مستحق سمجھ کر صدقہ فطر اور چرم قربانی دیا تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۴ امام کو نوکر رکھنا اور اسکی تنخواہ کا بیشتر معین کرلینا متاخرین نے جائز کہا اور اب اسی پر فتویٰ ہے درمختار میں ہے ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القران والفقہ والامامۃ والاذان ویجبر المستاجر علی دفع ماقیل فیجب المسمیٰ بعقد واجر المثل اذا لم تذکر مدۃ شرح وہبانیہ من الشرکۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ جناب ابراہیم محمد عمر و صاحب از بھروچ گجرات۔

کیا حکم ہے شرع مطہر کا کہ ضلع بھروچ گجرات میں ہر جگہ امام کو نماز پڑھانے پہ کوئی تنخواہ مقرر نہیں بلکہ اہل دیہات نے یہ مقرر کیا ہوا ہے کہ شادی غمی میں مثلاً ختم خوانی یا نکاح خوانی کے وقت کوئی رقم مقرر کی ہوئی ہے۔ اگر مقرر رقم نہ کی جائے تو بعض خود غرض ایک پائی بھی نہ دیوے۔ بعض جگہ علاوہ مقررہ رقم کے قدرے زمین بھی دی ہوئی ہے۔ جو گذر کیلئے غیر کافی ہے۔ اور یہ بات بھی مشکل ہے کہ چندہ جمع کرکے امام صاحب کو تنخواہ دی جاوے اور جہاں تک گذر ہوا امام صاحب کا قائم رہنا بھی مشکل ہے۔ مذکورہ مقررہ رقم کے سوائے دوسری سبیل گذر کی نہیں ہے۔ اب یہ رقم اہل دیہات کا مقرر کرنا جائز ہے یا ناجائز اور کیا مسجد کی رقم سے امام کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد کی آمدنی سے امام کو تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ کہ حسب فتویٰ متاخرین

جب امام کو نوکر رکھنا جائز ہے۔ اور اب اسی پر عمل ہے۔ تو آمدنی مسجد کو اس کام میں صرف کیا جاسکتا ہے کہ امام کو رکھنا بھی ضروریات مسجد سے ہے۔ یونہیں امام کو نکاح خوانی کی اجرت بھی دی جاسکتی ہے۔ تلاوت قرآن پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر بطور احسان اسکو کچھ دیا جائے نہ بطور اجرت تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از بریلی شریف ڈاکخانہ ایزیٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب حاجی کفایت حسین صاحب ۷ شعبان المعظم ۴۷ھ

آرے کشی، بڑھئی، رنگسازی وغیرہ وغیرہ کے کام کرنیوالا کاریگر اکثر کارخانہ دار سے قرض روپیہ لیتے ہیں۔ اور وعدہ ادا کرنے کا کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادا نہیں کرتے۔ بعض کے دستاویز تک ہوجاتے ہیں۔ اب وہ روپیہ کارخانہ دار کو جب ملیگا جب کاریگر کسی اور کارخانہ دار کے یہاں جائے ورنہ نہیں۔ اگر کام نہیں کرے تو روپیہ مل نہیں سکتا۔ اگر اور کوئی کام کرلے جب ملیگا جب بھی روپیہ نہیں مل سکتا ہے۔ لہذا یہ روپیہ کس حیثیت پر ہے کہ روپیہ میں کاریگر رہن ہوتا ہے۔ یا روپیہ کاریگر کی قیمت ہے اگر کاریگر فوت ہوجائے تو قرضہ ساتھ جائے گا؟

الجواب:۔ آدمی نہیں رہن ہے اسکا روپیہ اسکے ذمہ ہے جس طرح چاہے وصول کرے ہاں اگر اس روپیہ کیوجہ سے اجرت میں کمی کیجاتی ہو تو یہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید میونسپلٹی میں ملازم ہے، اور اسکے سپرد کام یہ ہے کہ بھینسے جو میونسپلٹی کی جانب سے غلیظ و کوڑا وغیرہ اٹھوانے کو پالے گئے ہیں۔ انکی نگرانی کھانے پینے کا انتظام کرے، زید کو میونسپلٹی سے بھوسہ دانہ وغیرہ ملتا ہے، ان چیزوں میں سے زید اپنے صرفہ میں و نیز اپنے اعزہ کے صرفہ میں بھی لاتا ہے، اسکا خیال یہ ہے کہ یہ کافر حربی کا مال ہے، اور بلا غدر ملتا ہے، لہذا میں اپنے صرفہ میں کیوں نہ لاؤں، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، میونسپلٹی کی چیزیں گورنمنٹ کی سمجھی جائینگی یا نہیں، کیونکہ اگرچہ گورنمنٹ نے میونسپلٹی ہندوستانیوں کے ہاتھ دیدی ہے، لیکن

جس وقت جو کچھ چاہے گورنمنٹ کر سکتی ہے ایسی حالت میں میونسپلٹی گورنمنٹ کی سمجھنا چاہیئے یا نہیں؟ شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- زید چونکہ مینوسپلٹی کا ملازم ہے، اور مینوسپلٹی کے جانوروں کی خوراک وغیرہ کا انتظام اس کے سپرد ہے۔ لہٰذا زید کو ہرگز یہ جائز نہیں کہ ان چیزوں میں خود تصرف کرے یا اپنے اعزّہ کو کھلائے کہ ملازم کے پاس جو چیزیں کسی کام کیلئے دی جائیں وہ امانت ہوتی ہیں، اونکے غیر میں صرف کرنا خیانت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تخونوا الامانات لاھلھا، امانت میں خیانت حرام ہے، حدیث میں فرمایا آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان، اور ایک روایت میں ہے۔ واذا عاھد غدر کوئی معاہدہ کر کے اسکے خلاف کرنا بھی منافق کی علامت ہے، اسکا یہ خیال کہ یہ مال بلا غدر ملتا ہے غلط خیال ہے یہ کھلا ہوا غدر موجود ہے، کہ جب اس نے ملازمت کی تو تمام امور کا جو اس ملازمت سے متعلق ہیں عہد کر لیا، اور جو کام شرائط ملازمت کے خلاف کریگا غدر ہو جائیگا۔ غدر کے معنی عہد توڑنے کے ہیں اور بلا شبہ اس نے عہد کو توڑا پھر غدر کیوں نہ ہوا اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ اس نے کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے، لہٰذا غدر نہیں ہے تو امانت میں خیانت تو اب بھی ہے اور خیانت بھی غدر ہے، لہٰذا کافر حربی نے اگر اسکے پاس کوئی امانت رکھی ہو تو اسمیں بھی خیانت نہیں کر سکتا۔ درمختار میں ہے ولا یضمن ما ھلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان لان شرط الضمان فی الامانۃ باطل کالمودع، یعنی اجیر کے پاس جو چیز ہے وہ امانت ہے ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم نہیں اگرچہ بوقت اجارہ شرط کر لیا ہو کہ ہلاک ہونے پر تاوان دیگا۔ کہ امانت میں ضمان کی شرط باطل ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مینوسپلٹی کی چیزیں گورنمنٹ کی ہیں۔ چونکہ اس مد کی آمدنی کو گورنمنٹ نے رفاہ عام میں خرچ کرنیکے واسطے طے کر لیا ہے۔ لہٰذا اسمیں خرچ کرتی ہے اور اسکا انتظام ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ کو اس سے تعلق نہیں

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سب رجسٹراری مثل تحصیلداری وغیرہ کے ناجائز کیوں ہے، اور سب رجسٹراری کی تنخواہ اعلیٰ حضرت نے ناجائز فرمایا ہے، اسکے وجوہ مفصل مطابق شرع شریف کے بیان فرمائیے؟

الجواب:۔ سب رجسٹرار یا رجسٹرار دستاویز کا گواہ ہوتا ہے، جب تک اوسکے دستخط نہوں دستاویز کی تکمیل نہیں ہوتی، اگرچہ اپنے نام کے ساتھ وہ گواہ شد نہ لکھے مگر وہ یقیناً گواہ ہے بلکہ جس دستاویز میں کوئی لین دین ہو تو روپیہ اسکے سامنے دیا جاتا ہے جسکو وہ خود گن کر لکھتا ہے کہ میرے سامنے آتنا روپیہ دیا گیا۔ اور مقدمہ میں ضرورت ہوتی ہے تو رجسٹرار بھی گواہی کیلئے جاتا ہے اور گواہی دیتا ہے پس جبکہ وہ گورنمنٹ کی طرف سے اسواسطے مقرر ہے کہ اسکی گواہی کے ثبت ہونے کے بعد دستاویز قابل قبول و تسلیم ہوتی ہے ورنہ نامقبول و مردود تو چونکہ دستاویز اکثر سودی بھی ہوتی ہے جس میں سود کا لین دین بھی تحریر ہوتا ہے۔ اور یہ اسکا گواہ ہوتا ہے اور اسکی تصدیق و گواہی سے انکار نہیں کرسکتا کہ یہ گورمنٹ کیطرف سے اسی کام پر مامور ہے۔ لہذا سودی دستاویز پر بھی آ اپنی گواہی ثبت کرنی ضروری ہے اور سودی دستاویز پر گواہی حرام ہے۔ لہذا یہ نوکری جسکے لوازم سے سودی گواہی بھی ہے حرام ہوئی صحیح مسلم شریف میں مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی وہ فرماتے ہیں لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ قال وھم سواء۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور اسکی دستاویز لکھنے والے اور اسکی گواہی کرنے والوں پر لعنت فرمائی کہ یہ سب برابر ہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم

مسئلہ:۔ از مقام جنگائل مسجد ڈاکخانہ چکاسی ضلع ہوڑہ مرسلہ مولوی محمد شمس الحق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بکری عمرو کو اس شرط پر دی کہ تم اسکو چراؤ اور اسکی پرورش کرو جب بچے پیدا ہونگے تو نصف ہمارا اور نصف تمہارا اور اگر ایک بچہ پیدا ہوگا تو اسکی قیمت آپس میں تقسیم کرلینگے تو کیا اس طرح کا لین دین جائز ہے

اور زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اسکی قربانی جائز ؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں ؟ بینوا توجروا

الجواب :۔ جانور کو اس طرح چرائی پر دینا کہ جو بچہ پیدا ہوگا۔ اسکے نصف کا حق دار چرانے والا ہوگا ناجائز ہے اور یہ اجارہ فاسدہ ہے، اولاً یہ کہ جو اجرت مقرر ہوئی وہ مجہول ہے معلوم نہیں بچہ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ پیدا ہوگا۔ اور زندہ پیدا ہو تو معلوم نہیں ایک پیدا ہوگا یا کئی ہونگے۔ اور اجرت مجہول ہونے سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے وتفسد بجهالة المسمٰی کله او بعضه ثانیاً یہ اجیر جس چیز میں کام کریگا یعنی جو جانور چرائے گا اسی میں سے ایک حصہ اپنی اجرت میں لیگا۔ اور ایسا اجارہ صحیح نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ومن دفع الی حائك غزلا لينسجه بالنصف فله اجر مثله وكذا اذا استاجر حمارا يحمل عليه طعاما بقفيز منه فالاجارة فاسدة لانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير في معنى قفيز الطحان وقد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عنه۔ بالجملہ یہ اجارہ صحیح نہیں بکری کے جتنے بچے پیدا ہوں گے سب کا مالک زید ہی ہے کہ بچے اسی کی ملک ہوتے ہیں جسکی بکری ہو۔ عمرو کو اس صورت میں اتنے دنوں کی چرائی کی اجرت مثل دیجائیگی۔ یعنی اتنے دنوں تک چرانے کی جو اجرت دیجاتی ہو وہ ملے گی۔ بشرطیکہ وہ اجرت مثل نصف بچوں کی قیمت سے زائد نہ ہو اور اگر زائد ہو تو صرف نصف بچوں کی قیمت ہی دی جائیگی۔ زیادہ نہیں کہ اجارہ فاسدہ کا حکم یہی ہے ہدایہ میں ہے۔ والواجب فی الاجارة الفاسدة اجر المثل لایجاوز به المسمٰی، اور جبکہ بچے زید کے ہیں تو ان بچوں کی زید قربانی کر سکتا ہے البتہ عمرو کو اگر اجرت میں بچہ ملا ہو تو یہ عمرو اسکی قربانی نہیں کر سکتا کہ عمرو اس بچہ کا مالک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از بلیا مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

ماقولکم ایها العلماء الکرام فی هذه المسئلة رحمکم الله الملک العلام

کسی کو گائے بکری وغیرہ اس شرط پر دیا کہ اسکی پرورش کر و اس سے جو بچے پیدا ہونگے

ان میں ہم دونوں آدھے آدھے شریک رہیں گے۔ چنانچہ اگر بکری کے دو بچے ہوئے تو دونوں ایک ایک لے لیں یا ایک اور تین بچہ ہونیکی صورت میں ایک کی قیمت دونوں آپس میں تقسیم کرلیں۔ یا دونوں شخصوں میں سے اس ایک بچے کو ایک ہی رکھ لے اور آدھی قیمت دوسرے کو واپس دیدے بچہ پیدا ہونے کے بعد تقسیم کیلئے کوئی مدت بھی پہلے سے مقرر نہ ہو جب دونوں کی رائے متفق ہو جائے اس وقت تقسیم کرلیں تو جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ یہ اجارہ کئی وجوہ سے فاسد ہے۔ اوّل یہ کہ یہاں اجرت مجہول ہے معلوم نہیں کہ ایک بچہ ملیگا یا آدھا ملے گا یا کچھ نہ ملیگا۔ دوم یہ کہ مدت مجہول ہے، تیسرے یہ کہ یہ اجارہ اتلاف عین کے ساتھ ہے۔ اور ایسا اجارہ ناجائز ہے۔ یعنی جس چیز میں اجیر کام کرے گا اسی میں سے ایک جزء اجرت قرار پائے۔ جسکو قفیز طحان کہا جاتا ہے۔ یہ اجارہ فاسد ہے۔ اور اس اجارہ کا حکم یہ ہے کہ وہ بچہ یا کل بچے مستاجر کی ملک ہیں، اسی کو ملینگے اور اجیر کو اجرت مثل دی جائے گی۔ فتاوی علمگیری میں ہے۔ دفع بقرۃ الی رجل علی ان یعلفھا وما یکون من اللبن والسمن بینھما انصافا فالاجارۃ فاسدۃ وعلی صاحب البقرۃ للرجل اجر قیامہ وقیمۃ علفہ ان علفھا من علف ھو ملکہ لاما سرحھا فی المرعی ویرد کل اللبن ان کان قائما وان اتلف فالمثل الی صاحبھا لان اللبن مثلی نیز اسی میں ہے۔ وکذا لو دفع الدجاج علی ان یکون البیض بینھما او بزر الفیلق علی ان یکون الابریسم بینھما لایجوز والحادث کلہ لصاحب الدجاج والبزر کذا فی الوجیز للکردری نیز اسی میں ہے۔ لو استاجر عبدا یشھر بنصف ربح مال البزر او رجلا یرعی غنما بلبنھا او بعض لبنھا او صوفھا لم یجز ویجب اجر المثل کذا فی التاتار خانیہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی موضع میں ایک مدرسہ ہے جس میں صرف طوائف کا پیسہ آتا ہے۔ اور ان طوائف کے پاس جتنی آمدنی ہے وہ

[1] عالمگیری ج ۳ ص ۵۲۴ کتاب الاجارہ ۱۰ مصباحی

سب حرام اور ناجائز طریقے کی ہے۔ اور اسکا مدرس احتیاط چاہتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس مدرس کے چلنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ طوائف کے پاس جو باجہ وغیرہ بجانے والے رہتے ہیں انکی آمدنی حلال ہے یا حرام۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ جبکہ یہ معلوم ہے کہ یہ پیسہ حرام ہے تو اس کا اجرت میں لینا جائز نہیں مدرس کو ایسی ملازمت نہ کرنی چاہیئے جس میں جان بوجھ کر حرام پیسہ لینا پڑتا ہے۔ باجہ بجانے کی اجرت بھی حرام ہے درمختار میں ہے۔ لا تصح الاجارۃ لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ آمدہ از جامع مسجد گکھڑ ضلع گوجرانوالہ پنجاب مرسلہ مولوی مرزا محمد عبد الصبور بیگ منشور ہزاروی:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ آجکل ہر قسم کی منڈیوں میں مندرجہ ذیل ذرائع سے آڑھت کا جو کام کیا جاتا ہے اسکے جائز و ناجائز کے متعلق تسلی بخش تفصیلاً جواب سے سرفراز فرمایا جاوے، ایک صاحب منڈی میں اپنا مال برائے فروخت لاتا ہے اور اسکے فروخت کرنیکی تمام ذمہ داری آڑھتی کے سپرد کرتا ہے۔ آڑھتی اس مال کو خریدار کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے مالک کے مال کو فروخت کرنے کے معاوضہ میں فروخت کنندہ اور خرید کنندہ ہر دو سے وصول شدہ رقم پر ایک آنہ فی روپیہ یا اس سے کم و بیش رقم وصول کر لیتا ہے نیز بکنے والی جنس سے کچھ خریدار کی رضامندی سے سبزی یا جو چیز بھی ہو لے لیتا ہے، جواب کا نہایت بے چینی سے انتظار رہیگا؟

الجواب:۔ فروخت کنندہ کو اپنے اس کام کی اجرت بائع یا مشتری سے لینا جائز ہے اور اشیاء فروختنی میں سے اگر فروخت کرنیکے بعد خریدار نے اپنی رضامندی سے کوئی چیز فروخت کنندہ کو دے دی یہ بھی فروخت کنندہ کے لئے جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الغصب

مسئلہ: مسئولہ فضل حسین صاحب محلہ خواجہ کتب بریلی۔ ۲۰ ربیع الآخر ۴۲ھ

انگریزی سنہ ۱۹ءمیں مولوی فخرالدین مہاجرمدنی نے مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا انکی حقیت زمینداری ضلع بریلی میں واقع ہے، اس پر مولوی حامد حسین سنہ ۱۸۹۰ء سے مختار عام تھے سنہ ۱۹۰۰ء میں مولوی حامد حسین نے مصلحتاً حقیت مذکورہ پر اپنے نام کا داخل خارج کرالیا تھا سنہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۶ء تک حقیت مذکورہ پر خود متصرف رہے آخر سنہ ۱۹۱۶ء میں مولوی حامد حسین کا انتقال ہوگیا سنہ ۱۹۱۱ء میں غفورالدین نے حقیت مذکورہ پر مولوی فخرالدین کے ورثار مسماۃ نصیر النساء و مشکور النساء ہمشیرگان ولطف النساء زوجہ پر دعوی عصوبۃ کیا کہ میں فخرالدین کا عصبہ ہوں سنہ ۱۹۱۸ء میں غفورالدین کو اس دعویٰ میں کامیابی ہوگئی آخر سنہ ۱۹۱۶ء میں جب حامد حسین کا انتقال ہوگیا حقیت مذکورہ کے تحصیل میں کاغذات میں نام حامد حسین کا تھا اس وجہ سے بیجا اور غلط داخل خارج امت الرحیم دختر وحکیم النساء وعباسی بیگم زوجگان حامد حسین کا ناجائز روپیہ میں ۱۰ پر ہوگیا اور سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک کا منافعہ بھی ناجائز حقیت مذکورہ کا دختر و زوجگان حامد حسین روپیہ میں ۱۰ پر پاتی رہیں۔ اب سنہ ۱۹۲۱ء میں ورثار مولوی فخرالدین کی اولاد نے بوجہ انتقال نصیر النساء و مشکور النساء ہمشیرگان ولطف النساء زوجہ فخرالدین کے وارثان نے دعویٰ استقرار حق اس امر کا کیا کہ جائداد مذکورہ مولوی فخرالدین کا متروکہ ہے، حامد حسین کا نہیں ہے امت الرحیم وعباسی بیگم حکیم النساء مدعا علیہا سے حقیت مذکورہ واپس دلائی جاوے۔ چنانچہ دعویٰ بحق وارثان لطف النساء اور بحق وارثان نصیر النساء و مشکور النساء حقیت دلائی گئی، وارثان نصیر النساء و مشکور النساء میں حامد حسین مذکور بھی حصہ دار تھے اس وجہ سے دعویٰ استقراریہ

مذکورہ میں وہ ترکہ حامد حسین کا ان کی دختر امت الرحیم و عباسی بیگم و حکیم النساء زوجگان و محمود حسین برادر کو ملا اب غفور الدین نے دعوٰی عصوبۃ مندرجہ بالا ۱۹۱۱ء کا خرچہ و زر و اصلات چاہا ہے۔

وارثان لطف النساء کہتے ہیں کہ ہم پر نہیں پڑنا چاہیئے وارثان نصیر النساء و مشکور النساء کہتے ہیں کہ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۶ء تک کی آمدنی حقیت متنازعہ مندرجہ بالا کی حامد حسین کے تحت و تصرف میں رہی اور اس سے مستفیض دختر و زوجگان حامد حسین رہے اور بعد وفات حامد حسین کی آمدنی بھی کل حقیت متروکہ فخر الدین کی ناجائز داخل خارج مذکورہ بالا کی وجہ سے تین سال تک امت الرحیم و عباسی بیگم و حکیم النساء لیتی رہیں جسکو اب وہ واپس نہیں کرتے لہذا خرچہ و زر و اصلات حامد حسین کے ترکہ مندرجہ بالا پر پڑنا چاہیئے۔

ورثاء حامد حسین کہتے ہیں کہ سب پر پڑنا چاہیئے یعنی کل متروکہ فخر الدین اور حامد حسین پر پڑنا چاہیئے اس بارہ میں دریافت طلب یہ ہے کہ حکم شرع شریف کا کیا ہے کس پر اور کس ترکہ پر خرچہ و واصلات پڑنا چاہیئے حکم صادر فرمایا جاوے؟

الجواب:۔ اپنے حق کے حاصل کرنے میں جو کچھ صرف ہوگا وہ شرعاً اسی پر ہے، نہ کہ مدعا علیہ پر۔ یہ صرف مدعا علیہ سے کسی عقد کے معاوضہ میں لیا جا سکتا ہے، شرع سے وہ چیز مدعی کو ملے گی جسکا اس نے دعوٰی کیا اگر اپنے دعوٰی کو ثابت کردے۔ یوہیں زر و اصلات بھی مدعی کو نہیں مل سکتے۔ بلکہ اگر مدعا علیہ غاصب ہے تو اس پر واجب ہے کہ جو کچھ آمدنی ہے وہ فقراء پر تصدق کرے اور اگر حقیقۃً غاصب نہیں ہے تو ملک خبیث بھی نہیں نہ تصدق واجب۔ بہر حال مدعی کو زر و اصلات کا شرعاً بالکل استحقاق نہیں کہ وارثان لطف النساء سے لینا جنھوں نے نہ غصب کیا نہ منافع جائداد مغصوبہ سے انھیں سروکار رہا۔ ان سے یا ہمشیرگان حامد حسین سے خرچہ و زر و اصلاحات لینا سراسر ظلم اگر غفور الدین کا حق غصب کیا تھا تو حامد حسین نے کہ انھوں نے اپنے نام داخل خارج کرایا اگر پڑتا تو حامد حسین کی جائداد پر پڑتا نہ کہ دوسروں پر اور شرعاً حامد حسین یا حامد حسین کی جائداد پر بھی نہیں تنویر الابصار میں ہے۔ دان استغلہ

تصدق بالغلة۔ ردالمحتار میں ہے۔ اصلہ ان الغلۃ للغاصب عندنا لان المنافع لاتتقوم الا بالعقد والعاقد ھو الغاصب فھو الذی جعل منافع العبد مالا بعقدہ فکان ھو اولی ببدلہا ویؤمران یتصدق بہا لاستفادتہا ببدل خبیث وھو التصرف فی مال الغیر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ از محلہ خواجہ قطب الدین بریلی مسئولہ خورشید۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک یتیم بچہ کا ترکہ یا حق تلف کرنا یعنی ضائع کرنا چاہتا ہے اور دو فریق بلاوجہ اسکا حق ضائع کرکے اپنا حق ظاہر کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں اور چند آدمی اس امر کی جھوٹی شہادت دینے کو تیار ہیں ایسے شخصوں کے بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور جو شخص اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ یتیم کا حق یتیم کو ملنا چاہئے ان کے بارے میں کیا حکم شرع شریف ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ یتیم کا مال کھاجانا سخت حرام اور آخرت کا وبال ہے اللہ تعالٰی فرماتا ہے الذین یاکلون اموال الیتٰمی ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا و سیصلون سعیرا جو لوگ یتیم کے مال بطور ظلم کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور عنقریب دہکتی آگ میں داخل ہونگے، صحیح مسلم شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں من ادعی مالیس لہ فلیس منا ولیتبوأ مقعدہ من النار۔ جو پرائی چیز کا دعوٰی کرے وہ ہم میں سے نہیں اسے چاہئے کہ جہنم کو اپنا ٹھکانا بنائے۔ جھوٹی گواہی دینا بھی کبیرہ شدیدہ ہے حدیث میں فرمایا۔ عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کی گئی یعنی دونوں کو قرآن شریف میں ایک ساتھ ذکر فرمایا۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ اس میں شرکت دینے والے کوشش کرنے والے سب برشرعاً جرم ہے قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ مسلمانان موضع کمرہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ملاں پیر بخش وکموپوٹے ولد مجھی چندے

[1] ردالمحتار ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الغصب ۱۲ مصباحی

ولد رمضانی ان تینوں شخصوں کے پاس جمعہ میں ۴ روپیہ چندہ مسجد مرمت کرانے کے واسطے جمع کئے تھے۔ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم کل کام شروع کرادیں گے جس کے آج ۱۵ دن کے بعد ان سے پوچھا کہ کام شروع نہ کرانے کا کیا سبب ہے انھوں نے اس پر جواب دیا کہ ہم نہ کام شروع کرائینگے نہ ہم روپیہ دیں ہم نے کھالیا۔

تم سے اگر عدالت میں نالش کر کے لیا جاوے تو لے لینا۔ اب جو شریعت کے موافق ان شخصوں کیلئے جرم ہو وہ تحریر فرمائیں۔

الجواب۔ یہ مسجد کے روپے جو ان لوگوں نے مار لئے اسکی وجہ سے شرعاً سخت مجرم و غاصب ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ جائز کارروائی سے ان سے روپیہ وصول کریں اگر مسجد کے روپے دینے سے انکار کریں تو ان سے میل جول ترک کریں انکا حقہ وغیرہ بند کردیں جب تک اس سے توبہ نہ کریں اور روپیہ نہ واپس دیں انھیں برادری میں شامل نہ کریں۔ واللہ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تین روپیہ ہے اس میں سے ایک روپیہ حلال ہے اور دو حرام۔ یہ معلوم نہیں کہ کون سا روپیہ حلال ہے اسمیں سے اگر ایک روپیہ کوئی سا لے لے یہ کہکر کے ہم نے حلال رقم لی ہے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پرایا مال اگر اپنے مال میں خلط کرلیا کہ امتیاز جاتا رہا۔ اس خلط سے اس کا مالک ہو جائیگا اور اس پر اسکا تاوان لازم ہے اور جب تک ضمان نہ دے ملک خبیث ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کفار و مشرکین سے روپیہ قرض لے کر غصب کرلینا کیسا ہے جبکہ فساد ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو؟[1]

الجواب:۔ جب قرض لیا ہے تو ادا کرنا ضرور ہے یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] ہاں اگر قرض نہ لیا، محض غصب کیا اور فساد کا اندیشہ نہیں، تو لینا جائز ہے۔ کہ کافر حربی کا مال غدر و بدعہدی کے علاوہ جس طرح چاہے لے سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے لأن مالھم مباح فبأی طریق أخذہ المسلم أخذ مالا مباحًا، واللہ تعالیٰ اعلم مصباحی

بابُ الضمان

مسئلہ :- از بنارس کچی باغ مرسلہ جناب مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب ۲۱ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر اہل ہنود اپنی عناد و دشمنی سے مساجد اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں اور منہدم کریں تو اسکا تاوان اُن سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا اگر اہل ہنود مشورہ کرکے مساجد کو جو منہدم کر دیا ہے۔ اپنے روپیہ سے تعمیر کرانا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب توجروا۔

الجواب :- بلاشبہ ان سے عمارت کا تاوان لیا جائے گا۔ اور اس رقم سے تعمیر کرائی جائے یا وہ خود اپنے اہتمام سے تعمیر کرادیں دونوں صورت ممکن ہے۔ بحرالرائق ردالمحتار وغیرہما میں ہے۔ اعلم ان التعمیر انما یکون من غلۃ الوقف اذا لم یکن الخراب بصنع احد ولذا قال فی الولوالجیۃ رجل اجر دار الوقف فجعل المستاجر رواقہا مربطا یربط فیہ الدواب وخربہا یضمن لانہ فعل بغیر الاذن اھ[1] اور صورت مذکورہ میں تاوان نہ لینے کے معنی یہ ہونگے کہ جسکا جی چاہے مسجدوں کو برباد کیا کرے اور اسکو توڑ پھوڑ کرکے برابر کردیا کرے کہ جب مسلمان تاوان بھی نہ لے تو اب مسجدوں کے برباد کرنے میں کیا شئی مانع ہوگی اور یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس صورت میں مسجد کے بنانے والے کفار ہوئے یا انکے روپیہ سے مسجد بنی۔ اس لئے کہ صورت مذکورہ میں مسجد کے بنانے والے نہ کفار ہیں نہ انکے روپے سے بنے گی کہ مسجد تو وہ پہلے ہی سے ہے اور مسجد تو مسلمان ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ اگر کوئی کافر اسے توڑ ڈالے تو اسکی مسجدیت باطل نہیں ہوئی کہ جس جگہ مسجد بن گئی وہ قیام قیامت تک مسجد ہی ہے ان دیواروں اور چھتوں کے گرجانے سے یہ نہیں ہوا کہ وہ مسجد نہ رہی تاکہ مسجد کے بانی کافر قرار پائیں نیز یہ کہ جب انھوں نے نقصان پہونچایا تو شرعاً انکے ذمہ تاوان ہوگا نہ کہ کار خیر، اور مسجد پر وقف کرنا۔ کہ اسمیں نیت ثواب شرط ہو۔ اور کافر اسکے اہل نہیں کہ ضمان دینا تقرب وعبادت نہیں کہ کافر کو بوجہ عدم اہلیت اِس سے مستثنیٰ کیا جائے۔ بہرحال ادلہ شرعیہ وعقلیہ سے یہی ثابت کہ ضرور تاوان لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] ردالمحتار - ج ۳ ص ۴۱۲ کتاب الوقف - مصباحی

بَابُ الرِّدَّة

مسئلہ:- مسئولہ ننھے بریلی محلہ جسولی ۲۲ رصفر ۱۳۴۱ھ

جو شخص علمائے اہلسنت وجماعت کثرہم اللہ تعالٰی کے اقوال کو نہ مانے اور ان کو نیز ان کے اقوال کو لغو ومہمل جانے اس کیلئے شرع شریف کیا حکم فرماتی ہے ؟

الجواب:- عالم نے جو حکم شرع بیان کیا اس کو نہ ماننا شرع کو نہ ماننا ہے۔ اور اس کو لغو ومہمل بتانا حکم شرع کی توہین ہے اور حکم شرع کی توہین کفر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:- از ہوڑہ محلہ کرشتان پاڑہ مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب امام مسجد مورخہ ۱۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے اور کسی قدر علم بھی رکھتا ہے۔ اور اسکی رائے پر دس بیس آدمی چلتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر دوران گفتگو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اب اس کے مخالفین اسی قول کو گرفت کر کے کفارہ مقرر کیا ہے، کہ اس قول سے خدائی دعوٰی کرنا ثابت ہوتا ہے اور زید کہتا ہے کہ میرا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں (چنانچہ برابر محاورے میں کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کا کہنا نہیں مانتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے یا فلاں شخص ایسا ہے کہ جو ارادہ کیا اسکو کر ہی دیا یا فلاں شخص جو ارادہ کرتا ہے کر ہی ڈالتا ہے، تو ان سب محاورات پر بھی کفر یا کفارہ ہونا چاہیئے ؟ اگر ایسا ہے تو روزمرہ ہزاروں آدمی کافر ہوتے ہوں گے) نہ کہ صفت خداوندی میں قادر مطلق ہوں نعوذ باللہ تاہم زید پر مخالفین نے بطور کفارہ چالیس۴۰ فقیر کو کھلانا مقرر کیا۔ اور توبہ بھی کرایا اور اگر نہیں کھلایا تو برادری سے خارج۔ مجبوراً زید نے ایک ایک دو دو چار چار کر کے چالیس عدد فقیر کو کھلایا۔ اور پھر مخالفین کہتے ہیں کہ چونکہ ایک دفعہ چالیس۴۰ فقیر کو نہیں کھلایا ہے اسلئے یہ کفارہ درست وصحیح ادا نہ ہوا

اور برادری سے خارج کرتے ہیں تو دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس کلمہ سے کفر یا خداوندی صفت آتی ہے یا نہیں، بصورت آنے کے یہ کفارہ صحیح ادا ہوا یا نہیں، اور یہ کفارہ برادری کے لوگ بطور پنچایت طے کر سکتے ہیں یا جو علماء فتویٰ دیں اس پر عمل ہو سکتا ہے خلاصہ مع ثبوت ارقام فرمادیں تاکہ یہ مخالفت مٹ جائے ؟

الجواب :۔ محاورہ میں یہ لفظ خود مختاری اور تکبر اور کسی کی بات نہ ماننے وغیرہ معانی میں بولا جاتا ہے۔ بہرحال زید کو محض اس وجہ سے کہ چند شخص اسکا کہنا مانتے ہیں اسکے کہنے پر چلتے ہیں، یہ متکبرانہ لفظ نہ بولنا چاہئے تھا۔ توبہ کرلے، یہ کافی ہے۔ اس پر شرعاً کوئی کفارہ مالی لازم نہیں، جبراً اس سے فقیر کو کھلوانا منع ہے کہ یہ جرمانہ ہے اور مالی جرمانہ ممنوع، بحر الرائق وغیرہ میں ہے التعزیر بالمال منسوخٌ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الفِدیَة

مسئلہ :۔ مرسلہ مولوی عبد العزیز امام مسجد کلس داخلی سیر ضلع ہزارہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کا دوران کرنا ساتھ چند روپیہ کے واسطے حیلہ اسقاط میت کو ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اسقاط کیلئے جو طریقہ پنجاب کے بعض اطراف میں جاری ہے کہ معاذ اللہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میت کے گناہ ہم اپنے سر لیتے ہیں یہ ناجائز و حرام ہے۔ کہ گناہ کو ہلکا جاننے کا پہلو ہے اور لاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ کو فراموش کرنا ہے، اور مصحف شریف کو یہ سمجھکر دینا کہ یہ بیش بہا شئے ہے یہی میت کے تمام روزہ و نماز کا فدیہ ہو جائیگا یہ بھی غلطی ہے، یوں فدیہ ادا نہ ہوگا بلکہ اتنی ہی نمازوں یا روزوں کا فدیہ ہوگا جو اسکا بازار میں ہدیہ ہے اور اس قیمت میں جتنے گیہوں آئیں یہ جتنے صدقہ فطر کی مقدار کو پہونچیں بلکہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ میت کے ذمہ کی تمام نمازیں اور روزے شمار کرلیں اور کچھ روپئے حسب استطاعت فدیہ میں فقیر کو دیں اور یہ حساب کرلیں کہ ان روپوں کے جتنے گیہوں آئینگے وہ اتنی نمازوں کا فدیہ ہیں، پھر وہ فقیر دوسرے فقیر کو اپنی طرف سے اس میت کے نماز روزہ کے فدیہ میں دے پھر وہ اسی پہلے یا کسی اور کو دے اور دور کرتے رہیں یہانتک کہ تمام نماز و روزہ کے فدیے ادا ہو جائیں ۔ واللہ اعلم

کتاب الشُّفعہ

مسئلہ (۱) ازپہان ٹولی ریاست شہر جاورہ ملک مالوہ مرسلہ جناب محمد صدیق صاحب ۲ ربیع الاول سنہ ۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ ہندہ جو غیر مذہب کی ایک عورت ہے اپنا مکان فروخت کرنا چاہتی ہے۔ ہندہ کے مکان سے مشرقی جانب زید کا مکان اور مغربی جانب بکر کا مکان ہے۔ دونوں ہمسائگان میں سے کس کو مکان خرید نے کیلئے حق شفعہ از روئے شریعت پہنچتا ہے۔ نوٹ۔ ہندہ کے مکان کا شرقی چانده یعنی دیوار درمیانی ہندہ ہی کی ملکیت ہے زید کا کوئی حق ملکیت اس میں شامل نہیں ہے۔ برعکس اسکے ہندہ کے مکان کے مغربی جانب کی دیوار بکر کی ملکیت ہے مکان مبیعہ کے عقب میں زمین افتادہ زید کی ہے لیکن مکان مبیعہ کا اس میں نکاس کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مکان مبیعہ کا دروازہ آمدورفت صرف ایک ہی جانب جنوب شارعِ عام پر ہے۔ مکانات زید و بکر کے دروازہ بھی جانب جنوب ہیں؟

مسئلہ (۲) ہندہ نے زید کو ارادہ بیع مکان کی اطلاع مکان بیع کرنے سے کئی ماہ پیشتر دی اور بیع کرنے کیلئے مکان بھی فروخت کرنے سے دو ماہ قبل خالی کردیا اور عزیزان زید کے مکان میں کرایہ سے جاری اور دو ماہ بعد مکان خود بدست بکر فروخت کردیا اور عدالت میں باقاعدہ رجسٹری بھی کرادی اور مکان مبیعہ پر قبضہ بھی دلادیا اور زید نے پڑوس میں رہتے ہوئے گیارہ ماہ تک کوئی اعتراض نہیں کیا اور بعد گذرنے گیارہ ماہ کے حق شفعہ کا دعوی مکان مبیعہ کی بابت کردیا کیا زید کا دعوی چل سکتا ہے؟

الجواب (۱) ہندہ کو اختیار ہے جسکے ہاتھ چاہے مکان کو فروخت کرے اور فروخت کرنے کے بعد شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ اور جبکہ زید و بکر دونوں جار ملاصق ہیں اور شریک و خلیط ان میں کوئی نہیں۔ دونوں شفعہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ تیسرا شخص خریدے اور ان میں سے ایک نے خرید اتو دوسرا شفعہ کر سکتا ہے کہ سبب شفعہ یعنی اتصال ملک ہر ایک میں پایا جاتا ہے درمختار میں ہے۔ وسببھا اتصال ملک الشفیع بالمشتری بشرکۃ او جوار۔ اور زید کی دیوار مکان ہندہ کے ایک جانب ہونا یا زید کی افتادہ زمین مکان ہندہ کے ایک جانب ہونا ان میں سے کسی کو زیادہ حقدار نہیں کرتا کہ اصل وجہ شفعہ جوار ہے اور وہ دونوں میں حاصل ہے ردالمحتار میں ہے۔ والملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب فھما سواء۔ اور یہ حق شفعہ اوسیوقت حاصل ہوگا جب ہندہ اپنا مکان بیع کردے قبل بیع شفعہ نہیں درمختار میں ہے وتجب لہ لا علیہ بعد البیع۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) شفعہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ جس وقت مکان یا زمین مشفوعہ کی بیع ہونا معلوم ہو فوراً بلا تاخیر طلب مواثبت کرے یعنی اپنی زبان سے کہے میں اسکا شفیع ہوں اگر فوراً نہ کہا تو حق شفعہ جاتا رہے گا اور دعویٰ کرنے کا حق نہ رہے گا ہدایہ میں ہے اعلم ان الطلب علی ثلثۃ اوجہ طلب المواثبۃ وھوان یطلبھا کما علم حتی لو بلغ الشفیع البیع ولم یطلب شفعتہ بطلت الشفعۃ لما ذکرنا و لقولہ علیہ السلام الشفعۃ لمن واثبھا۔ لہٰذا اگر زید نے طلب مواثبت نہیں کی اور بیع کی خبر سنکر خاموش رہا تو شفعہ کا حق جاتا رہا اور اب دعویٰ کرکے اس مکان کو نہیں لے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الذبائح

مسئلہ:- مرسلہ عبدالرزاق صاحب رضوی از کوہ شملہ مقام لکڑ بازار سیلون ہال ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس چھری میں پریگ یا لکڑی کا دستہ نہ ہو صرف دستہ میں جوڑ ہو اور لوہا ہو اس چھری سے کوئی حرام گوشت کاٹا جائے آیا وہ چھری صاف کر کے اس سے قربانی یعنی ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ گوشت حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب:- جس چھری سے جانور ذبح کیا جائے خواہ قربانی ہو یا کچھ اور اس میں لکڑی وغیرہ کسی چیز کا دستہ ہونا ضروری نہیں حدیث میں ہے ما انھر الدم وذکر اسم اللہ فکل۔ یوہیں اگر چھری ناپاک ہوگئی ہو تو اسے پاک کر کے ذبح کر سکتے ہیں اور گوشت دونوں صورتوں میں حلال ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس سوال میں کہ ہر ایک شہر میں دستور ہے کہ قصاب لوگوں کے یہاں قاضی شہر کی جانب سے ذباحت کیلئے آدمی مقرر رہے وہ شخص بکری جاموس وغیرہ جانور ذبح کرتا ہے اور آج کل ایسے کام کرنے کو کوئی شخص ملتا نہیں۔ اور نہ آمادہ ہوتا ہے کہ ذبیحہ کا کام کرے اس لئے وہی شخص بیوپاری مسلمان قصاب جاموس بکری وغیرہ کسی مسلمان سے ذبح کرالیوے تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- ذبیحہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ قاضی کا مقرر کیا ہو جب ہی حلال ہو بلکہ جو مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے جانور حلال ہو جائے گا۔ جبکہ اکثر رگیں موضع ذبح کی کٹ جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

مسئلہ[۱] مرسلہ عبدالغنی اسمٰعیل اینڈ سنس کیوتھ مرچنٹ صدر بازار رائے پور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے نہیں کھائی ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ گائے کا گوشت کھایا ہے۔ آیا ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

مسئلہ (۲) مچھلی کس زمانہ میں حلال ہوئی ہے۔ اور کس پیغمبر نے حلال کیا ہے زید کہتا ہے کہ بغیر حلال کرنے کے کھانا حرام ہے۔ ولیکن زندہ کو حلال کرنا۔ مری ہوئی مچھلی مطلقاً حرام ہے حرام ہے حرام ہے۔ دلیل سے ثابت کرو؟

الجواب (۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے کی قربانی کی یہ امر احادیث سے ثابت صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی قالت عائشہ فدخل علینا یوم النحر بلحم بقر فقلت ماھذا فقیل ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ازواجہ مگر کھانا یا نہ کھانا ثابت نہیں لہٰذا زید و عمرو دونوں غلطی پر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب (۲) غالباً سائل کی مراد حلال سے ذبح ہے۔ مچھلی ذبح کرنے کی چیز نہیں ذبح کرنے سے مقصود رگوں سے خون نکالنا ہوتا ہے، اور مچھلی میں خون نہیں۔ لہٰذا مری ہوئی مچھلی حلال ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں احلت لنا میتتان ودمان المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال۔ نیز فرمایا ھو الطھور ماؤہ والحل میتتہ۔ دریا کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (یعنی مچھلی) حلال ہے۔ ہاں جو مچھلی پانی میں مر کر تیر جائے وہ حرام ہے حدیث میں ہے ما القاہ البحر وجزر عنہ الماء فکلوہ ومامات فیہ وطفا فلا تاکلوہ۔ زید کا قول بالکل غلط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(حاشیہ ص ۱۷)

[۱] موضع ذبح کی چار رگیں ہیں (۱) حلقوم جس میں سانس آتی جاتی ہے (۲) مری۔ جس سے کھانا پانی اترتا ہے (۳ و ۴) ودجین۔ جس میں خون کی روانی ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی بھی تین رگ کا کٹ جانا ذبح کی صحت کیلئے پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے وحل المذبوح بقطع ای ثلاث منھا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :- از دھلی محلہ چوری دالان مرسلہ مولوی یار محمد صاحب ۲ محرم ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اہلسنت والجماعت کہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنے رسالہ اغلاط العوام میں لکھتے ہیں کہ ذابح کے معین پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب نہیں ہے اور ہم نے ہدایہ اور درمختار اور فتاوٰی برہنہ اور عالمگیری اور فتاوٰی عبدالحئی وغیرہ میں دیکھا ہے کہ ذابح کے معین پر تسمیہ کہنا واجب ہے حتٰی کہ معین اگر قصداً ترک کردے تو وہ ذبیحہ مطلق حرام ہے تو مہربانی فرماکر اسکا جواب مصرح مع دستخط علمائے اہلسنت عنایت ہو تاکہ ہم لوگ مسئلہ مخصوصہ سے مطلع ہوں جواب حوالہ کتب سے ہو ؟

الجواب :- بیشک معین ذابح پر تسمیہ واجب ہے، مگر معین ذابح سے مراد وہ شخص ہے کہ چھری چلانے میں اسکا مددگار رہو کہ اس صورت میں دونوں نے ملکر ذبح کیا اگر ایک نے بھی عمداً تسمیہ ترک کیا، جانور حرام ہے[1] اور ذبح کے وقت جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر تسمیہ واجب نہیں کہ یہ معین ذابح نہیں کہ فعل ذبح میں اسکو دخل نہیں۔ واللہ اعلم

---

[1] کیونکہ درحقیقت دونوں ہی ذابح ہیں تو دونوں پر تسمیہ ضروری تنویر درمیں ہے۔ تشترط التسمیۃ من الذابح ردالمحتار میں ہے۔ شمل ما اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدھما وترک الثانی عمداً حرم اکلہ (جلد ۵ ص ۲۱۲) معین ذابح کی توضیح یہ ہے کہ ذبح کرنے میں ذابح کا معین و مددگار ہو اس طرح کہ مثلاً ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو اسکی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو۔ کوئی شخص نفس فعل ذبح میں اسکی مدد کرے۔ ذابح کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھکر چھری پھیرے اور دونوں کی قوت سے ذبح واقع ہو۔ ایسی صورت میں اگر کسی ایک نے بھی جان بوجھ کر بسم اللہ نہیں پڑھا تو ذبیحہ مردار ہوجائیگا۔ درمختار میں ہے وضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمّٰی کلہ وجوبا فلو ترکھا احدھما اوظن ان تسمیۃ احدھما یکفی حرم۔ شرح نقایہ میں ہے۔ یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترک احدھما

مسئلہ ۳۷۳:- از ہوڑہ محلہ کرسٹان پاڑہ مرسلہ حکیم ابو محمد عبدالرزاق آروی امام مسجد ۲۷ صفر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بر وقت ذبح ذبیحہ کا سر جدا ہو جائے مثلاً مرغی و کبوتر وغیرہ تو اسکا کھانا درست ہے یا نہیں۔ غالباً ذبیحہ عورت کے ہاتھ کا کھانا جائز ہو گا۔

الجواب:- قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے بلکہ حرام مغز تک چھری کو پہنچا دینا مکروہ ہے مگر وہ جانور حرام نہ ہو گا۔ اس کا کھانا حلال ہے اور بلا قصد گردن کٹ گئی تو حرج نہیں مجمع الانہر میں ہے۔ وکرہ قطع الراس۔ علمگیری میں ہے۔ ویستحب الاکتفاء بقطع الاوداج ولا یباین الراس ولو فعل یکرہ[1] عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے علمگیری میں ہے المرأۃ المسلمۃ والکتابیۃ فی الذبح کالرجل۔ مجمع الانہر میں ہے۔ ولو کان الذابح امراۃ او صبیا او مجنونا یعقلان حل الذبیحۃ بالتسمیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مسئولہ مولوی شفاء الرحمن طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۶ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں حامی سنت و ماحی بدعت علمائے دین و مفتیان شرع متین اس

بقیہ حاشیہ صہ ۔ کا۔ التسمیۃ لایحل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[2] جانور کا بدن اور اسکے ہاتھ پاؤں پکڑنیوالا معین ذابح نہیں۔ ہاتھ پاؤں پکڑنیوالا تو اس رسی کے مثل ہے جس سے جانور کے پاؤں باندھے جائیں۔ نہ اس پر تسمیہ لازم اور نہ ہی اسکا مسلمان یا کتابی ہونا شرط۔ اگر جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنیوالا مشرک و بت پرست ہو جب بھی ذبیحہ میں خلل نہ آئے گا کیونکہ تسمیہ ذابح پر شرط ہے اور نفس فعل ذبح میں شرکت دینوالے پر اور جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنیوالا نہ ذابح ہے نہ معین ذابح لہذا اس پر تسمیہ بھی واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[1] کیونکہ اس میں جانور کو بلا فائدہ تکلیف دینا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ وفی قطع الراس زیادۃ تعذیب الحیوان بلا فائدۃ وھو منھی عنہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفےٰ مصباحی

مسئلہ میں کہ سوکھائی ہوئی مچھلی یا گوشت بودار ہو یا بلا بو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟
بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب ۔

الجواب :۔ خشک گوشت یا مچھلی کا کھانا جائز ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قدید (خشک گوشت) کھانا ثابت صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ۔ ان خیاطا دعا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لطعام صنعہ فذھبت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نقرب خبز شعیر ومرقا فیہ دباء وقدید فرأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتتبع الدباء من حوالی القصعۃ فلم ازل احب الدباء بعد یومئذ ۔ ایک درزی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی ایک کھانے کے لئے جس کو دو سائے تیار کیا تھا میں بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا تھا اس شخص نے جو روٹی اور شوربا جس میں خشک گوشت اور کدو پڑا ہوا تھا حضور کے سامنے پیش کیا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیالہ کے اطراف وجوانب سے کدو کے ٹکڑے تلاش کرکے تناول فرماتے تھے اس روز کے بعد سے مجھ کو کدو پسند آنے لگا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مذہب حنفیہ میں اہلسنت جماعت کے نزدیک جو کہ مندرجہ ذیل تحریر ہے اگر گوشت نظر سے غائب ہوگیا ہو اور کسی کافر کے ہاتھ میں گیا ہو تو اس کا لینا اور کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر مشرک کے پاس گوشت رہا اور نظر مسلم سے غائب ہوگیا تو اب اس کا کھانا حرام ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ماکول اللحم جانوروں کی آنتیں وبٹ وتلی وپھیپھڑا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:- تلّی اور بھیپھڑا حلال ہیں ان میں کراہت نہیں۔ تلّی کی نسبت خود حدیث میں ارشاد ہوا۔ احلت لنا میتتان ودمان المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال۔ ہمارے لئے دو مردہ جانور حلال ہیں یعنی مچھلی اور ٹڈی اور دو قسم کے خون حلال ہیں جگر و طحال۔ آنتیں مکروہ تحریمی ہیں اور علت وہی ہے جو لحم جلالہ کی حرمت میں ہے حدیث میں فرمایا ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الجلالۃ والبانہا۔ غلیظ خوار جانور کے گوشت اور دودھ سے منع فرمایا۔ اور آنتیں خود معدن نجاست ہیں۔ بٹ کی نسبت فقیر کو اسوقت کوئی روایت دستیاب نہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب مدرسہ مظہر العلوم علیمی سکندر پور ضلع بلیا ۲ صفر ۴۵ھ

بنگال میں ایک مچھلی جھینگا سے بالکل مشابہ ہوتی ہے جسے گوڑا کہتے ہیں اور جھینگا سے کچھ بڑی ہوتی ہے بعض آٹھ انگشت بعض ایک بالشت تک مگر اکثر و بیشتر چار چار پانچ پانچ انگشت کی ہوتی ہے اور بہت سے لوگ اسے جھینگا ہی کہتے ہیں۔ انکا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا بالبسط والتفصیل توجروا عند اللہ الملک الجلیل بالاجر الجلیل۔

الجواب:- جھینگا کے مچھلی ہونے میں اختلاف ہے بعض اسے مچھلی قرار دیکر جائز کہتے ہیں مگر بظاہر ان میں مچھلی کی شکل صورت نہیں اسکی بالکل جداگانہ صورت ہے کسی اجنبی کے سامنے پیش کیا جائے تو ہرگز اسے مچھلی نہ کہیگا بلکہ ایک دریائی کیڑا خیال کریگا ایسی حالت میں اس سے اجتناب ہی چاہیئے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- از تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازیخاں مرسلہ غلام سدید الدین صاحب خلف سجادہ نشین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ذبح اعلی الحلق فوق العقدہ واقع ہو تو کیا عند الاحناف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرہان توجروا عند الرحمن

الجواب:۔ اگر چاروں رگوں میں تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا اگرچہ فوق العقدہ ہو کہ حدیث میں مقام ذبح مابین اللبۃ واللحیین فرمایا گیا نیز مبسوط میں یہ فرمایا الذبح مابین اللبۃ واللحیین۔ واللہ اعلم

مسئلہ:۔ جنبی مرد یا عورت اور نابالغ لڑکے کو جانور ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ درست ہے۔ جبکہ ذبح کرنا جانتے ہوں۔ درمختار میں ہے۔ فتحل ذبیحتھما ولو الذابح امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از قصبہ فتح کھلڈا تعلقہ ھکر ضلع بلڈانہ ملک برار سی پی محمد اسلم خاں ولد محمد سرفراز خاں

ہماری طرف کھلوں یعنی کھیتی کی فصل کا اناج تیار کرتے وقت مسلمان ملا صاحب کے ہاتھ سے بت کے سامنے بکرا ذبح کرتے ہیں۔ اور اس کا گوشت مسلمان بھی کھاتے ہیں؟

الجواب:۔ مسلمان کو یہ نہ چاہیئے کہ بت کے سامنے جاکر بکرا ذبح کرے پھر بھی اگر اللہ کے نام سے ذبح کیا بکرا حلال ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از کلکتہ لین نمبر ۱۶ مرسلہ جناب منظور احمد صاحب

فی زمانہ یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ مسلمان کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ یہود کا ذبیحہ جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اگرچہ قرآن پاک سے مطلقاً اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہونا ثابت ہے[1] مگر نصاریٰ نے ذبح کرنا چھوڑ دیا ہے

---

[1] چنانچہ ارشاد ہے۔ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ (پ ۶ سورہ مائدہ) اور طعام سے مراد ذبیحہ ہے، تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ اِنَّ الْمُرَادَ بِالطَّعَامِ الذَّبَائِحُ۔ تو آیت کا معنی یہ ہوا۔ اور کتابیوں کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے۔ لیکن۔ اس زمانہ کے نصاریٰ کے بارے میں تحقیق سے ثابت ہے کہ وہ ذبح نہیں کرتے، گلا گھونٹ دیتے ہیں، یا ذبح میں موضع ذبح کی رگیں نہیں کاٹتے، تکبیر نہیں کہتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حرام ہوگا۔ اس زمانہ کے یہودیوں کا حال معلوم نہیں۔ اگر وہ بطریق شرعی ذبح کرتے ہوں۔ جانور کے موضع ذبح کی رگیں کاٹتے ہوں، تکبیر کہتے ہوں جب تو ان کا ذبیحہ حلال ہوگا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہود اتنک تسمیہ کے ساتھ ذبح کرتے ہیں اس واسطے کتب فقہ میں ہے النصرانی لاذبیحۃ لہ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عید اضحی میں بکرا ذبح کیا۔ لیکن بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا۔ قصاب کا بیان ہے کہ میں نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا ہے ایسی حالت میں صحیح طور پر جانور ذبح ہو گیا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بسم اللہ کہنا بھول گیا تو ذبح ہو گیا۔ جانور حلال ہے حدیث میں ہے المسلم یذبح علی اسم اللہ سمی اولم یسم اور قصداً ترک کیا تو ذبح نہوا۔ اور جانور حرام۔ قال تعالیٰ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ قصاب کا تسمیہ کہنا معتبر نہیں اوسکا کہنا نہ کہنا یکساں ہے جبکہ وہ ذبح نہ کرتا ہو بلکہ جانور کو پکڑے ہو یا کھڑا ہو ذبح کرنے میں ذابح کا تسمیہ کہنا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ جمادی الآخرہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گوشت مسلمان ذبح کرتا ہے مسلمان فروخت کرتا ہے مگر ایک مسلمان کسی کافر گوشت فروش کی دوکان سے گوشت منگواتا ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کافر سے مراد اگر مشرک ہے کہ وہ گوشت فروخت کرتا ہے تو اسکے یہاں کا گوشت خریدنا اور کھانا اسوقت جائز ہے کہ مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اسوقت سے خریدنے کے وقت تک برابر نظر مسلم کے سامنے رہا ہو کیسوقت بھی نظر مسلم سے غائب نہوا ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو خریدنا بھی حرام اس کا کھانا بھی حرام اور دونوں باتیں ہوں تو خریدنا جائز ہے مگر مسلمان کی دوکان ہوتے ہوئے مشرک کی دوکان سے خریدنا اچھا نہیں خصوصاً گوشت جیسی چیز کہ بے احتیاطی سے حلال کا حرام ہو جائے، واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ صـ کا۔) ورنہ ان کا ذبیحہ بھی حرام و مردار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباحی

کتاب الاضحیۃ

مسئلہ: سید شرف الدین صاحب اشرفی جیلانی متعلم مدرسہ اہلسنت ۲ ذوقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ سات لڑکے یا سات لڑکیوں کا عقیقہ ایک گائے یا ایک اونٹ پر ہوسکتا ہے یا نہیں، مع حوالہ کتاب سے مطلع فرمائیے۔ بینوا توجروا

دیگر عقیقہ کا گوشت لڑکے والدین کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ کیا غنی بھی گوشت مذکورہ کھاسکتے ہیں؟

الجواب: عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ۔ اور یہ ثابت کہ گائے اور اونٹ کا ساتواں حصہ قربانی میں ایک بکری کے قائم مقام ہے۔ اور کتب فقہ میں مصرح کہ گائے یا اونٹ کی قربانی میں عقیقہ کی شرکت ہوسکتی ہے۔ طحطاوی علی الدر میں ہے لو ارادوا القربۃ الاضحیۃ او غیرھا من القرب اجزاھم سواء کانت القربۃ واجبۃ او تطوعا وکذالک ان اراد بعضھم العقیقۃ عن ولد ولد لہ من قبلہ کذا ذکرہ محمد فی فوائد الضحایا۔ شلبیہ علی الزیلعی میں بدائع سے ہے۔ وان اراد احدھم العقیقۃ عن ولد ولد من قبل جاز لان ذالک جھۃ التقرب الی اللہ بالشکر علی ما انعم من الولد۔

توجب قربانی میں عقیقہ کی شرکت جائز ہوئی تو معلوم ہوا کہ گائے یا اونٹ کا ایک جزء عقیقہ میں ہوسکتا ہے، اور شرع نے ان کے ساتویں حصہ کو ایک بکری کے قائم مقام رکھا ہے لہذا لڑکے کے عقیقہ میں دو حصے ہونے چاہیئے اور لڑکی کیلئے ایک حصہ یعنی ساتواں حصہ کافی ہے تو ایک گائے میں سات لڑکیاں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔ بعض عوام میں یہ مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت والدین نہ کھائیں، غلط ہے۔ والدین بھی کھاسکتے ہیں اور غنی کو بھی کھلاسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از امرتسر جامع مسجد متصل عیدگاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ

صلوٰۃ مسعودی میں بھی ہے اور علامہ مرحوم مولانا مولوی غلام قادر صاحب بھیروی امام مسجد بیگم شاہی لاہور اپنے سلسلہ قادریہ اسلام کی ساتویں کتاب فصل اضحیہ میں قربانی کا جانور کون کون جائز ہے۔ اور کون کون ناجائز۔ (بجنسہ عبارت لفظ بہ لفظ درج کرتا ہوں) جس کے سینگ اصلی نہ ہوں یا کان نہ ہوں یا دُم نہ ہو تو وہ جائز ہے حالانکہ ہدایہ جلد ۴ باب الاضحیہ میں ہے۔ السکاء وھی التی لا اذن لھا خلقۃ لا تجوز اور اسی طرح جوہرنیرہ صفحہ ۲۵۴ میں ہے اور اسیطرح سے احکام العیدین والا کہتا ہے آیا جس کے خلقی کان یا دُم نہ ہو عندالحنفیہ درست ہے یا نہیں اگر درست نہیں تو سلسلہ قادری جو حنفیہ کا ایک مستند بچوں کیو اسطے سلسلہ تعلیم ہے تو درستی ہونی چاہیئے؟

الجواب:۔ جس جانور کے کان بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں، ہدایہ کی عبارت خود سائل ہی نے نقل کی اور جوہرۂ نیرہ میں بھی یوہیں ہے، انکے علاوہ بدائع و علمگیری و درمختار و تبیین وغیرہا میں مذکور کہ اسکی قربانی جائز نہیں، بلکہ اگر ایک کان ہو اور ایک نہو اسکی بھی قربانی جائز نہیں، علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں۔ اما التی لھا اذن واحدۃ خلقۃ لا تجوز کما فی الھندیہ، یوہیں جس کی دم نہو اسکی بھی قربانی ناجائز۔ اور ایسا جانور جس کے کان نہ ہوں اسکی قربانی کے عدم جواز میں ان کتب مذکورہ میں کسی کا خلاف بھی منقول نہیں کہ ترجیح کی حاجت پڑے، سلسلہ قادریہ میں یہ قول جواز شاید غلطی کاتب ہو یا مولانا مرحوم کی مراد یہ ہو کہ جس کے چھوٹے چھوٹے کان ہوں اور اسکی قربانی جائز ہے۔ درمختار میں ہے فلو لھا اذن صغیر خلقۃ اجزأت زیلعی طحطاوی میں ہے۔ ای اذنان صغیرتان ای تسمی عرفا اذنا کما فی الخانیۃ۔ جوہرۂ نیرہ میں ہے واما اذا کانت لھا اذن صغیرۃ خلقۃ جاز لان العضو موجود وصغرہ غیر مانع علمگیری میں ہے وتجزی السکاء وھی صغیرۃ الاذن فلا تجوز مقطوعۃ احدی الاذنین

بالجملہ عبارت سلسلہ قادریہ ضرور درست کرنی چاہیئے کہ عوام غلطی میں نہ پڑیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی خلیل الرحمن صاحب بنارس محلہ کچی باغ ۴ ربیع الاول ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنا بکرا خصی یعنی بدھیا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی خصی یعنی بدھیا جانور کی جائز نہیں ہے پس از روئے شرع شریف جو حکم اس بارے میں ہو بیان فرمائیے اور اجر اسکا خدائے تعالٰی سے حاصل کیجئے؟

الجواب:۔ خصی کی قربانی غیر خصی سے افضل ہے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ ویصح بالجماء والخصی وعن ابی حنیفۃ ھو اولی لان لحمہ اطیب. غرر الاحکام میں ہے۔ وصح الجماء والخصی۔ شرنبلالیہ میں بدائع سے ہے۔ وافضل الشاۃ ان یکون کبشا املح اقرن موجوءا۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ ویجوز الخصی وعن الامام ان الخصی اولی لان لحمہ الذ واطیب۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ عبدالقادر طالب العلم مدرسہ اہلسنت بریلی گیارہ ربیع الآخر ۴۲ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اگر کسی نے ایسے عمل کرلیا تو اس کیلئے کیا حکم ہے آیا وہ خرچ کردہ شدہ روپیہ یا چمڑا اعادہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:۔ چرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خود اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اسکی جا نماز یا جلد یا چھلنی یا ڈول وغیرہ بنوا کر استعمال کرسکتا ہے یا اسے کسی باقی رہنے والی چیز کے ساتھ بھی بدل سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو او یبدلہ بما ینتفع بہ باقیا کما مر لا بمستھلک کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستھلک او بدراھم تصدق بثمنہ۔ یوہیں اسے ہر نیک کام میں بھی صرف کرسکتا ہے خواہ مسجد کو دے یا کسی اور اچھے کام میں لگائے حدیث میں فرمایا۔ کلوا وادخروا وائتجروا۔

ہاں اگر اپنے لئے شے مستہلک کے بدلے میں بیع کیا ہے تو اب تصدق ثمن کا واجب، اور یہ ثمن مسجد میں نہیں صرف ہو سکتا کہ یہ ملک خبیث ہے اور اسکی سبیل تصدق ہی ہے اور اگر مسجد میں صرف کرنے کیلئے بیچا ہے تو مسجد میں صرف کرے کوئی ممانعت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ معین الدین صاحب محلہ قلعہ بریلی ۲۹ رجمادی الاولی ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ علاوہ بکری کے اور کسی جانور کا عقیقہ میں ذبح کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب سے ثابت ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو کون کون جانور اور عقیقہ کا جانور کیسا ہونا چاہیئے ؟

مسئلہ :۔ گائے بھینس اونٹ کا عقیقہ میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں برتقدیر جواز ایک گائے یا بھینس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں اس صورت میں لڑکا یا لڑکی کے جدا جدا احکام بحوالہ کتب معتبرہ تحریر ہو ؟

الجواب :۔ عقیقہ میں وہی جانور ذبح کئے جا سکتے ہیں جنکی قربانی ہو سکتی ہے اگر گائے بھینس یا اونٹ سے عقیقہ کریں تو انمیں سات حصے تک ہو سکتے ہیں لڑکی میں ایک حصہ کافی ہے اور لڑکے کے لئے دو چاہیئے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ منشی شوکت علی۔ محلہ ذخیرہ بریلی ۲ ررجب ۴۲ھ

کیا حکم ہے شریعت کا کہ قربانی خصّی کی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ خصّی کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے حدیث میں ہے۔ ذبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین موجوئین رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

الخصی افضل من الفحل لانہ اطیب لحما کذا فی المحیط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ عبد العزیز خانصاحب از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ء

ایک گائے میں چار آدمی زندہ اور تین آدمی مردہ ایک ساتھ قربانی کرنا جائز ہے

یا نہیں جیسے ایک شخص نے قربانی کے واسطے گائے خرید کیا اس میں اپنا نام اور اپنے آل عیال کے نام اور اپنے مردہ ماں باپ کے نام ایک ساتھ قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں غرض مردہ اور زندہ ایک ساتھ قربانی کرسکتا ہے کہ نہیں ؟

الجواب :۔ ایک گائے میں زندہ اور مردہ دونوں شریک ہوسکتے ہیں۔ جبکہ مردہ کیطرف سے اسکا وصی وغیرہ کوئی زندہ قربانی کراتا ہو۔ فتاویٰ علمگیری میں ہے۔ اذا اشتری سبعۃ بقرۃ لیضحوا بہا فمات احد السبعۃ وقالت الورثۃ وھم کبار اذبحوھا عنہ وعنکم جاز استحسانا۔ قربانی میں شرکت کے جواز کیلئے یہ ضرور ہے کہ وہ سب حصہ دار کی طرف سے قربت کی نیت سے ذبح ہو کسی کا مقصود محض گوشت نہو اسی میں ہے۔

لایشارک المضحی فیما یحتمل الشرکۃ من لا یرید القربۃ راسا فان شارک لم یجز عن الاضحیۃ۔ رہا یہ کہ اس میں سے کوئی حصہ میت کی طرف سے ہو تو اسکی وجہ سے قربانی ناجائز نہ ہوگی کہ میت کی طرف سے قربت ہوسکتی ہے بدائع الصنائع میں امام ملک العلماء فرماتے ہیں۔ لان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ وقد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین احدھما عن نفسہ والآخر عمن لا یذبح من امتہ وان کان منہم من قدمات قبل ان یذبح۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ از بنگال ۲۱ محرم ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جلد قربانی اور اسکی قیمت زکوٰۃ فطرہ ایسے مدارس میں دیں جہاں کچھ علم دینی اور انگریزی پڑھائی ہوتی ہو اور انگریزی گورنمنٹ کی کچھ ماہواری تائید بھی ہو۔ یعنی اشیاء مذکورہ بالا اس قسم کے مدارس اسکول میں دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب :۔ قربانی کی کھال ہر نیک کام میں صرف کرسکتے ہیں اگر وہ مدرسہ تعلیم علم دین کیلئے ہے اور تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہو مگر غالب علم دین ہے تو ایسے مدرسہ

میں چرم قربانی دے سکتے ہیں، اگر اصل میں انگریزی ہی پڑھائی جاتی ہو اور علم دین برائے نام ہو تو نہ دیں، اور زکاۃ وصدقہ فطر میں فقرائے مسلمین کو مالک کرنا ضرور ہے مدرسہ میں جو طلبہ ایسے ہوں ان طلبہ کو دے سکتے ہیں، تنخواہ ملازمین یا خرید کتب یا ضروریات مدرسہ میں نہیں صرف کرسکتے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مسئولہ فقیر احسان علی عفی عنہ، مظفر پور فیض پوری حال قیام بریلی ۲ محرم الحرام شنبہ ۴۳ھ

۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی کی قیمت مسجد میں مصلیٰ ڈول ولوٹا وغیرہ خرید کرکے رکھا جائے تو جائز ہے یا نہیں و نیز مرمت میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۲ کھال قربانی اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا -

الجواب ۱ چرم قربانی مسجد میں صرف کرسکتا ہے یوں نہیں بیچکر اسکی قیمت سے مسجد کی مرمت کرنا یا لوٹا وغیرہ سامان مسجد خریدنا بھی جائز ہے جبکہ اسکی نیت سے بیچا ہو یا متولی مسجد کو چمڑا دیدیا کہ اس نے بیچکر ان چیزوں میں صرف کیا ہو فتاوی عالمگیری میں ہے واللحم بمنزلۃ الجلد - اور حدیث میں فرمایا - کلوا وادخروا وأتجروا - اور اگر داموں سے بیچا اور مقصود یہ ہے کہ اپنے صرف میں لائیگا تو اب مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں کہ یہ ملک خبیث ہے اور اب فقرا، پر تصدق کرنا ضرور ہے - عالمگیری میں ہے - ولا یبیعہ بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسہ وعیالہ - درمختار میں ہے - فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستہلک اوبدراہم تصدق ثمنہ - واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۲ چرم قربانی بعینہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے کہ اسکا مصلیٰ بنالے یا ڈول چلنی وغیرہ اسکی بنواکر استعمال کرے یا کتابوں کی جلد بنوائے عالمگیری میں ہے - او یعمل منہ نحو غربال وجراب - اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چرم قربانی سے کوئی باقی رہنے والی

چیز خریدے یعنی اسکے بدلے کھال بیچے یہ نہیں کہ روپئے سے بیچ کر پھر روپئے سے یہ چیز خریدے کہ یہ جائز نہیں اور اب تصدق واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ ویتصدق بجلدھا اویعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو ویبدلہ بماینتفع بہ باقیا کمامر لا بمستہلک کخل ولحم ونحوہ کدراھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از ہوڑہ مرسلہ جان محمد رضوی ۷ محرم الحرام ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ۱ کہ گائے وغیرہ کی قربانی میں زندہ ہی آدمی کا نام ہونا چاہیئے۔ زید کہتا ہے کہ کچھ زندہ کچھ مردہ ایک ساتھ کرنے سے جائز نہیں جو جانور کہ مردہ کے نام ہو۔ اسمیں کل مردہ کے نام ہونا چاہیئے۔

مسئلہ ۲: کسی نے جنگل سے ایک بچہ ہرن پکڑ لایا۔ یا شکاری سے خرید کرکے بہ نیت قربانی پرورش کیا تو اسکی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ ۳: بکرا یا دنبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کرنے سے ثواب ملے گا یا نہیں زید کہتا ہے کہ نہیں کیونکہ ہر معصیت سے پاک ومختار کل وافضل الخلائق ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۱: قربانی میں شرکت کیلئے نیت تقرب شرط ہے ان میں کوئی ایسا نہ ہو جس کا مقصود صرف گوشت ہو۔ اور میت کیطرف سے نیت قربت ہوسکتی ہے لہذا شرکت بھی جائز۔ زید کا قول صحیح نہیں درمختار میں ہے۔ وان مات احد السبعۃ المشترکین فی البدنۃ وقال الورثۃ اذبحوا عنہ وعنکم صح عن الکل استحسانا لقصد القربۃ من الکل۔ اسکی شرح میں علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں۔ غیر ان بعضھم ضحی عن بعض قال المصنف والتضحیۃ عن الغیر عرفت قربۃ لانہ علیہ الصلاۃ والسلام ضحی عن امتہ اھ۔ امام ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں۔ وان کان احد الشرکاء ممن یضحی

عن میت جاز۔ نیز فرماتے ہیں۔ ان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انه یجوز ان یتصدق عنه و یحج عنه وقد صح ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ضحی بکبشین احدهما عن نفسه والاخر عمن لا یذبح من امته وان کان منهم من قد مات قبل ان یذبح فدل ان المیت یجوز ان یتقرب عنه فاذا ذبح عنه صار نصیبه للقربة فلا یمنع جواز ذبح الباقین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۲ :۔ ہرن یا نیل گائے وغیرہ وحشی جانور کی قربانی نہیں ہو سکتی بدائع میں فرماتے ہیں۔ ولا یجوز فی الاضاحی شئ من الوحش لان وجوبها عرف بالشرع و الشرع لم یرد بالایجاب الا فی المستانس۔ بلکہ اگر وہ انسان میں رہتے رہتے مانوس ہو گیا وحشت جاتی رہی جب بھی اسکی قربانی جائز نہیں اسی میں ہے۔ وان ضحی بظبیه وحشیة الفت او ببقرة وحشیة الفت لم یجز لانها وحشیة فی الاصل والجوهر فلا یبطل حکم الاصل بعارض نادر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۳ :۔ بیشک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل خلائق اور بیشک معصوم ہیں۔ مگر ایصال ثواب کیلئے اسکی حاجت نہیں کہ جسے ایصال کیا جائے وہ گنہگار ہو حضور کے نام قربانی کی یہ مثال سمجھو۔ جیسے سلاطین کے یہاں نذر دی جاتی ہے کیا کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ بادشاہ تمہاری نذر کا محتاج ہے اسکی وجہ سے اسکے خزانہ میں کیا ایسا اضافہ ہو گیا۔ ہاں اسکی وجہ سے یہ شخص مقرب بارگاہ ہوا اسی طرح حضور کے نام جو کچھ نذر کرے اس سے خود اس کا مرتبہ بھی بڑھتا ہے جیسے درود شریف کہ اللہ عزوجل سے طلب رحمت ہے کیا اگر کوئی درود نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت حضور پر نازل نہو حاشا وکلا ہاں تو رحمت کی بارش لگاتار ہے بلکہ حضور خود رحمت الٰہی ہیں۔ مگر درود شریف سے خود یہ شخص رحمت الٰہی کا مورد بنتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا۔ من صلی علیّ مرة صلی الله علیه عشرا[1] تم ایک بار

[1] مشکوٰۃ ص

درود پڑھو تو دس رحمتیں تم پر اتریں صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ از جود ھپور مارواڑ محلہ موتی چوک مسئولہ عبد الغفار وعبد الرحمٰن خاں تار کش ۹ محرم ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کا ڈول ونا ڑی بنا کر مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چرم قربانی کا ڈول بنا کر خود اپنی صرف میں بھی لا سکتا ہے اور مسجد میں دیدیا تو اور بہتر۔ نا ڑی کے معنی سمجھ میں نہ آئے اگر یہ چیز چمڑے سے بن سکتی ہے تو بنا کر مسجد میں دے سکتے ہیں اور اپنے صرف میں بھی لا سکتے ہیں درمختار میں ہے۔ ویتصدق بجلدھا اویعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو اویبدلہ بما ینتفع بہ باقیا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب العلم مدرسہ منظر اسلام ۶ ربیع الآخر ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں حامی سنت وماحی بدعت علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنے کے عوض میں قیمت جانور کی مصرف کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی اراقت دم بروجہ قربت کا نام ہے عالمگیری میں ہے۔ وھی فی الشرع اسم لحیوان مخصوص بسن مخصوص یذبح بنیۃ القربۃ فی یوم مخصوص عند وجود شرائطھا وسببھا کذا فی التبیین واما رکنھا فذبح ما یجوز ذبحہ فی الاضحیۃ بنیۃ الاضحیۃ فی ایامھا لان رکن الشیئ ما یقوم بہ ذلک الشیئ والاضحیۃ انما تقوم بھذا الفعل فکان رکنا۔ درمختار میں ہے۔ رکنھا ذبح تنجب اراقۃ الدم۔ ردالمحتار میں ہے۔ لان الاضحیۃ انما تقوم بھذا الفعل

عہ غالباً نا ڑی سے مراد رسی ہے۔ بعض مرتبہ چمڑے سے بھی رسی بنائی جاتی ہے۔ اگر چرم قربانی کی رسی بنائی گئی تو اسے اپنے صرف میں بھی لا سکتا ہے اور مسجد میں بھی دے سکتا ہے ۱۲ منہ مد فیضہ

نکان رکنا۔ جب قربانی کا رکن اراقت دم ہوا تو جس پر قربانی واجب ہے وہ اگر بجائے قربانی ان ایام میں ایک جانور تو کیا کئی جانوروں کی قیمت تصدق کرے قربانی ادا نہو گی گنہگار ہو گا جب تک اس واجب کو ادا نکرے بلکہ خود جانور قربانی کو تصدق کرے جب بھی بری الذمہ نہو گا عالمگیری میں ہے۔ لا یقوم غیرھا مقامھا فی الوقت حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا فی الوقت لا یجزئہ عن الاضحیۃ۔ ہاں اگر ایام قربانی گزر گئے اور اس نے قربانی نکی تو اب جانور قربانی یا اسکی قیمت تصدق کرنی ہوگی اسی میں ہے۔ انھا تقضی اذا فاتت عن وقتھا ثم تفضاءھا قد یکون بعین الشاۃ حیۃ وقد یکون بالتصدق بقیمۃ الشاۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ حکیم عبدالحمید بنارسی معرفت حضرت مولانا ابو القمر مطیع الرضا محمد شمس الہدیٰ صاحب لکھنؤ مدرسہ عالیہ ۲ محرم الحرام ۴۴ھ

قربانی کرنے والا شخص اس جانور کی کھال فروخت کرکے اپنے صرف میں یا کسی غیر کو اس غرض سے کہ وہ کتاب وغیرہ خرید کر پڑھے آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ ان مصارف میں لاسکتا ہے یا جو صورت جواز و عدم جواز کی ہو اسکے جواب سے مطلع فرمائیں یہاں چند اشخاص سے دریافت کیا مگر قابل اطمینان جواب نہ ملا اسلئے حضور کی خدمت میں عریضہ حاضر کیا؟

الجواب :۔ چرم قربانی کو اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اوسکا ڈول یا مصلّی یا اور کوئی چیز بنائے یا کتابوں کی جلد بنوائے اور اگر بیچنا چاہے تو ایسی چیز کے بدلے میں بیچے جو باقی رہے مثلاً اوسکے عوض کتاب خریدے اور اگر روپئے یا ایسی چیز کے بدلے میں بیچا جو باقی رہنے والی نہو تو اوس چیز کا تصدق کرنا واجب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کھال کسی اور کو دیدے اب اسے اختیار ہے جو چاہے کرے چاہے اوسیکو تصرف میں لائے یا اوسکی کوئی چیز خریدے اگر قربانی کرنے والے نے اپنے نہیچا ہو بلکہ اسلئے بیچا کہ اوسکی قیمت کسی اور کو دیگا تو اس میں بھی حرج نہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال وجراب ولا باس بان یشتری ماینفع بعینہ مع بقائہ استحسانا و ذلک مثل ماذکرنا ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ

الابعد الاستهلاک نحو اللحم والطعام ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله واللہ تعالیٰ اعلم وجل علا مجدہ اتم واحکم

مسئلہ :۔ مرسلہ حافظ دین محمد صاحب حامدی رضوی مئے ۱۱ صدر بخشی لین شہر لاہور ۱۶ محرم ۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی یا اور کسی قسم کا صدقہ یا اجرت امام مسجد لے سکتا ہے یا نہیں۔ اور اہل محلہ جو کہ چندہ کرکے امام مسجد کو دیتے ہیں اس میں حقیر طبقہ کے لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے مثلاً شرابی سود خوار زانی وغیرہ تو ایسا پیسہ امام کس صورت سے لے سکتا ہے کہ اکثر حضرات ان ہر دو مسئلہ میں الجھ پڑتے ہیں کہ بہار شریعت میں یہ لکھا ہے اور اعلیٰ حضرت کے وصایا شریف میں یہ لکھا ہے لہٰذا ان ہر دو مسئلوں کو بحوالہ کتاب و سنت و معہ مہر و دستخط معہ تصریحاً خلاصہ کرکے جواب باصواب سے آگاہ فرمادیں؟

الجواب :۔ چرم قربانی خود بھی استعمال میں لا سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں اگر امام کو دیا جب بھی حرج نہیں بشرطیکہ یہ دینا اجرت امامت میں نہ ہو بلکہ بغرض اعانت ہو در مختار میں ہے ویتصدق بجلدھا او یعمل منه نحو غربال وجراب۔ یوہیں صدقہ بھی امام کو دے سکتے ہیں ہاں اگر صدقہ واجبہ ہے جیسے صدقہ فطر اور امام غنی ہو تو اسے نہیں دے سکتے اور اجرت امامت میں بھی نہیں دے سکتے امام کو نوکر رکھنا مثلاً ماہانہ اتنا دیا جائیگا یہ جائز ہے مگر یہ اجرت صدقۂ فطر یا زکوۃ یا چرم قربانی سے ادا نہ کیجئے بلکہ مسجد کی آمدنی سے یا چندہ کرکے تنخواہ ادا کریں چندہ جو سود خوار وغیرہ سے لیا گیا اگر معلوم ہے کہ یہ مال بعینہ حرام ہے تو ایسا مال امام کو لینا جائز نہیں اور معلوم نہ ہو تو حرام نہیں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں به ناخذ مالم نعرف شیئاً حراماً بعینه وھو قول ابی حنیفة پھر بھی جسکے پاس زیادہ تر مال حرام ہو اوسکے مال سے بچنا ہی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۵: مرسلہ مولوی حافظ مجید الدین صاحب مقام اونچا محلہ سلیم پورہ بنارس ۲ صفر ۱۳۱۵ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ قربانی میں ہمیشہ سے یہ عمل درآمد رہا ہے کہ ایک بکری ایک شخص کیطرف سے اور ایک گائے سات شخصوں کی طرف سے قربانی ہوا کی۔ اور شرکا میں سے ہر شخص ساتواں حصہ قیمت کا ادا کرتا اور ساتواں حصہ گوشت لیتا مثلاً سات روپیہ کی ایک گائے میں سات شریک ہوئے تو فی کس ایک روپیہ ادا کرتا اور اگر تین شریک ہوتے تو ایک چار حصہ کا اور ایک دو حصہ کا اور ایک ایک حصہ کا ہوا۔ چار حصہ والا چار روپیہ دو حصہ والا دو روپیہ اور ایک حصہ والا ایک روپیہ دیتا اور گوشت اسی پرتہ سے لیتا۔ اب بعض جگہ تین اور چار شریک بحصہ مساوی قیمت میں شریک ہوں اور بحصہ مساوی گوشت لیتے ہیں مثلاً گائے سات روپیہ کی ہے چار شریک ہوئے تو پونے دو دو روپئے دیا۔ اور تین ہوئے تو ہر شخص نے دو روپیہ پانچ آنہ چار پائی دیا۔ اور گوشت حسب پرتہ لیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب ایک گائے برابر سات بکری کے ہے۔ اور ایک شخص ایک بکری یا ایک گائے یا سات شخص ایک گائے کرسکتے ہیں تو جب چار شریک ہوئے تو ہر شخص نے چوتھائی یعنی پونے دو بکری قربانی کیا۔ اور اگر تین شخص شریک ہوئے تو فی کس نے ⅓ حصہ گائے بحصہ مساوی قربانی کیا ایک یا زیادہ بکری تو ضرور ایک شخص کرسکتا ہے یہ پونے اور ڈیوڑھا اور سوائی کی قربانی کیسی لہٰذا بدلائل معتبرہ بالتصریح وتوضیح قول مفتی بہ تحریر فرماکر عنداللہ اسکا ثواب حاصل فرمائیں؟

الجواب: گائے اونٹ میں سات شخص شریک ہوسکتے ہیں یعنی ایک گائے کے سات مساوی حصے ہوسکتے ہیں سات حصے کرنا ضروری نہیں کہ سات سے کم ہوں تو قربانی ہی نہو اگر دو یا تین یا پانچ یا چھ حصے کئے گئے جب بھی جائز ہے یعنی کوئی حصہ ساتویں سے کم نہ ہو اور زیادہ ہو تو حرج نہیں ہدایہ میں ہے۔ وتجوز عن خمسۃ اوستۃ او ثلثۃ ذکرہ محمد فی الاصل لانہ لما جاز عن سبعۃ فعن دونھم اولٰی ولا تجوز عن ثمانیۃ اخذا بالقیاس فیما لانص فیہ وکذا اذا کان نصیب احدھم اقل من السبع لایجوز عن الکل لانعدام

وصف القربة فی البعض ولوکانت البدنة بین اثنین نصفین تجوز فی الاصح لانه لما جاز ثلثة الاسباع جاز نصف السبع تبعا له[1] درمختار میں ہے ولو لاحدھم اقل من السبع لم یجز عن احد وتجزی عما دون سبعة بالاولی۔ ردالمحتار میں ہے۔ اطلقه فشمل ما اذا اتفقت الانصباء قدرا اولا لکن بعد ان لا ینقص عن السبع ولو اشترک سبعة فی خمس بقرات او اکثر صح لان لکل منھم فی بقرۃ سبعھا لاثمانیة فی سبع بقرات او اکثر لان کل بقرۃ علی ثمانیة اسھم فلکل منھم اقل من السبع[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خصی بکری کی قربانی جائز ہے یا نہیں حدیث میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جائز ہے بلکہ بہتر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی جن کے انثیین کوٹے ہوئے تھے امام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و دارمی جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، فرماتے ہیں ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین فلما وجھھما قال انی وجھت الخ[3] ہمارے امام اعظم نے فرمایا افضل ہے لانه اطیب لحما۔ اسکا گوشت اچھا ہوتا ہے اس حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ نے موطاء میں ذکر کر کے فرمایا کہ خصی کی قربانی جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ از سکندر پور ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالعظیم سلمہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

جس پر قربانی واجب ہے وہ اگر اپنے لڑکے یا بی بی وغیرہ کے نام سے کرے تو اس کے

---

[1] ہدایہ ج ۴ ص ۴۴۴ کتاب الاضحیة ‏‏‏‏ [2] درمختار و ردالمحتار ج ۵ ص ۲۲۲ کتاب الاضحیة۔

[3] ابوداؤد ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب الضحایا۔ ابن ماجہ ص ۲۲۵ ابواب الاضاحی

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے دن سینگوں والے، سفید سیاہ رنگ والے خصی کئے ہوئے دو مینڈھوں کو ذبح کیا۔ تو جب ان دونوں کو قبلہ رُخ لٹادیا تو یہ دعا پڑھی۔ انی وجھتُ وجھی للذی فطر السمٰوات والارض علی ملة ابراھیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک له وبذالک أمرت وأنا من المسلمین اللھم منک ولک عن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وامته۔ مصباحی

ذمہ کا واجب ساقط ہو گا یا نہیں ؟ اور یہ قربانی صحیح ہوگی یا اسکی صحت معلق رہے گی اس پر کہ وہ خود اپنے نام سے بھی قربانی کرے یا ایام نحر گذرنے کے بعد قیمت صدقہ کرے ؟

الجواب :۔ جس پر قربانی واجب ہے، اوسکو خود اپنے نام سے قربانی کرنی چاہیئے۔ لڑکے یا زوجہ کیطرف سے کریگا تو واجب ساقط نہ ہوگا۔ اپنے نام سے کرنیکے بعد جتنی قربانیاں کرے۔ مضائقہ نہیں، مگر واجب کو ادا نہ کرنا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ پھر بھی دوسروں کی طرف سے جو قربانی کی، ہو گئی، اور ایام نحر باقی ہوں تو یہ خود قربانی کرے، گزرنے پر قیمت اضحیہ تصدق کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک عزیز سے کہدیا کہ ایک بکرا یا بھیڑ میرے لئے بھی لے لینا، اور قربانی کے بعد یا قربانی کے ایام ختم ہونے پر قیمت ادا کی، تو قربانی کا ثواب ملیگا یا نہیں، اور قرض لیکر قربانی کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :۔ وہ عزیز جو خرید کر لایا ہے زید کا وکیل ہے اوسکو یہ اختیار تھا کہ بغیر قیمت وصول کئے زید کو جانور نہ دیتا مگر جب زید کو اس نے دیدیا تو زید اسکی قربانی کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں قربانی کی قیمت پہلے ہی ادا کر دینا ضرور نہیں، ہاں ملک ضروری ہے اور وہ حاصل، اگر قربانی اوسپر واجب ہے اور اس وقت اس کے پاس روپیہ نہیں تو قرض لیکر یا کوئی چیز فروخت کر کے قربانی کا جانور حاصل کرے اور قربانی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کے فرش وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں اور اپنی مسجد میں ضرورت ہوتے ہوئے کسی دوسری مسجد یا مدرسہ میں کھال کی قیمت یا چندہ دینا کیسا ہے ؟ پہلے حق کس کا ہے ؟

الجواب :۔ قربانی کی کھال مسجد میں بھی دے سکتے ہیں حدیث میں ہے۔ کلوا وادخروا واتجروا۔ البتہ اگر وہ کھال اس لئے بیچی کہ قیمت اپنے تصرف میں لائے تو اب اس قیمت کو مسجد میں صرف نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا تصدق مساکین پر

واجب ہے[1]، اپنی مسجد کا حق زیادہ ہے مگر دوسری مسجد یا مدرسہ میں بھی دینا جائز ہے۔
اور جہاں زیادہ ضرورت ہے وہاں زیادہ مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بقرعید کی نماز کے قبل قربانی کردے تو خلاف حکم شرع شریف نہ ہوگا؟

الجواب:- جہاں عیدین کی نماز جائز ہے، یعنی مصر و فنائے مصر یہاں قربانی کا وقت بعد نماز ہے، جب تک نماز نہ ہوئی ہو قربانی نہ ہوگی، بلکہ گوشت کا جانور ہوگا، اور جہاں نماز

---

[1] چوں کہ اپنی مالداری کے لئے قربانی کی کھال بیچنا ناجائز و گناہ ہے۔ اسکی وجہ سے کھال کی قیمت پر اس کی ملک، ملک خبیث ہوگی جس کو دور کرنا واجب۔ اور یہاں اس کی صورت یہی ہے کہ فقراء و مساکین پر تصدق کر دیا جائے۔ کہ اس صورت میں یہ صدقۂ واجبہ کے قبیل سے ہوگا۔ اور صدقۂ واجبہ میں تملیک فقیر شرط ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ حقیقۃ الصدقۃ تملیک الفقیر۔ اس لئے اس قیمت کو مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ لیکن اس تصدق کا واجب ہونا ایک عارض کی وجہ سے ہے اس کی ذات کی وجہ سے نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ "ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا باستہلاکہ کالخل و الابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول۔ ولو باع الجلد او اللحم بالدراھم تصدق بثمنہ۔ لان القربۃ انتقلت الی بدلہ" اھ۔ حاشیۂ ہدایہ عینی میں ہے "قولہ والمعنی انہ تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جہۃ التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا۔ فیجب التصدق اھ" (ہدایہ و حاشیۂ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۴۵۰)
اور اگر اپنے تصرف میں لانے کی غرض سے نہ بیچے۔ بلکہ صدقہ کرنے کی نیت سے بیچے۔ تو جائز، اور اس کی قیمت پر ملک، ملک طیب۔ لہٰذا اس کا تصدق بھی غیر واجب۔ اور مصرف ہر کار خیر و ثواب۔ خواہ مسجد کی تعمیر و مرمت ہو یا سامان مسجد لوٹا مصلّی وغیرہ یا مدرسین و امام و مؤذن کو بطور امداد و اعانت دی جائے۔ ان سب میں اس کا استعمال جائز و حلال۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق (ج ۴ ص ۸۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباحی

جائز نہیں مثلاً گاؤں وہاں دسویں ذی الحجہ کی طلوع فجر سے قربانی کا وقت ہوجاتا ہے تنویرالابصار میں ہے۔ واول وقتھا بعد الصلوٰۃ ان ذبح فی مصر وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ۔ جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں شھدت الاضحیٰ یوم النحر مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نلم یَعْدُ ان صلی وفرغ من صلاتہ وسلم فاذا ھو یری لحم اضاحی قد ذبحت قبل ان یفرغ من صلاتہ فقال من کان ذبح قبل ان یصلی او نصلی فلیذبح مکانہا اخریٰ[1] میں یوم النحر میں نمازعید میں حضور کے ساتھ حاضر تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی حضور نے قربانیوں کا گوشت ملاحظہ کیا۔ فرمایا جس نے نماز سے قبل قربانی کی ہے وہ اسکی جگہ دوسری قربانی کرے۔ رواہ الشیخان وغیرہما۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: ۔ ازمقام حاجی نگر چنگل ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ جناب محمد بابُ اللہ شاہ پیش امام مسجد۔

اگر کوئی معلّم چرم قربانی کو مدرسہ کے نام سے لیوے حالانکہ اسکی تنخواہ دوسرے طریقہ سے معقول ملتی ہو، مدرسہ کے طلبہ میں کوئی غریب فرماں بردار طالب علم بھی نہیں جس کی بھی ضرورت ہو بلکہ وہ خود ہی بیچکر انکی قیمت اپنے تصرف میں لاتا ہے آیا اس صورت میں اس کو چرم قربانی لینا اور دوسروں کا اسکو دینا جائز ہے یا ناجائز نیز چرم قربانی کے مصارف کیا ہیں؟

الجواب: ۔ مدرسہ کی اعانت کیلئے چرم قربانی دیا جاسکتا ہے۔ اگر خود اس معلّم کو لوگ دیں تو دے سکتے ہیں۔ جبکہ اجرت میں دینا لینا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: ۔ مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب ازالہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ جمادی الآخرہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عید الضحیٰ میں لوگ قربانی کرکے کفار

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فی الاضحیۃ الفصل الثالث ص ۱۲۸ ۔ مصباحی

کو بھی گوشت بانٹتے ہیں اس کے بابت کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ یہاں کے کفار کو قربانی کا گوشت نہ دینا چاہئے۔ کہ یہاں کے کفار حربی ہیں، اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۹ :۔ از شیورامپور ڈاکخانہ بانسڈیہ ضلع بلیا مرسلہ جناب عبدالغنی صاحب ۱۹ ذیقعدہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بکرا قربانی ہوتا ہے بہت سے بھائی ہندو بھائی کے گھر اپنے دوست آشنا کو ہندو بھائی کو تقسیم کرتے ہیں بہت سے لوگ منع کرتے ہیں کہ دوسری قوم میں نہ دینا چاہئے بہت سے لوگ دوسرا بکرا لاکر ہندو بھائی کو تقسیم کرتے ہیں ؟

الجواب:۔ ہندو تو مسلمانوں کو ذبح وقتل کرنے پر تیار ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان دشمنان دین کو اب تک آپ لوگ بھائی اور دوست ہی تصور کئے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ۔ اے ایمان والوں میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں کو نہ قربانی کا گوشت دینا جائز ہے نہ اور دوسرا بکرا ذبح کرکے اس کا گوشت دینا جائز کہ جو جانور خدا کی عبادت کیلئے ذبح کیا گیا اوسکا گوشت خدا کے دشمن کو دیکر خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی، یا ناخوشی۔ اسکو ہر عاقل جان سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۰ :۔ از ضلع بلیا۔ مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب ۶ ربیع الاول سنہ ھ

ما قولکم ایها العلماء الکرام فی هذه المسائل رحمکم اللہ الملک العلام

س ۱ ہندوستان میں عموماً قربانی کے جانور ایام نحر سے پہلے ہی خرید لیتے ہیں اور خریدنے کے بعد اسی معین جانور کی قربانی کی نیت ایام نحر سے پہلے کرلیتے ہیں، بلکہ خریدتے وقت ہی قربانی کی نیت ہوتی ہے اور اسی قربانی ہی کی نیت سے خریدتے ہیں اور قبل از ایام نحر جانور اس وجہ سے خرید لیتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کریں تو خاص ایام نحر میں بسا اوقات جانور میسر نہونگے اکثر افراد ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایام نحر تو کجا ماہ ذی الحجہ سے بھی مہینوں پہلے بہ نیت قربانی

جانور خرید کر پرورش کرتے ہیں یا خانہ زاد جانور ہے اور مہینوں بیشتر قربانی کی نیت کرلیتے ہیں چنانچہ ہر صورت میں پوچھنے پر یہی جواب دیتے ہیں کہ قربانی کیلئے خرید یا رکھا ہے، مالدار وغریب دونوں ہی ایسا کرتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کیا کن صورتوں میں وہ خریدا ہوا یا خانزاد معین جانور جسکی قربانی کی نیت کی گئی ہے نذر ہوگیا، کیا ان صورتوں میں مالداروں پر یا غریبوں پر جو ایام نحر میں مالدار ہوگئے دوسری قربانی بھی بہ سبب غنی واجب ہے اگر نہیں تو ردالمحتار کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے جو۔ ولو ترکت التضحیۃ ومضت ایامہا تصدق بہا حیۃ ناذر لمعینۃ۔ کی تحت میں ہے وہی ہذہ بدائع کی عبارت نقل کر کے اسکے اس حصہ او قال جعلت ہذہ الشاۃ اضحیۃ کے متعلق فرماتے ہیں وقد استفید منہ ان الجعل المذکور نذر۔ بینوا توجروا

س۲ ایام نحر سے پہلے خریدنے کے علاوہ عموماً اپنے متعلقین واجباب کے سامنے لوگ قربانی کا ارادہ ظاہر کرتے اور بہ نیت قربانی جانور کے خریدنے کا تذکرہ اور چرچہ کرتے ہیں کہ اس سال میں بکر قربانی کرونگا۔ یا گائے قربانی کرونگا۔ فلاں تم ذرا میرے ساتھ فلاں دن یا فلاں وقت چلنا قربانی کیلئے جانور خریدنا ہے۔ اور سب کی نیت بھی یہی ہوتی ہے۔ کہ خدا ہی کیلئے قربانی کرونگا۔ اگرچہ اس تذکرہ اور چرچہ میں مالداروں کی نیت اسی قربانی کی ہوتی ہے۔ جو منجانب شرع بہ سبب غنی ان کے ذمہ واجب ہوتی ہے۔ لیکن عبارات بدائع وشامی اس تذکرہ وچرچہ کو بھی نذر ٹھہرا کر ایام نحر میں مالدار ہونے کی تقدیر پر دو قربانیاں واجب کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی عبارت سابقہ کے سلسلے میں اولاً بدائع سے نقل فرمایا۔ ولو قبل ایام النحر لزمہ شاتان بلا خلاف لان الصیغۃ لا تحتمل الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت وکذا لو کان معسرا ثم ایسر فی ایام النحر لزمہ شاتان الخ۔ اب علامہ شامی خود فرماتے ہیں۔ ومقتضی ہذا ان الموسر اذا نذر فی ایام النحر وقصد الاخبار لم یکن ذلک منہ نذرا حقیقۃ وان لزوم الشاۃ علیہ

بایجاب الشرع۔ اما اذا اطلق ولم یقصد الاخبار او کان قبل ایام النحر او کان معسرا فایس فیھا فانہ وان لزمتہ شاۃ اخریٰ بالنذر لکنھا لم تکن واجبۃ قبل الواجبۃ غیرھا فھو نذر حقیقۃ وعلی کل فلم یوجد نذر حقیقی بواجب قبلہ فانفع العال وطاح الاشکال الخ۔[1]

پھر مقام موعود میں بھی دس قربانی نذر کی بحث میں یہی مضمون ادا کیا کما قال اقول وباللہ تعالٰی التوفیق ان کتب المذھب طافحۃ بصحۃ النذر بالاضحیۃ من الغنی والفقیر وقدمنا ان الغنی اذا قصد بالنذر الاخبار عن الواجب علیہ وکان فی ایام النحر لزمہ واحدۃ والا فثنتان قال الزیلعی یلزمہ اخریٰ الا اذا عنی بہ الواجب علیہ فاذا نذر عشر اضحیات لم یحتمل الاخبار عن الواجب اصلا کما قدمناہ عن البدائع من ان الغنی لو نذر قبل ایام النحر ان یضحی شاۃ لزمہ شاتان احداھما بالنذر والاخریٰ بالغنی لعدم احتمال الصیغۃ الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت وکذا لو نذر وھو فقیر ثم استغنیٰ وھنا کذلک لعدم وجوب العشر فتلزمہ اھ ملتقطا۔[2]

اب سوال یہ ہے کہ جب پہلے سے جانور کو بہ نیت قربانی خرید لینا۔ خرید کر پالنا۔ یا خانہ زاد جانور کے حق میں قربانی کی نیت کر لینا بہ سبب تعیین کے اس کو نذر کر دیتا ہے۔ ایام النحر سے پہلے احباب ومتعلقین سے یہ کہنا کہ قربانی کرونگا۔ نذر ہو گیا۔ اور بر تقدیر مالدار پر دوسری قربانی جو بایجاب شرع واجب ہوئی وہ بدستور واجب ہے۔ جب تک دوسری قربانی نہ کرے سبکدوش نہیں ہو سکتا تو آخر جانور کے خریدنے پالنے اور نیت قربانی کے ظاہر کرنے میں اب وہ کون سی صورت اختیار کرے کہ وہ جانور نذر نہ ٹھہرے نہ اسکا یہ قول کہ (قربانی کرونگا) نذر ٹھہرے۔ ورنہ ہندوستان کے تقریباً تمام اطراف میں یہی حالت ہے، جو دونوں سوالوں میں عرض کی گئی، تو اب سوائے ان غریبوں کے جن کو ایام نحر میں بھی قدر احباب پر دسترس نہ ہوئی شاید و باید ہی کوئی شخص فریضہ اضحیہ سے سبکدوش ہوتا ہوگا۔ کیوں کہ عموماً جانور

پہلے ہی خرید کر معین کر دیتے ہیں۔ اور اگر معین نہ کریں یا ایام نحر سے پہلے نہ خریدیں جب بھی سخت مشکل ہے کہ آخر ذبح یا نحر سے پہلے ضرور ہے کہ جانور کو معین کریگا کہ یہ جانور قربانی کرونگا اور اس کے متعلق علامہ شامی بھی فرما چکے کہ قد استفید منہ ان الجعل المذکور نذر، تو چاہے کتنی ہی قربانیاں کرے جب تک خاص اخبار عن الواجب کی نیت نے معین کرسکا سبکدوش نہیں ہو سکتا اور ایام نحر سے پہلے خرید لینے کی صورت میں یا کسی سے ارادہ ہی ظاہر کرنے کی صورت میں تو نذر سے بچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں سمجھ میں آتا چاہے جتنی قربانیوں کی نیت کرے جتنے جانور خرید لے سب نذر ہو جاتے ہیں۔ بینوا وحققوا المقام توجروا بالاجور الجزیلۃ عند الملک العلام

س ۳:۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام و اولیاء عظام سابقین میں سے کسی کی طرف سے یا اپنے خاندان کے کسی مسلمان میت خواہ اور کسی مسلمان میت کی طرف سے اپنے مال سے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو خود اس میں سے کھا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

س ۴:۔ اکثر عوام بلکہ بعض مولوی صاحبوں سے بھی ایسا سنا جاتا ہے کہ چرم قربانی مسجد کی کسی ضرورت کیلئے مسجد میں دینا اور صرف کرنا ناجائز ہے کیا اس عدم جواز کی کوئی اصل بھی ہے بعض ان مولوی صاحبوں سے جو عدم جواز کے قائل ہیں اسکی اصل پوچھی لیکن نہ بتا سکے اور فقیر کے سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ لہذا جو حق ہو تحریر فرمایا جائے؟ بینوا توجروا

س ۵:۔ کیا بھیڑ چھ ماہ کی حسب القدر فربہ ہو کہ ایک سال والوں سے ممتاز ہو سکے قربانی کیلئے جائز نہیں ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ۱۔۲:۔ عبارت بدائع و علامہ شامی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کی نذر درست ہے۔ لہذا اگر کسی نے قربانی کی منت مانی، تو اس منت کی بنا پر اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ پھر اگر یہ منت ایام نحر میں ہے اور وہ شخص فقیر ہے تو فقط یہی نذر والی قربانی واجب ہو گی۔ اور غنی ہے تو اسکے علاوہ ایک دوسری قربانی بھی جو ایجاب شرع

سے واجب تھی واجب ہوگی. یعنی اس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی اور اگر ایام نحر میں صیغہ نذر بولا اور نیت خبر ہے تو نذر نہیں اور نیت نذر ہے یا کچھ نیت نہ ہو تو نذر ہے اور اگر ایام نحر سے پہلے ایسا صیغہ بولا یا وقت تلفظ فقیر تھا پھر مالدار ہو گیا. تو نذر ہی ہے کہ ان صورتوں میں خبر کی نیت کرے بھی تو صحیح نہیں بدائع الصنائع کا یہ قول کہ جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ صیغہ نذر ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اس کو اضحیہ کر دیا اور یہ کہ قربانی کر دیا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب بعد قربانی یہ الفاظ بولے جائیں اور جب قربانی سے پہلے تلفظ کیا تو خبر دینا صحیح نہ ہوا. اور اسکی تصحیح یونہی ہو سکتی ہے کہ اس لفظ سے وجوب کی خبر دیتا ہے، اور خبر بالوجوب دو طرح سے ہو سکتی ہے. یا وہ وجوب ایجاب شرع سے ہوگا. یا خود ایجاب عبد سے مستفاد ہوگا اور ایجاب شرع سے صرف وہ وجوب ہے جو غنی پر ایام نحر میں ہوتا ہے. لہذا اگر یہ لفظ غنی نے ایام نحر میں کہے اور نیت اس واجب سے خبر دینے کی ہے جو جانب شرع سے ہے تو نیت صحیح ہے اور صیغہ نذر نہ رہے گا اور اگر ایام نحر سے قبل کہے یا فقیر نے یہ لفظ کہے تو ایجاب شرع موجود نہیں. لہذا ایجاب عبد مراد ہوگا اور یہ لفظ اگرچہ حقیقۃ خبر ہے مگر خبر کیلئے محکی عنہ ہونا چاہیئے اور یہاں ایجاب عبد بھی نہیں جس سے اخبار صحیح ہو. لہذا اس لفظ کو خود انشاء ایجاب قرار دیا جائے گا اور ایجاب کا افادہ یہی لفظ کرے گا جیسا کہ تمام انشاءات. انت حر. انت طالق. میں یہی صورت بعینہا اختیار کی گئی ہے. اسکے بعد میں نے بدائع کو دیکھا اسکی عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے جو بیان کیا وہ یہ ہے.

ولنا ان ھذہ الصیغۃ فی عرف الشرع جعلت انشاء کصیغۃ الطلاق والعتاق لکنھا تحتمل الاخبار فیصدق فی حکم بینہ وبین ربہ عزشانہ ولو قال ذلک قبل ایام النحر یلزمہ التضحیۃ بشاتین بلاخلاف لان الصیغۃ لا تحتمل الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت والاخبار عن الواجب

ولا واجب یکون کذبا فتعین الانشاء مرادا بھا وکذلك لوقال ذلك وھو معسر ثم ایسر فی ایام النحر فعلیہ ان یضحی بشاتین لانہ لم یکن وقت النذر اضحیۃ واجبۃ علیہ فلا یحتمل الاخبار فیحمل علی الحقیقۃ الشرعیۃ وھو الانشاء فوجب علیہ اضحیۃ بنذرہ واخری بایجاب الشرع ابتداء لوجود شرط الوجوب وھو الغنی[1]

ثم اقول یہ تقریر اس بنا پر ہے کہ تمام الفاظ کیلئے علامہ شامی وصاحب بدائع ایک ہی حکم ہو کہ ایام نحر میں اخبار کی نیت صحیح ہے۔ اور غیر ایام نحر میں نذر کیلئے متعین ہیں یعنی جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ بھی اسی حکم میں داخل ہو مگر اس فقیر کا خیال ہے کہ جعلت ھذہ الخ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور دیگر الفاظ نذر مثلاً للہ علی ان اضحی وغیرہ جو ایجاب شرع سے اخبار کا احتمال رکھتے ہیں، ان کا یہ حکم ہے اور جعلت الخ اخبار عن ایجاب الشرع کا محتمل نہیں کہ اس جعل کو متکلم اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ پھر ایجاب شرع سے یہ کیوں کر اخبار ہوگا۔ اس مختصر تمہید کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ سے جو سوال میں ہیں کہ قربانی کیلئے خریدا ہے یا رکھا ہے یا اسکی قربانی کرونگا۔ یا اس قسم کے دیگر الفاظ سے جو اس موقع پر عام طور سے بولے جاتے ہیں نذر نہیں ہوگی۔ اور ان لوگوں پر دوسری قربانی واجب نہ ہوگی۔ کہ یہ الفاظ جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ کے معنیٰ میں نہیں ان الفاظ سے یہ خبر دیتا ہے کہ ایام نحر میں اسکی قربانی کرونگا اس ارادہ کا اظہار ہے یا خریدنے کی غایت ومقصد کا بیان ہے۔ نہ یہ کہ اپنے ذمہ واجب کرنے سے اخبار یا انشاء ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ کروں گا اور کردیا ان میں یہ فرق ہے کہ پہلا اضحی کا ترجمہ ہے جس میں جعل کا پتہ نہیں اور نذر کے اس صیغہ میں لفظ جعل ہے۔ جس طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے ان کو طلاق دی تو طلاق ہوگئی کہ یہ انشاء طلاق ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ طلاق دونگا تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ یہ ارادہ طلاق سے اخبار ہے نہ کہ انشاء اسی طرح میں نے اس کو اضحیہ کردیا انشاء ہے اور اس سے نذر ہوجائے گی اور قربانی کرونگا

[1] بدائع ج ۵ ص ۶۳ کتاب التضحیۃ - مصباحی

ارادہ کی خبر ہے یہ نذر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳ انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام اور دیگر اموات مسلمین کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی اور فرمایا۔ عمن لم یضح من امتی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی۔ ابوداؤد و ترمذی میں حنش سے روایت ہے کہتے ہیں رایت علیا یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔ بدائع الصنائع میں ہے ان الموت لایمنع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ ویحج عنہ و قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین احدھما عن نفسہ والاخر عمن لایذبح من امتہ وان کان منھم من قد مات قبل ان یذبح فدل ان المیت یجوز ان یتقرب عنہ فاذا ذبح عنہ صار نصیبہ للقربۃ[1]۔ اور اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے دوسرے کو بھی کھلا سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے ویاکل من لحم الاضحیۃ ویطعم الاغنیاء والفقراء ویدخر۔ تبیین الحقائق میں ہے وھذا فی الاضحیۃ الواجبۃ والسنۃ سواء اذا لم تکن واجبۃ بالنذر وان وجبت بالنذر فلیس لصاحبھا ان یاکل منھا شیئا ولا ان یطعم غیرہ من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیا او فقیرا لان سبیلھا التصدق ولیس للمتصدق ان یاکل من صدقۃ ولا ان یطعم الاغنیاء۔ شلبیہ میں ہے قال فی شرح الطحاوی

[1] ترجمہ:۔ میت کی طرف سے حصول تقرب کو موت ختم نہیں کرتی اس پر دلیل یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور میت کی طرف سے حج کرنا جائز ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھے کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی ان اُمتیوں کی طرف سے جو قربانی دینے کی استطاعت نہیں رکھتے، اگرچہ ان میں سے کچھ وہ حضرات بھی تھے جن کا انتقال ذبح سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے تقرب جائز ہے لہذا اگر میت کی طرف سے ذبح کیا جائے تو قربت (وثواب) میں اسکا بھی حصہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲، کتاب التضحیہ ترجمہ) آل مصطفےٰ مصباحی

ولایجوز الاکل من الدماء الامن اربعۃ من الاضحیۃ ودم المتعۃ ودم القران ودم التطوع اذ بلغ محلہ وھو الحرم یعنی لایجوز الاکل من دماء الکفارات والنذور وھدی الاحصار وھدی التطوع اذالم یبلغ محلہ۔ بلکہ خود حدیث بھی بتاتی ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے حدیث یہ ہے۔ اذا ضحیٰ احدکم فلیا کل من اضحیتہ ویطعم غیرہ کہ جب اس نے ہی قربانی کی ہے تو بمقتضائے حدیث تو خود اس سے کھا بھی سکتا ہے، نیز یہ حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو قربانیاں کی تھیں ایک اپنی طرف سے اور ایک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے، اور بدائع میں ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی۔ انہ قال لغلامۃ قنبر حین ضحیٰ بالکبشین یا قنبر خذلی من کل واحد منہما بضعۃ وتصدق بہما بجلودھما وبرؤسہما وباکارعہما[1]۔ معلوم ہوا کہ ان مینڈھوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہما نے خود کھایا لہذا اگرچہ دوسرے کیطرف سے قربانی کرے خود کھا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳ یہ غلط ہے کہ مسجد میں چرم قربانی کو صرف نہیں کیا جا سکتا، کہ چرم قربانی واجب التصدق نہیں کہ مساکین ہی کا حق ہو، بلکہ قربانی کرنیوالا خود بعینہ اس کھال کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے مثلاً مشک یا ڈول بنائے یا کتابوں کی جلد میں لگائے بلکہ عین باقی سے اس کا استبدال بھی کر سکتا ہے جبکہ تمام کتب فقہ میں مصرح ہے البتہ اگر دراہم و دنانیر کے بدلے میں بیچے تو اب ان کا تصدق واجب ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کلوا وادخروا وأتجروا۔ کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور نیک کام کرو مسجد کو دینا بھی نیک کام ہے لہذا جائز ہے۔ اور یہ حدیث اگرچہ گوشت کے بارے میں ہے۔ مگر پوست کا وہی حکم ہے جو گوشت کا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح البتہ قول غیر صحیح میں گوشت میں صرف کھانا یا

[1] بدائع الصنائع ج ۵ ص ۸۱ - معباحی

کھلانا ہے اور عین باقی کے ساتھ استبدال جائز نہیں تو تخصیص جانب لحم سے ہے نہ جانب جلد میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۵ :۔ چھ ماہ کی بھیڑ جو ایک سال والی سے مشابہ ہو اس کی قربانی جائز ہے تبیین الحقائق میں ہے۔ وجاز الثنی من الکل والجذع من الضان لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان رواہ البخاری ومسلم واحمد وجماعۃ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام یجوز الجذع من الضان اضحیۃ رواہ ابن ماجۃ وقالوا ھذا اذا کان الجذع عظیما بحیث لو خلط بالثنیات یشبہ علی الناظر من بعد والجذع من الضان ما تمت لہ ستۃ اشھر عند الفقہاء، شلبیہ میں ہے، وروی اصحابنا فی کتبھم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال نعمت الاضحیۃ الجذع من الضان وروی محمد فی کتاب الآثار اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم فی الجذع من الضان یضحی بہ قال یجزی والثنی افضل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ شیخ عبد الحفیظ صاحب قادری رضوی از جائس محلہ شیخانہ ضلع رائے بریلی ۲۶ ذی الحجہ ۵۶ھ

کیا ارشاد ہے شریعت مطہرہ کا مسئلہ ذیل میں۔

قربانی کی کھال مدرسہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر دی جاسکتی ہے تو کس مدرسہ میں کیا مسجد میں یہ کھال صرف کی جاسکتی ہے؟

الجواب :۔ چرم قربانی کو کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ دینی مدرسہ بھی امور خیر سے ہے اس میں بھی صرف کر سکتے ہیں حدیث میں فرمایا کلوا وادخروا وأتجروا درمختار وغیرہ میں ہے ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال وجراب ویبدلہ بما ینتفع بہ باقیا۔ مسجد میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔ مدرسہ میں اگر مدرس کی تنخواہ نہیں ہے اور مدرس کو

چرم قربانی بطور اعانت دیا جائے تو بلاشبہ جائز ہے۔ اور اگر مدرس کی تنخواہ ہے تو کھال کو تنخواہ میں نہیں دے سکتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مہتمم مدرسہ کو ان کھالوں کا مالک کر دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے تنخواہ مدرسین میں صرف کرے کہ اس صورت میں جس نے قربانی کی اوس نے کسی معاوضہ میں نہیں دیا بلکہ اوس کا دینا بلا معاوضہ ہے اور جسے دی گئی وہ اب ہر طرح صرف کر سکتا ہے۔ متولی یا مہتمم مدرسہ اگر مالدار ہو جب بھی اوس کو دے سکتے ہیں کہ پوست قربانی میں یہ شرط نہیں کہ فقراء ہی کو دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولانا عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ یوم پنجشنبہ ۲ ذی الحجہ ۷۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم محمد آباد گوہنہ کے رہنے والے ہیں۔ ایک گائے مویشی خانہ سے بازار میں نیلام ہونے کو آئی جو کہ ہم نے بولی بول کر خرید لیا تو اب وہ قربانی کے نام جائز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہو سکتی ہے تو کس طریقہ سے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ قربانی کے جانور کا قربانی کرنے والے کی ملک ہونا ضروری۔ دوسرے کے جانور کی قربانی نہیں کر سکتا۔ مویشی خانہ کے نیلام کرنے سے اور بولی بول کر لے لینے سے اگلے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ جانور کسی کے مطالبہ میں نیلام نہیں کیا جاتا اور نیلام کر کے ثمن نہ مالک کو دیا جاتا ہے نہ کسی کا جائز مطالبہ اس سے ادا کیا جاتا، لہٰذا ملک مالک سے خارج نہیں ہوتا ایسے جانور کو ذبح کرنے سے قربانی نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ عثمان غنی ولد عبدالرحمٰن محلہ چھیپیاں بڑی مسجد کے قریب پالی مارواڑ

کسی صاحب نصاب کو اپنے احباب میں سے کوئی شخص بطور تحفہ ایک بکرا دیا۔ کیا یہ بکرا آخذ کیلئے بطور اضحیہ کافی و جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جبکہ دینے والے نے وہ بکرا تحفۃً اس کو دیا اور اس نے قبول کر لیا اور قبضہ بھی کر لیا تو مالک ہو گیا۔ اس کو اپنی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ آمدہ از پالی مارواڑ محلہ چھیپان علاقہ جودھپور مرسلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمٰن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

قربانی کی کھال کا پیسہ اپنے بھائی اور اپنے والدین کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ قربانی کی کھال اگر اپنے لئے بقصد تمول بیچی تو اس قیمت کا صدقہ کرنا مساکین پر واجب ہے اور اس صورت میں اپنے والدین کو دینا جائز نہیں اور بھائی اگر مالک نصاب نہ ہو تو اوسکو دے سکتے ہیں اور قربانی کی کھال ہی کو اگر اپنے بھائی یا والدین کو دیدے تو جائز ہے پھر وہ بیچ کر اپنے صرف میں بھی لا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد خلیل صاحب قادری از جین پور مدرسہ عربیہ انوار العلوم ضلع اعظم گڈھ ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۱۹۶۶ء

(۱) جانور دستیاب نہیں ہو رہا ہے میں بھی جانور کی تلاش میں ہوں مگر ابھی کوئی جانور نہیں ملا خزانچی صاحب کے یہاں ایک گائے ہے مگر گابھن ہے دو مہینہ میں بچہ دے گی۔ محلے میں بکریاں بہت ہیں۔ دریافت کرتے ہے معلوم ہوا کہ قریب قریب سب گابھن ہیں۔ بعض جانور پندرہ بیس روز کے گابھن ہیں۔ بعض زیادہ کے۔ تو عرض یہ ہے کہ اگر با وجود کوشش کے وقت پر سوائے گابھن کے دوسرا جانور نہ ملے تو آیا اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ اور بصورت جواز واجب و نفل دونوں قربانیاں ہو سکتی ہیں یا صرف واجب ؟

(۲) جو لوگ گائیں قربانی کی نیت سے خرید چکے ہیں۔ بطور فرض اگر وہ گائے کی قربانی نہ کر سکے اور اسکے بجائے دوسری قربانی بکری وغیرہ کی کر ڈالی۔ تو آیا اس صورت میں بھی اس پر گائے کا صدقہ کرنا واجب ہے یا اپنے مصرف میں بھی لا سکتے ہیں ؟

الجواب (۱) گابھن جانور کی بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ مگر گابھن ہونا معلوم ہے تو احتراز اولیٰ ہے اور اگر صرف پندرہ بیس روز کا گابھن ہے تو اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

(۲) جس شخص نے گائے خرید لی ہے اور قربانی نہیں کر سکا اگر وہ شخص فقیر یعنی غیر مالک نصاب

نصاب ہے تو اسپر اسی کی قربانی کرنی ضروری ہے۔ یا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور غنی ہے تو دوسرا جانور بھی قربانی کرسکتا ہے اور خریدے ہوئے کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی محمد صدیق صاحب خیرآبادی از مدرسہ عربیہ مالیگاؤں ضلع ناسک ۲۱ ذی الحجہ ۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے موقع پر جب کہ مسلمانوں کے جان ومال کا بے حد خطرہ ہے اور حکومت بھی ہندؤں کی ہے۔ اور لیگی بڑے زور وشور سے اس طرف قربانی گاؤ کے لئے منع کر رہے ہیں جیسا کہ اخباروں سے ظاہر ہے۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی المولیٰ تعالیٰ ایک بار حج ملتوی کردیئے تھے تاکہ مسلمانوں کی جان محفوظ رہے۔ تو اگر امسال اسی خوف سے گائے کی قربانی نہ کی جائے تو بہتر ہے؟

الجواب:۔ فقیر کے پاس یہ سوال اس وقت پیش ہوا جبکہ عید الاضحیٰ کو گذرے ہوئے ڈیڑھ ہفتہ ہوگیا ہے جن کو قربانی کرنی تھیں کرچکے، بہرصورت سوال کا جواب یہ ہے کہ گائے کی قربانیاں جہاں ہوتی چلی آئی ہیں اب بھی ہونی چاہیے جو لوگ قربانی گاؤ کو روکنا چاہتے ہیں اور اوسکے متعلق طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں اونکی بات قابل سماعت نہیں، قربانی گاؤ شعائر اسلام میں سے ہے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ اونٹ اور گاؤ ہم نے تمہارے لئے اللہ کے دین کے شعائر میں سے کیا ان میں تمہارے لئے خیر ہے۔ گائے کی قربانی کو حکومت ہند نے اب تک نہیں بند کیا نہ اسکے متعلق کوئی قانون بنایا مذہب سے ناواقف اور دین سے غدار ہندؤں کی خوشامد میں مسلمانوں کا یہ شرعی ودینی حق جو انھیں صدیوں سے حاصل ہے اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ اگر اس سال نہ کریں تو سال آئندہ اون کیلئے کیا چیز ایسی ہاتھ آجائیگی جس کی بنا پر قربانی کرنے پر وہ تیار ہونگے بلکہ ہنود کے نزدیک وہ اپنے عمل سے ثابت کردیں گے کہ قربانی گاؤ یہ ایک بالکل اختیاری فعل ہے مسلمان چاہیں اوسکو کریں یا نہ کریں اور ہوسکتا ہے اس صورت میں مخالفت کا کوئی

قانون بن جائے جسکی وجہ سے وہ اس سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جائیں، ہندوستان میں عموماً جہاں گائے کی قربانیاں ہوتی ہیں قربانی کرنے میں یقینی طور پر جانی خطرہ نہیں، محض ہنود کے شور کر دینے کا نام خطرۂ جان نہیں رکھا جا سکتا، اگر کسی جگہ پر واقعی اور صحیح طور پر ایسا خطرہ ہو تو وہاں کے لوگوں کو ترک کرنے کی اجازت ہے نہ کہ سبھی جگہ سے اس قربانی کو بند کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج تو کبھی کفار کی وجہ سے ملتوی فرمایا نہیں، ہاں عمرۂ حدیبیہ ضرور ملتوی فرمایا تھا مگر مطلقاً وہ بھی نہیں بلکہ اس موقعہ پر کفار سے مصالحت فرمائی جس میں یہ بات بھی طے پائی کہ سال آئندہ عمرہ فرمائیں گے یہاں قربانی گاؤ کے متعلق ان لوگوں نے ہنود سے کون سی ایسی مصالحت کر لی ہے کہ اس سال گائے کی قربانی نہیں کریں گے اور سال آئندہ یہ قربانی ہوگی جس میں ہنود کی جانب سے روک ٹوک نہیں ہوگی۔ کہاں حدیبیہ کی صلح اور کہاں ان لوگوں کا اپنی جانب سے قربانی کی روکاوٹ۔ بینھما بون بعید[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مرسلہ مولوی محمد صدیق صاحب خیر آبادی از مالیگاؤں مدرسہ عربیہ حنفیہ ۷ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نو ذی الحجہ کو شام کے وقت حکومت ہند کی جانب سے یہ اعلان ہوا کہ مسلمان جہاں جہاں اپنی قربانیاں کرتے تھے۔ وہاں نہ کریں بلکہ سلاکر ہاؤس (مذبح) میں اپنی گائیں لے جا کر قربانی کریں پھر دس ذی الحجہ کو سکھوں کی مسلح فوج آئی اور یہ کہا کہ اگر پندرہ منٹ کے اندر یہاں سے اپنے جانور سلاکر ہاؤس نہ لیگئے تو تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ختم کر دیا جائے گا مجبوراً سب لوگ اپنے اپنے جانور وہاں لیگئے اور تقریباً سات آٹھ سو تک گائیں ذبح ہوگئیں۔ اس کے بعد سکھ لوگ مع اسلحہ سلاکر ہاؤس پہنچے اور جو گائیں ذبح کرنے سے باقی رہ گئیں تھیں لوگوں سے چھین چھین کر رسیاں کاٹ کر بھگا دیں

[1] تفصیل کے لئے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" کا مطالعہ کیا جائے۔ مصباحی

اور جو ہوتا اسے سخت مار مارتے اگر مسلمان کچھ بھی چون وچرا کرتے تو مالیگاؤں کے سب مسلمان ختم کردیئے جاتے اس صورت میں کفش بردار نے فتویٰ دیدیا کہ جن کے پاس گائے رہ گئی ہے وہ روک لیں بجائے گائے کے جن پر قربانی واجب ہے۔ ایک بکری یا بکرا قربانی کریں۔ اور اگر بکرا یا بکری اس کس مپرسی کی حالت میں نہ ملے یہاں تک کہ قربانی کے ایام گذر جائیں تو گائے کو زندہ صدقہ کردیں مسلمانوں نے اسی پر عمل کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضور یہ جو کچھ میں نے کہا شریعت غرہ کے موافق ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے تھی جبکہ جان کے لالے پڑے تھے ؟

(۲) بعد گزرنے ایام نحر کے جتنی قیمت گائے کی تھی اتنے پر فروخت نہ ہو سکی: بیس۲۰ پچیس۲۵ تیس۳۰ کم پر بعض لوگوں نے بیچی تو کیا یہ جتنی کمی ہے اسے اپنی جانب سے صدقہ کرے تاوان دے کیا اس قدر کمی کے ساتھ جو گائے فروخت کی گئی اور جتنی قیمت ملی وہ صدقہ کردی گئی تو ادائے وجوب کیلئے کافی ہوگی یا کیا صورت ہوگی ؟

(۳) زندہ ہی صدقہ کرے یا فروخت بھی کرسکتا ہے ردالمحتار و عالمگیری و ہدایہ میں ہے کہ زندہ صدقہ کردے ہاں عالمگیری میں آنا ضرور پتہ چلا کہ اگر بیچنے میں اتنی کم قیمت پر بکی کہ اندازہ کرنے والے بہت کم بتائیں تو اس صورت میں کمی پوری کرنی ہوگی صحیح کیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب (۱) :- جبکہ حکومت کی جانب سے مسلمانوں پر قربانی گاؤ کے متعلق ایسے سخت احکام جاری ہوئے اور مسلمان حکماً اور جبراً اس ادائے واجب سے روک دیئے گئے اور مسلمانوں کے قتل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو اس صورت میں گائے کی قربانی نہ کرنے میں وہ معذور ہیں تحفظ جان کیلئے جو آنعزیز نے فتویٰ دیا وہ صحیح تھا۔ پھر وہ اگر قربانی کا جانور معین ہے مثلاً یہ شخص فقیر (یعنی غیر مالک نصاب) ہے اور اوس نے قربانی کیلئے جانور خریدا، یا اوس نے کسی معین جانور کے قربانی کرنے کی منت مانی ہے، جب تو اس پر یہ لازم نہیں کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے، بلکہ ایام نحر گذر جانے کے بعد بعینہٖ اس جانور کو صدقہ کردے، اور اگر اس جانور کو ایام نحر گذر جانے کے بعد ذبح کر ڈالا تو گوشت کو صدقہ کر ڈالے اور اس صورت میں اگر گوشت پوست کی قیمت میں زندہ جانور

کی قیمت سے کچھ کمی ہو تو اس کمی کو بھی صدقہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں بجائے زندہ جانور صدقہ کرنے کے اس کی قیمت صدقہ کرے درمختار میں ہے ولو ترکت التضحیۃ و مضت ایامہا تصدق بہا حیۃ ناذر لغنیۃ و لو فقیرا و لو ذبحہا تصدق بلحمہا و لو نقصہا تصدق بقیمۃ النقصان ایضا ولا یاکل الناذر منہا فان اکل تصدق بقیمۃ ما اکل و فقیر شراہا لہا لوجوبہا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعہا۔ ردالمحتار میں ہے قولہ تصدق بہا حیۃ لوقوع الیاس عن التقرب بالاراقۃ وان تصدق بقیمتہا اجزاہ ایضا لان الواجب ھنا التصدق بعینہا وھذا مثلہ فیما ھو المقصود اھ ذخیرہ۔[1] اور اگر وہ شخص غنی یعنی مالک نصاب ہے اور اوس نے بجائے اس گائے کے بکری یا بکرے کی قربانی کی تو اب اوسے ایام نحر گذر جانے کے بعد اس جانور کا نہ تصدق کرنا واجب ہے نہ ایام نحر میں اسکی قربانی ضروری، کہ جو قربانی اس کے ذمہ واجب تھی ادا کر چکا۔ یہی من حیث النظر ظاہر۔ چنانچہ کتب فقہ میں یہ مصرح ہے کہ اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا پھر اس قربانی کرنے والے نے اگر دوسرا جانور خرید لیا ہے اس کے بعد وہ پہلا جانور مل گیا تو فقیر پر دونوں کی قربانی ضروری ہے اور غنی پر صرف ایک کی واجب درمختار میں ہے ولو ضلت او سرقت فشری اخری فظہرت فعلی الغنی احداھما وعلی الفقیر کلاھما۔ پھر اگر غنی نے پہلے جانور کی قربانی کر لی تو اگرچہ اوسکی قیمت دوسرے سے کم ہو وہ بالکل کافی ہو گئی اس قربانی کے سوا اس پر کوئی چیز لازم نہیں اور اگر دوسرے کی قربانی کی ہے اور یہ دوسرا پہلے جانور سے قیمت میں کم ہے تو جتنی کمی ہے اوسکو صدقہ کرے ہاں اگر اس غنی نے پہلے کو بھی قربان کر دیا تو اب کسی چیز کا تصدق اس پر لازم نہیں ردالمحتار میں ہے لو ضحی بالاولی اجزاہ ولا یلزمہ شیئ و لو قیمتہا اقل وان ضحی بالثانیۃ وقیمتہا اقل تصدق بالزائد قال فی البدائع الا اذا ضحی بالاولی ایضا فتسقط الصدقۃ لانہ ادی الاصل فی وقتہ فیسقط الخلف۔[2]

---

[1] درمختار و ردالمحتار ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الاضحیۃ۔ [2] درمختار و ردالمحتار

مصباحی

توجس طرح گم ہوجانے یا چوری ہوجانے کی مجبوری سے غنی پر دونوں کی قربانی واجب نہ ہوئی حالانکہ دوسرا جانور اسکی جگہ پر خرید چکا ہے صرف ایک ہی کی قربانی کافی ہے اسی طرح یہاں جبکہ حکومت کی طرف سے گاؤ کی قربانی ممنوع قرار پاگئی تو اس گائے کے ذبح کرنے میں گم ہونے اور چوری ہوجانے سے بڑھکر مجبوری اور معذوری ہے کہ یہاں جان کا خطرہ ہے لہذا اگر بکریوں کی قربانی گائے کی جگہ پر کرچکے ہیں تو واجب ادا ہوچکا اور اس گائے کا تصدق اغنیاء پر لازم نہیں ہاں اگر بفرض بکری کی قیمت گائے کے ساتویں حصے سے کم ہو تو اس کمی کو صدقہ کردے جیسا کہ سرقہ وغیرہ کی صورت میں صدقہ کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے چند روز قبل سے جانوروں کی قیمتیں خریداروں کی کثرت کی وجہ سے زیادہ ہوجایا کرتی ہیں۔ اور ایام نحر گذرنے کے بعد قیمتیں کم ہوجاتی ہیں پس صورت مسئولہ میں کرنا تو یہ چاہیئے تھا کہ زندہ جانور کو صدقہ کردیتا اگر وہ فقیر ہے یا اس نے اس معین جانور کی قربانی اپنے ذمہ واجب کی ہے مگر اس کو اگر فروخت کرڈالا ہے اور اتنے داموں میں فروخت کیا کہ اس وقت بازار کا یہی نرخ تھا۔ نرخ بازار سے کم میں نہیں فروخت کیا ہے تو انھیں داموں کا صدقہ کردینا کافی ہے۔ اور اگر اس روز جو نرخ تھا اس سے کم پر بیچا ہے تو جتنی کمی ہے اسے بھی صدقہ کردے۔ اگر وہ اتنی کمی ہے جو تحت تقویم مقومین داخل نہیں ہوتی اور اگر وہ شخص غنی ہے۔ اور اس نے بکرے یا بکری کی قربانی کرلی ہے۔ تو اس کا حکم جواب ۱ میں مذکور ہوچکا کہ اس پر نہ جانور کا تصدق کرنا واجب ہے نہ اسکی قیمت کا کہ جو واجب تھا ادا کرچکا، ہدایہ میں ہے ولو لم یضح حتی مضت ایام النحر ان کان اوجب علی نفسہ او کان فقیرا وقد اشتری الاضحیۃ تصدق بہا حیۃ وان کان غنیا تصدق بقیمۃ شاۃ اشتری او لم یشتر لانہا واجبۃ علی الغنی وتجب علی الفقیر بالشراء بنیۃ التضحیۃ عندنا فاذا فات الوقت یجب علیہ التصدق اخراجا لہ عن العہدۃ کالجمعۃ تقضی بعد فواتہا ظہرا والصوم بعد العجز فدیۃ [۱]

[۱] ہدایہ ج ۴ ص ۴۴۶ - ۴۴۷ کتاب الاضحیۃ - مصباحی

عالمگیری میں ہے۔ لواشتری شاۃ للاضحیۃ عن نفسہ اوعن ولدہ فلم یفعل حتی مضت ایام النحر کان علیہ ان یتصدق بتلک الشاۃ حیۃ اوبقیمتہا وقال الحسن رحمہ اللہ تعالٰی لایلزمہ شئی ھکذا فی فتاوی قاضیخاں وان کان اوجب شاۃ بعینہا او اشتری شاۃ لیضحی بہا فلم یفعل حتی مضت ایام النحر تصدق بہا حیۃ ولایجوز الاکل منہا فان باعہا تصدق بثمنہا فان ذبحہا وتصدق بلحمہا جاز فان کانت قیمتہا حیۃ اکثر تصدق بالفضل ولو اکل منہا شیئا غرم قیمتہا فان لم یفعل ذلک حتی جاء ایام النحر من العام القابل فضحی بہا من العام الماضی لم یجز فان باعہا بعد ایام النحر یتصدق بثمنہا فان باعہا بما یتغابن الناس فیہ اجزاہ وان باعہا بما لایتغابن الناس فیہ تصدق بالفضل کذا فی الظہیریۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) اس کا جواب نمبرہائے سابقہ کے جوابوں سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مرسلہ جناب قاضی غلام الثقلین صاحب از مدرسہ معراج العلوم اٹاوہ یوپی

(۱) مخزن علوم سبحانی معدن فیوض یزدانی عالیجناب صدر الشریعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا مولوی حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی قادری قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی یا عقیقہ کا چمڑا مسجد کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں یعنی مسجد کو دینا جائز ہے یا نہیں بہار شریعت حصہ پانزدہم ص ۱۵۱ کی تیسری سطر میں اور ص ۱۵۵ کی پندرہویں سطر میں اس طرح مذکور ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی نیک کام کے لئے دیدے مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ یا کسی فقیر کو دیدے، معترض یعنی مسجد کی دلیل چاہتا ہے۔ اس کا ماخذ درکار ہے تاکہ مخالف کو دکھایا جاسکے فقیر کے لئے جو بہار شریعت میں مذکور ہے وہ ہی کافی ہے؟

(۲) کیا قربانی وعقیقہ کی پوست حصہ داروں کی ملک رہتی ہے یا نفس قربانی کے

ساتھ وہ بھی تصدق میں محسوب ہوجاتی ہے ؟

الجواب ا:۔ قربانی یا عقیقہ کا چمڑا مسجد کو دیا جاسکتا ہے اس کو صدقہ کرنا واجب نہیں بلکہ اس کو خود قربانی کرنے والا اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اسکی جانماز بنالے یامشک ڈول بناکر اپنے استعمال میں لائے، بلکہ ایسی چیز سے بدل بھی سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہو، پس جبکہ وہ واجب التصدق نہیں تو اسکا حکم زکوٰۃ کا سا نہیں، اور جبکہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے تو مسجد میں یا کسی نیک کام میں دے دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا حدیث میں ارشاد فرمایا۔ کلوا وادخروا واتجروا۔ کھاؤ اور جمع رکھو اور اس سے نیک کام کرو، یہ حکم اگرچہ گوشت کے متعلق بیان فرمایا ہے مگر چمڑے کیلئے بدرجہ اولیٰ یہی حکم ثابت ہوگا فتاوی عالمگیری میں ہے۔ ویجوز الانتفاع بجلدها وهدی المتعة والقران والتطوع بان یتخذها فراشا اوخروا اوجرابا اوغربالا ولہ ان یشتری بہا متاع البیت کالجراب والغربال والخف لاالخل والزیت واللحم درمختار میں ہے ویتصدق بجلدها ویعمل نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرة ودلوا ویبدلہ لما ینفع بہ باقیا کما مر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) پوست قربانی وعقیقہ بلکہ گوشت بھی اس شخص کی ملک رہتا ہے۔ جس نے قربانی یا عقیقہ کیا اسی وجہ سے گوشت کو وہ کھاتا ہے اور اسکے چمڑے کو استعمال میں لاسکتا ہے اور ایسی چیز سے بدل بھی سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہو جیسا کہ جواب سوال اول میں ذکر کیا گیا قربانی صرف جانور کو بہ نیت تقرب ذبح کردینے کا نام ہے درمختار میں ہے ھی ای الاضحیۃ شرعاً ذبح حیوان مخصوص بنیۃ القربۃ فی وقت مخصوص۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب العقیقہ

مسئلہ:۔ مسئولہ جناب سیدانی بی صاحبہ صاحبزادی حضرت سید محمد میاں صاحب انوکھا محلہ بریلی
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ شب کے نو بجے پنجشنبہ کا دن گذار کر پیدا ہو جس کی صبح کو جمعہ ہوگا اسکا عقیقہ پنجشنبہ کو ہو یا چہارشنبہ کو ؟

الجواب:۔ عقیقہ پنجشنبہ کے دن ہونا چاہیئے کہ ساتواں دن پنجشنبہ ہوگا۔ شریعت میں آفتاب ڈوبنے پر دن اور تاریخ بدل جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردہ کی جانب سے عقیقہ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ مردہ کا عقیقہ نہیں ہوسکتا کہ عقیقہ دم شکر ہے اور یہ شکرانہ زندہ ہی کیلئے ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الرّہن

مسئلہ: مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۳۲۰ھ

کاشت مرہونہ راہن آباد کرتا ہے۔ پیداوار نصف مرتہن بھی لیتا۔ اور روپیہ بھی پورا لیگا اس غلہ کا کچھ مجرا نہیں دے گا۔ اور مرتہن نصف مالگذاری دیتا ہے۔ بلفرض ہوجانے جواز کے۔ اور اگر مرتہن آباد کرے تو کل پیداوار خود لے۔ اور راہن کچھ نہیں۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اور صورت اخیر میں کل مالگذاری مرتہن دیتا ہے؟

الجواب: رہن میں شے مرہون پر مرتہن کا قبضہ شرط ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے فرھٰن مقبوضۃ جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر قبضہ رہن صحیح نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے وصحح فی المجتبیٰ انہ شرط الجواز۔ طحطاوی میں ہے ای الصحۃ اھ حلبی وکذا صححہ فی المحیط ونص محمد فی کتاب الرھن لایجوز الرھن الامقبوضا فقد اشار الی ان القبض شرط جواز الرھن اور جب مرتہن کا قبضہ اوٹھ جائے گا، رہن باقی نہ رہے گا، طحطاوی میں ہے واستدامۃ القبض واجبۃ عندنا۔ جب یہ امر ثابت ہوچکا کہ رہن بغیر قبضہ کے نہیں اور قبضہ جانے سے رہن باقی نہیں رہتا، تو اگر راہن نے کھیت کو بویا تو مرتہن کے قبضہ سے نکل گیا۔ لہٰذا رہن نہ رہا اور غلہ میں مرتہن کا کوئی حق نہیں کہ یہ غلّہ کس بنا پر اس سے لیتا ہے، غلّہ کی تنصیف کس عقد کی رو سے ہے ظاہر ہے کہ کوئی عقد شرعی نہیں پایا گیا جو اس تنصیف کو لازم کرے، بلکہ یہ قرض کی بنا پر ہے۔ اور حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ لہٰذا یہ ناجائز و باطل نہ یہ نصف مالگذاری دینا اسکو جائز کرے، اور صورت اخیرہ میں کہ مرتہن کاشت کرتا ہے اور مالگذاری دیتا ہے، یہ اجارہ ہوا اس صورت میں بھی رہن باطل ہوگیا کہ اجارہ و رہن دونوں جمع نہیں ہوتے، درمختار میں ہے بخلاف الاجارۃ والبیع والھبۃ ومن المرتھن او من اجنبی اذا باشرھا احدھما

باذن الآخر حیث یخرج من الرھن لا یعود الا بعقد مبتدأ لانھا عقود لازمۃ. طحطاوی میں ہے قال الاتقانی نقلاعن الاسبیجابی ما نصہ وکذالک لو استاجرہ المرتھن صحت الاجارۃ وبطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ ولو ھلک فی یدہ قبل انقضاء مدۃ الاجارۃ وبعد انقضائھا ولم یحبسہ عن الراھن ھلک امانۃ ولا یذھب بھلاکہ شئی من الدین ولو حبسہ عن الراھن بعد انقضاء مدۃ الاجارۃ صار غاصبا۔ وقال الولوالجی رحمۃ اللہ تعالٰی ولو اٰجر الراھن من المرتھن بطل الرھن لان الاجارۃ عقد لازم لا ینعقد علی المرتھن الا بعد انتقاض الرھن۔ بلکہ بنظر واقعہ سرے سے رہن ہوا ہی نہیں کہ یہ سب امور عقد رہن کے وقت طے ہوتے ہیں اور راہن کی تمامیت قبضہ سے ہوتی ہے اور جب قبضہ سے قبل عقد اجارہ منعقد ہوگیا تو رہن ہوا ہی نہیں پھر اگر اجارہ کے ضروریات متحقق ہیں تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں مثلاً ایک یہ کہ اسکی مدّت معین ہو کہ یہ کھیت اتنی مدت کیلئے لیا جسکی اجرت یہ ہے اور اس صورت میں اس مدت کے ختم ہونے پر اجارہ بھی ختم ہو جائیگا، ہدایہ میں ہے ولا یصح حتی تکون المنافع معلومۃ والاجرۃ معلومۃ والمنافع تارۃ تصیر معلومۃ بالمدۃ کاستیجار الدور للسکنٰی والارضین للزراعۃ فیصح العقد علی مدۃ معلومۃ ای مدۃ کانت، ملتقطاً، اور ظاہر ہے کہ مدت پوری ہونے پر مالک کو کھیت نہ ملیگا۔ جب تک زرِ قرض ادا نہ کرے اور یہ غصب ہے، جیسا کہ طحطاوی کی عبارت سے معلوم ہوا لہذا یہ اجارہ بھی درست نہ رہا۔ نیز یہاں اجرت مثل نہیں دیجاتی۔ بلکہ صرف اتنا کہ زمیندار گورنمنٹ کو دیا کرتا ہے جسکو مالگذاری کہتے ہیں تو یہ نفع اسی قرض کی بنا پر ہے اگرچہ مذکور نہو کہ المعروف کالمشروط لہذا ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مسئولہ مولوی رحیم الدین طالب علم مدرسہ اہلسنت ۵ ارجمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دوسرے کے پاس اپنا مکان رہن رکھا۔ کچھ دنوں بعد مرتہن نے راہن کو وہ مکان کرایہ پر دے دیا اب راہن کے ذمہ اس کا کرایہ لازم ہوگا یا نہیں ؟

الجواب:- مرتہن کا راہن کو کرایہ پر دینا باطل محض ہے، اور کرایہ لینا بھی حرام، کہ یہ اجارہ باطل ہے۔ اجارہ دوسرے کی ملک سے بعوض نفع حاصل کرنے کو کہتے ہیں، اور جب مکان ملک راہن ہے تو اس کے اجارہ میں کیونکر ہو سکتا ہے، اور جو کچھ کرایہ میں دیگا اگر جنس دین سے نہیں ہے تو واپس لیگا۔ اور جنس دین سے ہے تو وہ سب دین میں محسوب ہوگا، فتاوی خیریہ میں ہے۔ استیجار الراھن من المرتہن باطلٌ لانہ ملکہ واستیجار المالک ملکہ باطل والباطل لا اجرۃ لہ فیرجع بما دفع ان لم یکن من جنس الدین وان کان من جنسہ تقع المقاصصۃ بہ[1]۔ نیز اسی میں ہے لا تصح ولا تلزم الاجرۃ للراھن فقد صرح فی البزازیۃ والظھیریۃ وغیرھما بان الاجارۃ من الراھن باطلۃٌ وعللوا بانہ مالک فکیف یستاجر ملکہ، وقد افیت مرارا لا تحصی فی الرجل یرتہن محدودا فیؤجرہ الراھن قبل قبضہ منہ بانہ لا یصح الرھن ولا الاجارۃ أما الراھن فلعدم القبض وأما الاجارۃ فلعدم جوازھا للمالک والمسائلۃ کثیرۃ النقل لا تخفی علی من لہ ادنی عقل[2] واللہ اعلم۔ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:- مسئولہ محمد جمیل از محلہ خواجہ قطب بریلی۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید اپنی ملکیت رہن رکھنا چاہتا ہے، اور شرعی الزام سے بچنا چاہتا ہے؟

الجواب:- جتنے روپئے قرض لینا چاہتا ہے بغیر شرط، قرض لے، اور قرض دینے والے کے پاس کوئی چھوٹی چیز چاقو وغیرہ رکھدے، اور یہ کہدے کہ اسکی حفاظت کا میں اتنے ماہوار دونگا اور وہ رقم تم کرایہ دکان یا مکان جس کو رہن رکھنا چاہتا ہے اس سے وصول کرلو، واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مسلمان کی جائداد کسی دیگر مسلمان کے پاس رہن بالقبض کی جاوے۔ اور وہ مرتہن اس جائداد کا کرایہ بذریعہ رجسٹری کرائے نامہ ماہ بماہ لیا کرے تو وہ کرایہ جائز سمجھا جائے گا یا نہیں؟

---

[1] فتاوی خیریہ ص ۱۸۹ کتاب الرہن۔ [2] ایضاً ص ۱۹۳ - معبا اکتی

چونکہ ہندوستان دارالحرب قرار دیدیا گیا ہے اور اہل ہنود سے سخت تکلیفات مسلمانان کو خصوصًا جائداد کے متعلق پہونچی ہیں یہاں تک کہ کل جائداد غصب کرلی جاتی ہے۔ اگر اس حالت میں اگر کوئی مسلمان تھوڑے کرایہ پر مسلمان کی جائداد رہن کرکے کرایہ لیتا رہے تو اس حالت میں وہ جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مرتہن اگر مرہون کو کرایہ پر دے تو اسکی دو صورتیں ہیں خود راہن کو کرایہ پر دیا یا اجنبی کو۔ اگر راہن کو دیا تو اجارہ صحیح نہیں اور اگر دوسرے کو راہن کی اجازت سے کرایہ پر دیا تو رہن جاتا رہا۔ اور بغیر اذن دیا تو جو کرایہ حاصل ہوگا مال خبیث ہے، حکم ہے کہ تصدق کرے عالمگیری میں ہے ولو ارتهن الرجل دابة وقبضها ثم اٰخرها من الراهن لاتصح الاجارة وان اٰجر المرتهن من اجنبي بامر الراهن يخرج من الرهن وتكون الاجرة للراهن وان كانت الاجارة بغير اذن الراهن يكون الاجرة للمرتهن يتصدق به. نیز اسی میں ہے ليس للمرتهن ان يؤاجر الرهن۔ اگر ہندو زیادہ سود لیتا ہے تو مسلمان کو یہ حکم نہیں دیا جاسکتا کہ تھوڑا سود لیکر مسلمانوں کو روپیہ قرض دیا کرے اگر ہمدردی کرنا چاہے تو بغیر سود قرض دے قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے حدیث میں فرمایا كل قرض جر منفعة فهو ربا۔ ہندوستان دارالحرب نہیں، اور دارالحرب بھی ہو تو مسلم کو مسلم سے سود لینا جائز نہ ہوگا بلکہ حرام ہوگا، ہاں مسلم و کافر حربی میں جو عقد بصورت ربا ہو وہ ربا نہیں کتب فقہ میں ارشاد ہوا لاربا بين المسلم والحربي في دار الحرب، اسمیں حربی کی تخصیص ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ جناب مولوی عبدالعظیم صاحب از سکندر پور ضلع بلیا ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ مسئلہ ذیل میں کہ اگر زمین اس صورت میں رہن کی کہ اسکی مالگذاری خود ہی ادا کرے نہ صاحب زمین۔ تو اس صورت میں اس زمین سے نفع حاصل کرسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کیلئے کوئی حیلہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ اگر وہ زمین کاشتکار سے لی ہے۔ اور کاشت کرتا ہے۔ اور مالگذاری زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے کہ یہ حقیقتًا رہن نہیں۔ بلکہ کاشتکار کا اجارہ فسخ ہوگیا۔ اور یہ مرتہن مستاجر ہوا اور اس کے روپئے کاشتکار پر قرض ہیں۔ اور اگر زمیندار یعنی مالک زمین

سے رہن لیتا ہے، تو نفع حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر معاوضہ نہ دے تو سود ہے اور لگان ادا کرے تو اجارہ ہے۔ اور اجارہ و رہن مجتمع نہیں ہو سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از بریلی شریف ڈاکخانہ انبریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب حاجی کفایت حسین صاحب ۷ رشعبان المعظم ۱۳۷۶ھ۔ (۱) رہن کی کیا تعریف ہے؟

مسئلہ (۲) زید کے پاس ایک کھیت ہے جسکا لگان زمیندار کو ۱۰ روپیہ سال ادا کرتا ہے اب بکر نے زید کو ۱۵۰ نقد دیئے اور کہا کہ زمیندار کو لگان ۱۰ سال ہم ادا کرتے رہیں گے ۵ پانچ سال تک بعد پانچ سال کے تم کھیت کے مستحق ہو جاؤ گے، اور تمہیں سال کا نفع ہو جائیگا لہذا ان ۱۵۰ روپے کی کیا تعریف ہے؟

مسئلہ (۳) زید ایک کھیت جس کا لگان ۱۰ سال ادا کرتا ہے اب بکر زید کو بسبب ضرورت کے ۲۰۰ روپیہ نقد دیتا ہے اور یہ شرط کرتا ہے کہ پانچ برس تک لگان زمیندار کا ادا کرتا رہونگا بعد پانچ برس کے میری ۲۰۰ روپئے تم کو ادا کرنے پڑیں گے ورنہ چارہ جوئی کرنا پڑے گی اور کھیت کے تم مستحق بغیر روپیہ دیئے ہوئے نہیں ہو گے، لہذا اس روپیہ کی کیا تعریف ہے۔؟

الجواب:۔ (۱) جس شخص کو کچھ قرض دیا ہو اپنے قرض کی مضبوطی کیلئے اسکی کسی چیز پر اس لئے قبضہ کرنا کہ اگر اس سے دین وصول نہ ہو گا تو بذریعہ اس چیز کے وصول کیا جائے گا اس کو رہن کہتے ہیں[۱] اور اگر رہن صحیح ہو تو مرتہن اس چیز سے نفع حاصل نہیں کر سکتا[۲] کہ یہ سود و حرام ہے[۳]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۱] تنویر الابصار و درمختار میں ہے۔ ھو حبس شئی مالی بحق یمکن استیفاؤہ منہ کالدین حقیقۃ أو حکما ۱ھ ص ۳۲۰،

[۲] درمختار میں ہے۔ لا الانتفاع بہ مطلقا لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس ولا اجارۃ ولا اعارۃ سواء کان من مرتھن أو راھن۔ رہن سے کسی طرح کا انتفاع نہ مرتہن کے لئے جائز ہے اور نہ ہی راہن کے لئے لہذا تو رہن سے خدمت لے سکتا ہے، نہ رہن میں سکونت اختیار کر سکتا ہے، نہ پہن سکتا ہے، نہ ہی اجارہ یا عاریت میں رہن کو لیا دیا جا سکتا ہے۔"

[۳] حدیث میں ہے۔ کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مصباحی

ج (۲) یہ صورت ناجائز نہیں ہے کہ پانچ سال کا پٹہ ہے اور پانچ سال میں ختم ہو جائے گا اور کھیت والے کو مل جائے گا اور یہ رہن نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) شرعاً کھیت کا مالک زمیندار ہے کاشتکار نہیں اور یہ زمین چونکہ کاشتکار نے رکھا ہے، اور زمیندار کی اجازت سے نہیں ہے لہذا یہ رہن نہیں ہے، بکر کا روپیہ کاشتکار اول پر ہے اور بکر اسکی جگہ کاشتکار ہے زمیندار کو لگان ادا کرتا ہے اور کھیت پر تصرف کرتا ہے یہ ناجائز نہیں واللہ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲ جمادی الآخرہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان ایک مہاجن کے یہاں آٹھ سو روپیہ میں گروی رکھا، اسکا سود بڑھ کر ایک ہزار ہو گیا بکر کہتا ہے کہ سود تمہارے اوپر بڑھتا جاتا ہے لہذا میں ایک ہزار دیکر مکان کو چھڑا لوں تاکہ تمہاری جائداد بچ جائے مگر اسکا کرایہ مجھکو معاف کر دو یعنی جو کرایہ آتا ہے میں لیا کروں جب تم میرا روپیہ ادا کر دو گے تمہارا مکان واپس کر دونگا تو ایسی صورت میں اگر زید کرایہ معاف کر دے تو سود تو نہ ہو گا یا اگر کوئی صورت جس میں کہ بکر اس مکان سے فائدہ اٹھا سکے اور سود نہ ہو مطابق شرع ہو سکتی ہے؟

الجواب :- رہن رکھکر اس کا کرایہ وصول کرنا یا اس سے اور قسم کے منافع حاصل کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- عبد الکریم از ہوڑہ پچن گلاب صدر بخشی لین، محمد اسلام میاں کی باڑی ۲۳ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ کاشتکاروں سے رہن لینا کیسا ہے یعنی ایسا کاشتکار جو زمیندار کو لگان دیتا ہو اور اسکو اس زمین کا ملک تام حاصل ہو حتی کہ فروخت بھی کر سکتا ہو زمیندار اس سے کبھی زمین واپس نہیں لے سکتا؟

الجواب :- کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہے مالک زمیندار ہے اور کاشتکار اجیر ہے اور کاشتکاری کو شرعاً بیع نہیں کر سکتے کہ یہ مال نہیں ہے مگر اس زمین کو رہن لینا جائز ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ مرسلہ مولانا مولوی محمد حبیب الرحمٰن صاحب صدر مدرس
زمیندار خود اسکو رہن رکھے اگرچہ وہ رہن باطل ہے مگر اس سے نفع حاصل کرنا زمیندار کو جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگرچہ سوال میں تصریح نہیں ہے کہ زمیندار راہن ہے یا مرتہن، مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتہن ہے اور چونکہ زمیندار خود مالک زمین ہے لہٰذا یہ رہن صحیح نہیں ہے، اتنا ہوا کہ زمیندار کو زمین پر قبضہ کی قانونی ممانعت تھی اس رہن کے ذریعے سے قابض ہو سکے گا اور شرعاً چونکہ زمیندار مالک تھا اور بلا اذن شرعی کاشتکار اوس پر قابض تھا یہ قبضہ زمیندار کو رہن کے ذریعے سے حاصل ہوا اس میں نام اگرچہ رہن کا ہے مگر شرعاً اوسکی ملک اوسکے قبضہ میں آگئی یہ قبضہ مالکانہ قبضہ قرار پائیگا اور اسی زمین سے وہ ہر طرح کے منافع حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ خود بھی کاشت کر سکتا ہے اجارہ پر بھی دے سکتا ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از مکوپور بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک دکان قیمتی الرسار سی عمرو کے پاس بعوض بمبلغ ۵ روپیہ کے دخلی رہن کی یہ شرط قرار پائی کہ زید اس دکان کو اگر دو سال کے اندر رواگذاشت کرالیگا تو کرا سکتا ہے ورنہ وہ بعد انقضائے میعاد بمنزلہ بیع متصور ہوگی اور عمر بعد گذرنے کے روپیہ زر رہن کے رسا عہ اور دیدیگا۔ مگر زید بعد انقضائے میعاد تک اسے رہن نہیں کرایا، لہٰذا حسب شرط عمرو پر بقیہ زر قیمت واجب ہوتا ہے یا نہیں دو امور دریافت طلب ہیں (۱) دخلی رہن جبکہ مرتہن اسکے کرایہ سے مفاد حاصل کرنے جائز ہے یا نہیں یا وہ زر کرایہ سود متصور ہوگا (۲) متذکرہ بالا صورت میں بیع نافذ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب (۱) دخلی رہن ناجائز وحرام ہے اور مرتہن جو کرایہ لیگا وہ سود ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اولاً تو وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور دو برس گذرنے پر اس رہن کو بیع بلکہ بمنزلہ بیع متصور ہونے کو کہتا ہے۔ جو کسی طرح عقد بیع نہیں ہو سکتا اور بیع ہونا لکھنا جب بھی صحیح نہیں ہوتی کہ بیع کی

تعلیق ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ۱ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

کسی ہندو یا عیسائی کا مکان رہن رکھکر مرتہن کو اس سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جائز ہے جبکہ انہیں تک محدود رکھے اگر خدانخواستہ اسکی عادت پڑ جائے کہ مسلمانوں سے بھی اسی طرح کے معاملے کرنے لگے تو ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی عبدالغفار صاحب مدرس مدرسہ عربیہ علیمیہ اندرون خانقاہ شریف موضع سکاہی ڈاک خانہ سنگانہ ضلع مظفر پور

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں (الف) زید ایک خطہ زمین کا مالک ہے جسکی سرکاری مالگذاری براہ راست دفتر گورنمنٹ میں جمع کرتا ہے۔ (ب) اور عمرو نے ایک خطہ زمین کو مالک زمین سے دو چار سو روپیے نقدی دیکر اور شرح مالگذاری پانچ یا سات روپیے سالانہ مقرر کراکر رجسٹری کرایا۔ جس کو عرف عام میں کاشت کہتے ہیں۔ جس زمین کو عمرو ہر طرح کام میں لاسکتا ہے۔ اب مالک زمین کا تعلق اس زمین سے صرف شرح معینہ سالانہ سے رہتا ہے۔ زمین پر کسی طرح قابض نہیں ہو سکتا ہے۔ اب عمرو کو اختیار ہوتا ہے کہ اس کو بیع کردے یا اپنے پاس رکھے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں قسم کی زمین کو بکر بطور رہن کے دو چار سو روپیے دیکر اس شرط پر رجسٹری کراتا ہے کہ اس زمین کی جو شرح مالگذاری ہے اسکو میں ہی دونگا۔ اور جس وقت تم میرا روپیہ دیدو گے میں زمین چھوڑ دونگا۔ تو اس قسم کی رہن زمین لینی جائز ہے یا نہیں۔ سلیم کہتا ہے اس قسم کی زمین لینی جائز نہیں ہے اگرچہ بکر شرح مالگذاری دینے پر راضی ہے مگر پھر بھی سود ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ کاشتکار جس کے قبضہ میں زمین ہے۔ وہ نہ زمین کا مالک ہے نہ اس زمین کو بیچ سکتا ہے۔ وہ حقیقتاً مستاجر اور کرایہ دار کی حیثیت رکھتا ہے کہ زمیندار کو اجرت یعنی لگان ادا کرے اور اس میں کاشت کرکے منفعت حاصل کرے۔ یہ حیثیت جو قانون انگریزی

میں اسکو دی گئی ہے کہ زمیندار اس زمین کو نہ نکال سکے۔ یہ شرع کی رو سے درست نہیں لہٰذا بغیر اجازت زمیندار اس زمین کو کاشتکار رہن نہیں رکھ سکتا۔ اگر اس نے کسی کے پاس بطور رہن یہ زمین رکھ دی۔ تو حقیقتاً رہن نہیں کہ مرتہن کو اس سے انتفاع جائز نہ ہو اور سود ٹھہرے۔ البتہ مرتہن کو مالک زمین یعنی زمیندار سے اجازت لینی چاہیئے، اور یہ کہدینا چاہیئے کہ فلاں زمین کی کاشت میں کروں گا۔ اور لگان ادا کرتا رہوں گا، اگر زمیندار نے اجازت دیدی اگرچہ یہ اجازت زبانی ہو تو اب مرتہن شرعاً کاشتکار ہوگیا اور زمین کی پیداوار اور اس سے نفع حاصل کرنا اس کے لئے حلال ہوگیا، اور خود زمیندار نے کسی کے پاس زمین رہن رکھی تو یہ حقیقتاً اور شرعاً رہن ہے اس سے مرتہن کو نفع اٹھانا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب السرقہ

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از چوہٹر کوٹ تحصیل بارکھان ملک بلوچستان غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

اگر کسے سرقہ کرد بعدہ نادم شد۔ اکنوں اگر سارق بالفظ صریح گوید کہ فلاں چیز من دزدیدہ ام شرمسار وگرفتار شود۔ وخواہد کہ قیمت مسروقہ بمالک می دہم واصل چیز از دست برفت۔ ولیکن چوں قیمت بمالک می دہم وایقار کند ظاہر نمی گوید کہ ایں قیمت در مقابلہ فلاں چیز ہست کہ شرمسار شود۔ ودر یکجا قیمتش ادا نمی خواہد کرد۔ اگر باایں طریقہ قیمت مال مسروقہ ادا کند۔ ایا گردنش بروز قیامت رہا گردد۔ یا نہ یا لازم است کہ ظاہر گفتہ ادا کند تا از گناہ پاک شود۔ ہرچہ حکم شرع شریف باشد تحریر فرمایند؟

الجواب:۔ چوں اصل شئ فوت شدہ قیمتش ادا کند۔ وایں لازم نیست کہ ظاہر کند وگوید کہ ایں قیمت آں چیز است کہ دزدیدہ بودم[1] واللہ تعالیٰ اعلم

[1] محض از ادائیگی مال مسروق بمالک، سارق از گناہ سرقہ پاک نمی شود۔ زیرا کہ سرقہ گناہ کبیرہ است کہ بے توبہ صحیحہ از وے بری نمی شود۔ پس بر سارق لازم است کہ از فعل سرقہ توبہ کند۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

کتاب الوصایا

مسئلہ :- مسئولہ بہادر وغیرہ محلہ اعظم نگر بریلی ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم پنچان کے پاس سیف اللہ و غلام نبی و سلیمان اور علاوہ ان کے چند اشخاص آکر کے ہم نے الٰہی بخش کی والدہ کو چندہ کرکے دیا تھا، واسطے خرچ خانہ کعبہ کے، وہ راہ میں فوت ہوگئیں، اور وقت انتقال کے انھوں نے وصیت کی کہ میرا اسباب و روپیہ جو کچھ ہے وہ سب راہ خدا میں صرف کردیا جائے تاکہ مجھ کو ثواب ملے، اور جن کے سامنے وصیت کی تھی ان کا نام بھی درج ہے، مسماۃ ننھی و حبیب اللہ ان کے اوپر حلف رکھا گیا کہ تم سچ کہو کہ مسماۃ نے وقت مرنے کے کیا کہا تھا۔ انھوں نے حلفیہ کہا کہ ہمارے سامنے مسماۃ نے کہا تھا کہ میرا روپیہ راہ خدا میں خرچ کردینا جو کچھ روپیہ تھا اسکے پاس وہ وہاں راہ خدا میں صرف کردیا اور ٹکٹ کا مبلغ مع الٰہی بخش کے پاس واپس آیا الٰہی بخش کہتا ہے کہ وہ میرا حق ہے اور اوپر جو نام تحریر کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ روپیہ راہ خدا میں خرچ کردیا جاوے۔ آیا ہمکو اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ بینوا توجروا

الجواب :- اس معاملہ کے متعلق فقیر سے چند بار سوال ہوئے۔ اس سے قبل دو بار تحریری سوال آئے اور کئی مرتبہ زبانی، مگر صورتیں نئی نئی پیش ہوئیں، پہلی مرتبہ الٰہی بخش کے ماموں نے سوال کیا کہ مسماۃ کا ترکہ کس کو ملے گا جب انھیں یہ لکھ کر دیا گیا کہ صرف لڑکے وارث ہیں تو انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم مسجد میں دینا چاہتے ہیں، ان سے کہدیا گیا کہ تم کو کوئی حق نہیں، پھر الٰہی بخش سوال لایا کہ اہل برادری جبراً اس روپیہ کو مسجد میں دینا چاہتے ہیں نہ دینے پر اسے خارج از برادری کردیا۔ اس کا بھی جواب دے دیا کہ

جبراً لینا جائز نہیں، اور اس بنا پر برادری سے بند کرنا بھی ناجائز اس وقت تک وصیت کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اب یہ وصیت کی صورت پیدا ہوئی۔ اگر عورت نے وصیت کی تھی تو پیشتر اس کا اظہار کرنا تھا، مفتی صورت مستفسرہ کا جواب دیگا اگر خلاف واقع سوال کر کے اپنے مطلب کے موافق جواب لیا جائے تو قیامت کے مواخذہ سے رہائی نہو گی بلکہ دو جرم ہیں، اہل برادری پر لازم ہے کہ جو سچی بات ہو اسکے موافق عمل کریں ایسا نہ ہو کہ مخالفت اور ضد میں اپنے ذمہ آخرت کا وبال مول لیں، اب اس صورت سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر عورت نے وصیت کی ہو تو جو کچھ مال چھوڑا یعنی نقد یا سامان ان سب کو تین حصہ کریں ایک حصہ خیرات کر دیا جائے اور دو حصہ دونوں لڑکوں کو دیئے جائیں۔ اب جو کچھ پیشتر خیرات کیا گیا اگر پوری تہائی ہے، فبہا ورنہ اگر کم ہے تو جو کچھ کمی ہے اب خیرات کریں اور اگر تہائی سے زیادہ خیرات کیا تو جتنا زیادہ کیا، وہ خیرات کرنیوالا لڑکوں کو واپس دے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا۔ الثلث والثلث کثیر۔ یہ اس صورت میں ہے کہ وصیت کا ثبوت ہو اور ثبوت نہ ہو تو کچھ لازم نہیں اور ثبوت کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں چاہیئے جو فاسق و فاجر نہ ہوں، اور یہاں ایک مرد اور ایک عورت ہے اور اس مرد کی نسبت سنا گیا کہ بے نمازی ہے اگر ایسا ہے تو اسکی گواہی قابل قبول نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ قمر الدین ساکن کچھا ضلع نینی تال ۲۹ صفر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وصیت کی کہ میرے بعد میری جائداد میری دونوں لڑکیوں کو نصف نصف دی جائے بھائیوں کو یا ان کی اولاد کو کچھ حصہ نہ دیا جائے یہ وصیت نامہ قابل سماعت ہے؟

الجواب:۔ یہ وصیت کہ زید نے اپنی دو لڑکیوں کیلئے کی بغیر اجازت دیگر ورثہ نافذ نہو گی حدیث میں ہے ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ حامد حسن معرفت جناب عزیز احمد محلہ ملوکپور۔ بریلی ۵ شعبان ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی چار بیویاں تھیں

ان سے چھ بچے ہیں پہلی بیوی سے ایک لڑکا دوسری بیوی سے ایک لڑکا، تیسری بیوی سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چوتھی بیوی سے دو لڑکے تیسری اور چوتھی بیویاں حیات ہیں۔ زید نے ایک وصیت نامہ لکھا جسمیں تحریر کیا کہ فلاں فلاں جائداد فلاں فلاں لڑکے کو ملے اور لڑکی کے واسطے جو کہ نابالغ ہے اسکی شادی کیلئے کچھ روپیہ اور ایک مکان زید نے تحریر کیا۔ اسکے بعد زید نے انتقال کیا پھر لڑکی نے زید سے ایک سال بعد انتقال کیا لڑکی مرنے کے بعد وصیت نامہ پر اقرار نامہ ورثاء کیطرف سے لکھا گیا اس میں چند ورثہ نابالغ ہیں اور چند ورثہ بالغ ہیں نابالغوں کی طرف سے سوتیلے بھائی نے اقرار کیا۔ اقرار نامہ سے پیشتر نابالغ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ پس ایسی صورت میں لڑکی کو کتنا حق پہنچے گا۔ اور یہ حصہ حقیقی بھائی اور والدہ کو پہنچے گا یا کل ورثاء پر تقسیم ہوگا جائداد کل؟

الجواب:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے اپنے کل مال کی وصیت کی۔ اور جو وصیت تہائی سے زیادہ کی ہو وہ اجازت ورثہ پر موقوف رہتی ہے جبکہ وہ بالغ ہوں نابالغ نہ خود اجازت دے سکتا ہے۔ نہ اسکی طرف سے دوسرا، حدیث میں ہے۔ الثلث والثلث کثیر۔ فتاوی علمگیری میں ہے۔ ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزہ الورثۃ بعد موتہ وھم کبار ولا معتبر باجازتھم فی حال حیاتہ کذا فی الھدایہ۔ اور یہ وصیت کہ زید نے کی اگر کل مال کی نہوتی جب بھی اجازت ورثہ پر موقوف ہوتی کہ یہ وارث کیلئے وصیت ہے اور کسی وارث کیلئے وصیت بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔ جائز کردینگے تو جائز ہے اور رد کردینگے تو باطل، حدیث میں فرمایا۔ ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ الا لاوصیۃ لوارث۔ اور ورثہ میں بعض بالغ ہیں بعض نابالغ تو صرف بالغین اپنے حصہ میں وصیت کو جائز کرسکتے ہیں نابالغ نہ خود جائز کرسکتے نہ سوتیلے بھائی جبکہ اس وصیت میں نابالغوں پر کچھ ضرر پڑتا ہو کہ وصیت کے مطابق کم ملتا ہے اور فرائض کے مطابق تقسیم ہو تو زیادہ ملے گا کہ اس صورت میں نابالغوں کا کھلا ہوا ضرر ہے اور ولایت کا منشاء نفع پہنچانا ہے نہ کہ ضرر۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔

لاتجوز الوصیۃ للوارث عندنا الا ان یجیزھا الورثۃ۔ نیز اسی میں ہے ولو اجاز البعض ورد البعض یجوز علی المجیز بقدر حصّتہ ویبطل فی حق غیرہ کذا فی الکافی وفی کل موضع یحتاج الی الاجازۃ انما یجوز اذا کان المجیز من اھل الاجازۃ نحو ما اذا اجازہ وھو بالغ عاقل صحیح کذا فی خزانۃ المفتین۔ لڑکی کو اٹھاسی سہام سے سات سہام ملینگے اور لڑکی کے مرنے کے بعد یہ سہام اسکے حقیقی بھائی اور ماں کو ملین گے، سوتیلے بھائی کا ان میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مسئولہ محمد خواجہ میاں صاحب اینڈ سنس جنرل مرچنٹ وکمیشن ایجنٹ بنگلور ۱۰ صفر ۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات ہی میں اپنی لڑکی کو عمرو سے شادی کرکے دیا۔ وہ لڑکی دق کی بیمار تھی چند دن کے بعد زید انتقال کرگیا بعد چند دن کے زید کی لڑکی کو جو شادی عمرو سے کر دیا تھا لڑکا تولد ہوا، بچہ تھوڑی دیر یعنی دس گھنٹہ زندہ رہکر انتقال کرگیا۔ زید کی لڑکی اپنی حیات ہی میں اپنا مہر گواہوں کے روبرو اپنے ہوش وحواس کیساتھ رہتے ہوئے عمرو کو معاف کردی ہے ثبوت کیساتھ اور وصیت بھی کی ہے کہ مرنے کے چند دن آگے میں بیمار تھی سو معلوم رہ کر میرے والد ووالدہ سب ملکر بیاہ کرکے دے تم سب میرے واسطے تکلیف اٹھاتے ہیں اتنے دن سے روپیہ خرچ کر رہے ہیں مجھے امید نہیں ہے اچھی ہونیکی اگر ویسا کچھ ہوگیا تو جو کچھ خرچہ ہوا ہے میری بیماری میں دوا کا وہ میرے مال میں سے لینا بچت رہا تو میرے بعد میرے نام پر خرچہ کردینا کرکے۔ ایک دمڑی بھی میرے ماں بھائیوں کو نہیں دینا (ماں کے گھر جانے سے نفرت تھی) اور جو کچھ مال وہاں پر ہے وہ بھی منگوالینا کرکے۔ مرحومہ اپنے سسر سے دو چار آدمیوں کے روبرو میں کہہ گئی ہے۔ بعد چند دن کے زید کی لڑکی انتقال کرگئی ہے۔ آیا اس صورت میں مطابق شریعت زید کی لڑکی جس کو زید اپنی حیاتی میں عمرو سے بیاہ کردیا تھا زید کی ملک میں منقولہ وغیر منقولہ میں حقدار ہوسکتی ہے یا نہیں۔ ونیز زید کی لڑکی

کو زید کیطرف سے دیا ہوا مال زیورات وکپڑے وغیرہ اور لڑکی کے سسرال کی جانب سے دیئے ہوئے زیورات وکپڑے وغیرہ میں زید کی لڑکی کے انتقال کے بعد اسکے ورثار کون کون حقدار ہیں ورثار یہ ہیں عمرو یعنی لڑکی کا شوہر۔

زید کی عورت یعنی لڑکی کی والدہ تین بھائی دو بہنیں ہیں لہذا بیماری کی صورت میں بیاہ کر دینا جائز ہے یا نہیں اور حصہ جس کو جو پہنچتا ہے تقسیم کیساتھ ازروئے شریعت بیان فرما کر اجر پا دیں ؟

الجواب :۔ عورت کا مہر معاف کرنا اگر ایسی حالت میں ہوا کہ اس وقت مرض کی زیادتی ظاہر ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اب تھوڑے دنوں میں مرجائے گی تو اس کیلئے یہ حالت مرض الموت قرار پائیگی اگر دق وسل امراض مزمنہ میں جب تک ایسی حالت پیدا نہ ہو مرض الموت نہیں قرار دیا جاتا جب کہ وہ مرض پورے ایک سال تک رہا۔ درر وغرر میں ہے۔ المقعد والمفلوج و الاشل والمسلول ان طال مدته سنة کا یصح والا فکالمریض یعنی ان هذه امراض مزمنة فمن عرض له واحد منها وتصرف بشئ من التبرعات ثم مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة کان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعد تمامها لم یکن مرض الموت لانه اذا فی الفصول التی کل منها مظنة الهلاک صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احکام المریض حتی لا یشتغل بالتداوی منها شرنبلالیہ میں ہے۔ کذا فسر الطول بسنة فی الخانیة وقید هذا فی الخلاصة بما اذا لم یتغیر حاله فقال اذا طال به المرض ویخاف علیه الموت کالفالج والشلل اذا کان زمنا او مقعدا او یابس الشق فهذا لا یکون حکم المریض الا اذا تغیر حاله من ذالک ومات من ذالک التغیر فما فعل فی حالة التغیر یعتبر من الثلث اھ۔ لہذا اگر ایسی حالت میں معاف کیا اور اسی تغیر سے وہ مرگئی تو مہر معاف نہ ہوا کہ معافی کیلئے مرض الموت نہ ہونا شرط ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ ولا بد فی صحة حطها من الرضا حتی لو کانت

مکرھتہ لم یصح ومن ان لا تکون مریضۃ مرض الموت فکذا فی البحر الرائق۔ شوہر نے علاج میں عورت پر جو کچھ خرچ کیا ہے اگر یہ بطور تبرع و احسان تھا تو اس کا معاوضہ نہیں پا سکتا اور اگر کہہ دیا تھا کہ علاج کے مصارف عورت سے لیگا تو جو کچھ خرچ ہوا ہے لے سکتا ہے کہ یہ مصارف شوہر کے ذمہ واجب نہیں عالمگیری میں ہے۔ ولا یجب الدواء للمریض۔ جہیز میں عورت کو جو کچھ زیور کپڑے وغیرہا باپ کے یہاں سے ملا وہ سب عورت کی ملک ہے رد المحتار میں ہے: کل احد یعلم ان الجہاز ملک للمرأۃ۔ اور زیورات جو چڑھاوے میں شوہر کے یہاں سے گئے اس میں وہاں کا عرف اور چلن دیکھا جائیگا اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ عورت مالک ہوتی ہے جیسا کہ یہاں شرفا میں یہی رواج ہے تو ملک عورت ہے اور اگر شوہر کی ملک مانی جاتی ہو اور محض زیب و زینت کیلئے عورت کو دیتے ہوں تو ملک شوہر۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ دیتے وقت کچھ نہ کہا ہو اور اگر کہکر دیا گیا کہ ملک عورت ہے یا ملک شوہر تو جو کہدیا وہ ہے زید کے مرنے کے بعد یہ لڑکی بھی زید کی وارث ہے اور زید کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے اسے ۲۰ سہام سے سات سہام ملینگے اور یہ سات سہام اور جو کچھ اپنی ملک کے زیورات و پارچہ جات اور ہر قسم کے سامان جو اسکی ملک میں ہیں ان سب کو اڑتالیس ۴۸ سہام پر تقسیم کرکے چوبیس ۲۴ سہام شوہر کو ملیں گے اور آٹھ ماں کو اور چار چار بھائیوں اور دو دو بہنوں کو ملیں گے۔ اور بیماری کی حالت میں جو نکاح ہوا وہ نکاح صحیح ہے اور لڑکی نے جو وصیت کار خیر میں صرف کرنے کی ہو وہ تہائی مال میں جاری ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: ۔ از ضلع راولپنڈی تحصیل گوجرخاں ڈاکخانہ سکھو موضع مرادی جنجیل مرسلہ مولوی مرد النعلی ۱۰ صفر ۱۳۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مظہر ایک مسکین مسلمان صاحب جائداد ہوں منجملہ کل جائداد کے ایک مکان سکونتی بمعہ ایک کوٹھری و برانڈہ کے تخمیناً تیس ۳۰ کناں یا کچھ کم و بیش اراضی یہ جائداد پدری میں سے ہے علاوہ ایک مکان مویشی والا متصل مسجد نتر خانہ جسکا خانہ شماری ۶۴ ہے وہ اور دیگر کل زمین میری خود پیدا کردہ جائداد ہے

یعنی زمین اپنی خرید کردہ اور مکان اپنا تعمیر کردہ ہے اور کچھ گھر کا سامان وغیرہ جو کچھ ہے۔ یہ سب میرا پیدا کردہ ہے۔ اب میرے وارث حسب ذیل ہیں، بیٹا کوئی نہیں۔ دو بیٹیاں ہیں دو حقیقی اور ایک علاتی یہ تین بھائی ہیں اور ایک بہن یہ چاروں اپنے اپنے جائداد پر علیحدہ قابض ہیں۔ باپ دادا نانا نانی سب عورت فوت ہو چکی ہیں۔ اور چونکہ رواج ملک کا قرآن کریم کے فیصلہ بر خلاف ہے اور میرا ایمان قرآن کریم پر ہے۔ لہذا بموجب حکم الٰہی یہ ثبوت آیات مجید جتنا جتنا حصہ وارثان موجود کو پہنچتا ہے اور جتنا حصہ مجھکو اپنے ماتم پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا جائز ہے۔ تحریر فرمادیں تاکہ اپنی زندگی میں بموجب حکم الٰہی وصیت کرجاؤں کہ اس معاملہ میں بروز محشر مجھسے باز پرس نہ ہو؟

الجواب:۔ ایک ثلث مال میں وصیت جاری ہوگی۔ اور اس سے زیادہ کی وصیت کی تو اجازت ورثہ پر موقوف ہوگی۔ اگر اجازت دیدیں تو جائز ہے ورنہ تہائی سے زیادہ باطل مرنے کے بعد تجہیز و تکفین و دیون و وصیت کے بعد جو کچھ مال باقی رہے اس کے تین حصّے اس صورت میں ہوں گے ایک ایک حصّہ دونوں لڑکیوں کو اور ایک حصہ میں دونوں حقیقی بھائیوں کو ملے گا۔ اور علاتی بھائی بہن محروم ہیں۔ اللہ عزّوجل فرماتا ہے۔ یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَلَھَا النِّصۡفُ۔ اور لڑکیوں کو ترکہ سے محروم کردینا اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور رسوم ہنود و کفار کی پابندی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ کفار کے طریقہ سے اجتناب کریں۔ اور اللہ و رسول کے حکم پر چلیں اور اگر معاذ اللہ لڑکیوں کے حصّہ کو حق نہ جانا اور اس پر ایمان نہ ہو تو ایمان ہی نہیں کہ یہ کفر ہے۔ اور حق مانتا ہو مگر شامت نفس سے نہ دیتا ہو تو گناہ کبیرہ و استحقاق عذاب حق العبد میں گرفتار ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِھَاۤ اِلَی الۡحُکَّامِ لِتَاۡکُلُوۡا فَرِیۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ اور اگر لڑکیاں یتیم ہیں تو یتیموں کا مال کھانا پیٹ میں آگ بھرنا۔ اور اس کی جزا جہنم کی آگ ہے فرماتا ہے ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔

جو لوگ یتیموں کے اموال بطور ظلم کھاتے ہیں بیشک وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم میں داخل ہونگے۔ یہ تقسیم جو اوپر مذکور ہوئی اس وقت ہے کہ بعد انتقال یہی ورثہ ہوں ان میں کمی بیشی نہ ہوا ور اگر انکے علاوہ کچھ اور ورثہ ہوں یا انمیں سے بعض کم ہوجائیں تو تقسیم کی صورت بدل جائے گی۔ اپنے فاتحہ یا ایصال وغیرہ کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو تہائی مال میں کرسکتا ہے۔ اسے اختیار ہے مگر بہتر یہ ہے کہ جو نیک کام کرنا ہو اپنی زندگی میں کر جائے کہ زندگی میں جو عمل خیر کا ثواب ہے وہ مرنے کے بعد کا نہیں۔ حدیث میں ہے کسی نے عرض کی یارسول اللہ ای الصدقۃ اعظم اجرا کس صدقہ کا زیادہ ثواب ہے قال ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل الغنی ولا تمھل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان. فرمایا وہ صدقہ افضل ہے کہ تو تندرست ہے اور مال کا حرص ہے۔ محتاجی کا اندیشہ ہو تونگری کی خواہش ہو اور اتنی دیر نہ کرے کہ جب جان گلے کو آجائے اس وقت تو کہے کہ اتنا فلاں کو دینا اتنا فلاں کو دینا اور اب تو یہ فلاں (وارث) کا ہوچکا رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا لان یتصدق المرء فی حیٰوتہ بدرھم خیر لہ من ان یتصدق بمائۃ عند موتہ۔ زندگی میں ایک درہم صدقہ کرنا مرتے وقت کے سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ رواہ ابو داؤد عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نماز روزہ جو قضا ہوگئے ہوں ان کو ادا کرے ان کو زندگی میں ادا نہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ مرنے کے بعد اسکا کفارہ ادا کردیا جائے گا سخت حماقت ہے ہاں جو رہ گئے کہ ادا نہ ہوسکے، یا شامت اعمال سے ادا نہ کرے تو مرتے وقت ان کے کفارہ کی وصیت کرجائے، اور تہائی مال سے وصیت کا پورا کرنا ورثہ پر لازم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

اذا مات الرجل وعلیہ صلوات فائتۃ فاوصی بان تعطی کفارۃ صلوٰتہ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم یوم نصف صاع من ثلث مالہ وان لم یترک مالا یستقرض ورثتہ نصف صاع ویدفع الی مسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثتہ ثم یتصدق ثم ثم

حتی یتم لکل صلواۃ ماذکرنا کذا فی الخلاصۃ وفی فتاوی الحجۃ وان لم یوص لورثتہ وتبرع بعض الورثۃ یجوز۔ جب کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی نمازیں فوت ہوگئی ہیں اور اس نے یہ وصیت کی کہ اسکی نمازوں کا کفارہ دیا جائے اس کے تہائی مال سے۔ تو ہر نماز کے لئے آدھا صاع گیہوں دیا جائے۔ اور نماز وتر کیلئے بھی نصف صاع اور ہر روزہ کے مقابلہ میں نصف صاع دیا جائے۔ اور اگر اس نے کچھ مال نہیں چھوڑا تو اس کے ورثہ نصف صاع گیہوں قرض لیں اور وہ کسی مسکین کو دیدیں۔ پھر وہ مسکین میت کے بعض ورثہ کو دیدیں۔ پھر وہ وارث فقیر کو صدقہ کرے اسی طرح کرتے رہیں یہاں تک کہ ہر نماز کیلئے نصف نصف صاع دینا مکمل ہوجائے کہ ایسا ہی خلاصہ میں ہے اور فتاویٰ حجہ میں ہے کہ اگر اس نے وصیت نہیں کی اور بعض ورثہ نے بطور تبرع ایسا کیا تو یہ بھی جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

بابُ الموالات

مسئلہ:۔ از بریلی مدرسہ اشاعت العُلوم بریلی معرفت انور خان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سکھوں نے لاہور کی مسجد شہید گنج کو شہید کردیا ہے، جس سے تمام دنیا کے مسلمانوں کے دل دکھ رہا ہے۔ ہر مسلمانوں کو سکھوں کے ساتھ ترک موالات یا موالات کرنا چاہیئے؟ اور جو مسلمان سکھوں کو مالی امداد پہونچاتے ہیں یعنی سکھوں کے سنیما تماشا میں روپیہ پیسہ دیتے ہیں وہ کیسے ہیں ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیسا برتاؤ چاہیئے؟

الجواب:۔ موالات ہر کافر سے ناجائز وحرام ہے قرآن مجید میں مطلقاً اوسکی ممانعت وارد ہے اور ترک معاملت میں اگر مسلمانوں کا فائدہ ہو یہ بھی اچھی چیز ہے، سنیما دیکھنا ناجائز ہے اور اس میں پیسہ خرچ کرنا خرچ بیجا وحرام ہے، سکھوں نے مسجد شہید کرکے

مسلمانان عالم کو جو ایذا پہونچائی ہے وہ ظاہر ہے ایسے وقت مسلمانوں کی غیرتِ ملّی کا یہی تقاضہ ہونا چاہیئے کہ اس قوم کو جس نے مسجد کی اتنی شدید بے حرمتی کی۔ مالی مدد نہ پہونچائیں اور اپنی حلال کمائی کا پیسہ حرام طور پر انکو دیکر اعانت نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بابُ الشہید

مسئلہ :۔ از شہر کہنہ بریلی محلہ ربڑی ٹولہ مرسلہ احمد یار خان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

(۱) اس مسئلہ میں کہ صوبہ بہار میں جو مسلمان مشرکین کے ہاتھ مارے گئے اور گڑھ کے میلے میں بھی مارے گئے تو ان کو کوئی درجہ شہادت ملے گا یا نہیں ؟

(۲) اگر کوئی مسلمان شرابی یا زانی یا جواری ہو اور وہ کافروں کے مقابلہ پر مسلمانوں کے ساتھ مارا جائے تو وہ درجہ شہادت کا پائے گا یا نہیں ؟

الجواب (۱) :۔ صوبہ بہار یا گڑھ میں جو مسلمان قتل کئے گئے وہ یقیناً مظلوم تھے۔ اور مشرکین کے ہاتھ سے مارے گئے اور جو شخص ظلماً قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا۔ من قتل دون دمه فهو شهید۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) شراب خواری اور قمار بازی اور زنا کاری اشد کبائر سے ہیں مگر ان کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ یہ گناہ ان کے ذاتی افعال تھے اور کفار نے جو انھیں قتل کیا محض اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ مسلمان تھے لہٰذا ان کا یہ قتل کیا جانا شہادت میں شمار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الفرائض

مسئلہ:۔ مرسلہ عبداللہ از موضع درو۔ ضلع نینی تال۔ ۱۲/ صفر ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعد انتقال زید کے پانچ وارث رہے باپ، زوجہ۔ ایک پسر۔ ایک دختر۔ ایک بھائی۔ لیکن بھائی باپ سے ایک اور ماں سے دو ہیں بعد ایک سال کے زید کی زوجہ نے نکاح کرلیا۔ زید کے باپ نے مہر شرعی ادا کردیا، اور اس عرصہ میں زید کا لڑکا بھی فوت ہوگیا۔ اب کل زید کے چار وارث رہے۔ مال زید کے باپ کے پاس ہے اور لڑکی نابالغ ہے۔ اسکا ترکہ ماں کو دیا جائے یا دادا کو اور زید کے لڑکے کا انتقال ہوا تو صرفہ بھی اسی جائداد سے ہوا۔ اب جو حکم شرع شریف کا ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اور مع مہر کے جواب تحریر فرمایا جائے۔ نہایت آسان الفاظ ہونے چاہیئے تاکہ سمجھ سکیں۔؟

الجواب:۔ اگر زید کسی کو کہہ گیا ہے کہ میرے نابالغ بچوں کا مال تو اپنے پاس رکھنا تو اسکے پاس لڑکی کا حصہ رہے گا۔ ورنہ دادا اپنے پاس رکھیگا اور لڑکے کے انتقال میں جو کچھ تجہیز و تکفین میں موافق سنت کے خرچ ہوا ہے وہ اسکے حصہ میں سے دیا جائیگا۔ اور باقی اس کی ماں اور بہن اور دادا کو ملیگا۔ اور تجہیز و تکفین کے علاوہ جو کچھ خرچ ہوا۔ وہ جس نے خرچ کیا وہ دے۔ اور زید کی بی بی بھی زید کی وارث ہے علاوہ مہر کے اپنا آٹھواں حصہ پائے گی۔ نکاح کرنے کی وجہ سے ترکہ سے محروم نہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ سلطان علی خان دکاندار چوب عمارتی سبحان نگر لکھنؤ، ۲/ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔ زید نے اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ اور ایک زوجہ ہندہ اور دو بیٹے عمرو و بکر کو چھوڑ کر انتقال کیا۔ اور

ہندہ نے زید کے مرنے پر دفن سے قبل اعزا و اقارب کے سامنے اپنا دین مہر برضا و رغبت معاف کردیا تھا پس اس صورت میں زید کے ترکہ سے کس کو کس قدر ملیگا؟

مسئلہ: ہندہ نے جائداد متروکہ زید سے مبلغ چھ سو روپئے اپنے ایک بیٹے عمرو کو اپنی طرف سے حج ادا کرنے کیلئے دیا۔ پس یہ روپیہ ہندہ کے حصہ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حسب شرائط فرائض ترکہ زید کا سولہ سہام پر منقسم ہوگا دو سہام ہندہ کو اور سات سات سہام دونوں بیٹیوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب: ہندہ نے جتنے روپئے اپنے بیٹے عمرو کو اپنے حج بدل کے لئے ترکۂ زید سے دیا وہ سب ہندہ کے حصہ میں محسوب ہوں گے۔ دوسرے ورثہ پر اسکا کچھ اثر نہ پڑیگا۔ واللہ اعلم

مسئلہ: مرسلہ قاضی رحیم بخش شاہ از چتور گڑھ میواڑ محلہ لوہاران ۵ جمادی الاخرہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ابراہیم شاہ کے کئی لڑکے تھے عبدا شاہ سمن شاہ، تاجو شاہ، عبدا شاہ کا پوتا حسین بخش شاہ اور سمن شاہ کا پوتا رحیم بخش شاہ موجود ہیں اور تاجو شاہ کا لڑکا نظام الدین شاہ فوت ہوا اس کے پیچھے نہ عورت ہے نہ لڑکا نہ لڑکی نہ حقیقی بھائی نہ بہن۔ متوفی نظام الدین شاہ نے جائداد منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی۔ عبدا شاہ کے پوتے حسین بخش نے متوفی مذکورہ کی تمام جائداد پر قبضہ کرلیا اور یہ کہتا ہے کہ متوفی نے مجھے اپنا وارث بنایا ہے اور اسٹامپ لکھدیا ہے مگر اس کے وارث بنانے یا اسٹامپ لکھنے سے نہ تو رشتہ دار واقف ہیں، نہ ہمسایہ نہ اہل محلہ۔ حالانکہ جس طرح رشتہ میں حسین بخش شاہ متوفی نظام الدین شاہ کا ہوتا ہے ایسا ہی رحیم بخش شاہ کے بھی دادا کے بھائی کا لڑکا ہوتا۔ ایسی حالت میں از روئے شرع شریف دونوں وارث ہونگے یا ایک۔ اور حصہ برابر ہوگا یا کم زیادہ اور یہ اسٹامپ جس سے کوئی واقف نہیں صحیح ہے یا غیر صحیح؟

الجواب: سوال مجمل ہے سائل نے یہ نہیں لکھا کہ نظام الدین شاہ نے حسین بخش شاہ کو جائداد ہبہ کی ہے یا وصیت کی ہے اگر ہبہ ہے تو قبضہ بھی دلایا ہے یا نہیں۔ اگر قبضہ دلادیا ہے

توہبہ تمام ہے ورنہ ناتمام۔ مجمع الانہر میں ہے وتتم الھبۃُ بالقبض الکامل۔ اور اگر وصیت کی ہے تو بغیر اجازت دیگر ورثہ نافذ نہ ہوگی۔ حدیث میں فرمایا اِنَّ اللہ تعالیٰ أعطیٰ کل ذی حقٍ حقہ الا لا وصیۃَ لوارث نیز مجمع الانہر میں ہے ولا تصح الوصیۃ لوارث الا باجازۃ الورثۃ۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ نظام الدین شاہ نے اسے اپنی جائداد دی ہو اور گواہوں سے ثابت ہو، ورنہ مجرد تحریر اسٹامپ کچھ قابل اعتبار نہیں۔ جب تک گواہوں سے ثبوت نہو۔ اور وارث بنانا جو سوال میں لکھا ہے یہ کوئی شئے نہیں کہ وارث تو وہ ہے جسے اللہ و رسول نے وارث بنایا جو کسی کے بنانے یا نہ بنانے کو اس میں دخل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ محمد احمد خان قادری ہیڈ ماسٹر فاکلنڈ روڈ مینونسپل اردو اسکول بمبئی ۱۲ ۲۲ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اور اس کے وارثوں میں سے کوئی بھی وارث کسی درجہ کا زندہ نہیں ہے اور متوفی نے کچھ وصیت بھی نہیں کی، کیوں کہ اس کی موت اچانک واقع ہوئی ہے کیوں کہ متوفی نے اپنی جائداد غیر منقولہ اپنی زندگی میں مرنے سے بہت پہلے کسی مدرسہ اسلامیہ کے نام وقف کردی تھی، لیکن جائداد منقولہ مثل زر نقد کسی ایک امین کے پاس متوفی کی زندگی سے امانت رکھا ہوا ہے سوال یہ ہے کہ اس زر نقد کو کسطرح اور کس مصرف میں صرف کیا جائے کہ متوفی کی روح کو ثواب پہونچے جواب مدلل تحریر ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ ایسا مال حق بیت المال ہے مگر چونکہ ہندوستان میں بیت المال نہیں لہٰذا مسلمان بطور خود اس مال کو مصارف بیت المال میں صرف کریں۔ یعنی ایسے فقراء پر صرف کریں جنکا کوئی ولی نہو کہ ان کا نفقہ اسکے ذمہ واجب ہو ان فقراء کے کھانے پینے میں اور بیمار ہوں تو ان کی دواؤں میں اور مرجائیں تو ان کی تجہیز و تکفین میں صرف کیا جائے درمختار میں ہے وبقی رابع وھو لقطۃ وترکۃ بلا وارث ودیۃ مقتول بلا ولی

ومصرفها اللقیط الفقیر والفقیر بلا ولی ردالمحتار میں ہے۔ قال فی البحر یعطون منہ نفقتھم وادویتھم ویکفن بہ موتاھم ویعقل بہ جنایتھم اھ نیز ردالمحتار باب العشر میں ہے۔ واما الرابع فمصرفہ المشھور وھو اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لھم فیعطی منہ نفقتھم وادویتھم وکفنھم وعقل جنایتھم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مسئولہ نثار احمد صاحب ساکن کچھا ضلع نینی تال ۲۳ رشوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ علیم کا انتقال ہوا اس نے ایک زوجہ ایک بیٹا دو بیٹی اور دو حقیقی چچازاد بھائی مسمیٰ قمرالدین وجلال الدین وارث چھوڑے اسکے بعد لڑکے کا انتقال ہوگیا اب علیم کی بیوہ کیساتھ جلال الدین نے نکاح کرلیا اور جلال الدین کی پہلی عورت سے دو لڑکے تھے ایک کو اپنے بیوی کے پاس رکھا اور ایک اپنی دادی کے پاس تھا۔ چند روز کے بعد جلال الدین کا بھی انتقال ہوگیا۔ اسکے دو بیٹے ایک والدہ ایک بھائی ایک زوجہ چھوڑی۔ زوجہ نے وقت وفات اپنا مہر معاف کردیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس بیوہ نے اپنا عقد پھر ایک غیر شخص کیساتھ کرلیا اب یہ عورت اپنا مہر معاف شدہ اور ترکہ لینا چاہتی ہے۔ اور جلال الدین کا لڑکا جو اپنی سوتیلی ماں کے پاس تھا اپنے بھائی اور دادی کے پاس آنا چاہتا ہے، اس غیر شخص کے پاس رہنا نہیں چاہتا۔ اب علیم نے جو دو نابالغ لڑکیاں چھوڑی ہیں ان کی ولایت نکاح ازروئے شرع کس کو ہوسکتی ہے اور یہ مال جلال الدین کا کس کس وارث پر تقسیم ہوگا۔؟

الجواب:- جب کہ عورت نے اپنا مہر معاف کردیا تو معاف ہوگیا اور شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوگیا اب اس کو مطالبۂ مہر کا کوئی حق نہ رہا۔ درمختار میں ہے وصح حطھا لکلہ او بعضہ عنہ قبل او لا ویرتد بالرد کما فی البحر ہاں ترکہ اس کا حق ہے وہ لے سکتی ہے جلال الدین کا نابالغ لڑکا جو اپنی سوتیلی ماں کے پاس ہے یہ سوتیلی ماں اسے نہیں روک سکتی

اپنی دادی کے پاس آنا چاہتا ہے چلا آئے یہ تو سوتیلی ہے اگر حقیقی ماں غیر محرم سے نکاح کرلے تو حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے الا ان تکون متزوجۃ بغیر محرم الصغیر علیم کی دونوں لڑکیوں کی ولایت نکاح جلال الدین کے بالغ لڑکے کو ہے اگر کوئی دوسرا عصبہ اس سے مقدم نہ ہو کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جلال الدین کے بھائی کا انتقال ہوگیا۔ درمختار میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ، ترکہ جلال الدین کا ۴۸ سہام پر تقسیم ہو کر ۸ ماں کو اور چھ زوجہ کو اور سترہ سترہ دونوں لڑکوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ عبدالمجید از ہوڑہ ۱۱ ذی الحجہ ۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا خود زرخرید جائداد کم و بیش تیس ہزار کی ہے۔ اس جائداد میں اس کے ہمشیرہ کا کچھ حق ہے یا نہیں، حالانکہ زید کے لڑکے بالے وغیرہ موجود ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ زید کا خود زرخرید جائداد میں بھی ہمشیرہ کا حق ہوتا ہے۔ لہذا دریافت طلب ہے کہ عمرو کا کہنا صحیح ہے یا نہیں اگر ہے تو سیکڑا کیا حساب ہے؟

الجواب:۔ جب زید کے لڑکے موجود ہیں تو بہن کو کچھ نہ ملیگا۔ ہاں اگر لڑکا کوئی موجود نہ ہوتا صرف لڑکیاں ہوتیں تو بہن عصبہ ہوتی اور بعد اصحاب فرائض جو کچھ بچتا اسمیں حقدار ہوتی حدیث میں ہے اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ الٰہی بخش شہر کہنہ قاضی ٹولہ بریلی ۹ صفر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے شوہر نے طلاق دیدی، اور دو بیٹے چھوڑ کر اپنے بھائیوں کے یہاں چلی آئی اس کے بھائیوں نے اسکا نکاح دوسرے آدمی کیساتھ کر دیا وہ بھی تھوڑے دنوں کے بعد فوت ہوگیا۔ اور اسکے دونوں لڑکے اپنے حقیقی باپ کے یہاں رہے، جب یہ جوان ہوئے تو انھوں نے اپنی ماں کو اپنی شادی میں شریک کیا اور وقتاً فوقتاً اپنے ماں کی خدمت اپنی حیثیت کے موافق کرتے رہے اس کے بعد وہ حج کو چلی گئی وہاں انتقال ہوگیا۔ کچھ اسباب اور روپیہ بچا تھا وہاں

لوگوں نے اس کو تجہیز و تکفین میں صرف کر دیا۔ اور کچھ خیرات کر دیا جس وقت بمبئی میں اس نے ٹکٹ خریدا تھا اسکا روپیہ دیا تھا اس وقت اس سے وارث دریافت کئے گئے تو اس عورت نے اپنے دو بیٹے الٰہی بخش اور کریم بخش بتائے تھے۔ انتقال کے بعد وہ ٹکٹ کے پچاسی روپیہ ان دونوں لڑکوں کے پاس گئے۔ اس عورت کے دو بھائی حقیقی بھی ہیں وہ ان روپیوں میں سے حصہ مانگتے ہیں آیا ان کو حصہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ ان لڑکوں نے اپنے ماں کی وفات کی خبر سن کر تیجہ وغیرہ کیا اور کچھ خیر خیرات اور چالیسواں وغیرہ کیا۔ ان لڑکوں کے ماموں نے ان لڑکوں سے علیحدہ جو اپنے طور پر کچھ فاتحہ درود میں خرچ کیا تھا ان لڑکوں سے مبلغ ساڑھے سترہ روپیہ جبراً لے لئے۔ ایسی حالت میں ان روپیوں میں سے ان کے ماموں حصہ پا سکتے ہیں یا نہیں اور یہ سترہ روپیہ آٹھ آنے ان کو واپس دینا چاہیئے یا نہیں اور اگر ان روپیوں میں سے از روئے شرع شریف لڑکوں کو پہنچتا ہے اور پنچ کہیں کہ ان روپیوں کو مسجد میں صرف کر دو تو ایسی حالت میں جبراً مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں اور وہ ان روپیہ میں سے مسجد میں دیدیں تو قبل اسکے کہ پنچایت سے علیحدہ کر دیئے جائیں اور پنچ ان کو پنچایت سے علیحدہ کریں تو انکے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:- یہ سوال پیشتر لڑکوں کے ماموں فقیر کے پاس لائے انھیں جواب دیا جاچکا تھا کہ ان کا اپنی ہمشیرہ کے ترکہ میں کچھ حق نہیں، عورت نے جو کچھ چھوڑا بعد تجہیز و تکفین موافق سنت واداۓ دیون و دیگر امور متقدمہ علی المیراث کے سب کچھ دونوں لڑکوں کو ملیگا ماموں کا اسمیں کوئی حق نہیں۔ اور عورت کے بھائیوں نے تیجہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے وہ سب انھیں کے ذمہ ہے لڑکوں سے اسکا مطالبہ نہیں کر سکتے اور ساڑھے سترہ روپئے جو جبراً وصول کئے ہیں واپس دیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل نہ جبراً مسجد کیلئے وصول کیا جاسکتا ہے یہ حرام ہے، اور ایسے مال کو کہ جبراً وصول کیا گیا مسجد میں صرف کرنا ناجائز و حرام، اور الٰہی بخش اور کریم بخش کو محض اس بنا پر خارج از برادری کرنا ناجائز، پنچوں پر لازم ہے کہ حکم شرع کو مانیں اور جبر و ظلم و ستم سے باز آئیں اور عذاب آخرت سے ڈریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۱: مسئولہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ بیجناتھ پارہ رائپور ممالک متوسط ۸ / صفر المظفر ۱۳۲۱ھ

عاق مانع ارث ہے یا کیا؟

الجواب: عقوق مانع ارث نہیں کہ موانع ارث چار ہیں۔ انمیں عقوق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۲: مرسلہ سید کاردعلی مرادآباد محلہ ٹھٹیرا کارخانہ شیخ نہال الدین ۴ / ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مسماۃ اصغری بیگم کا انتقال ہوا مرحومہ نے اپنے وارثان میں سے ایک شوہر مسمی کاردعلی ایک پدر آں بی ایک ماں مسمی نفیس بیگم چار برادر آل علی، اولاد علی، محمود علی، محمد علی چھوڑے یہ بات معلوم کرنی ہے کہ ان وارثان کا بروئے فرائض کس قدر حصہ ہوتا ہے مرحومہ کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی ہے؟

الجواب: حسب شرائط فرائض ترکہ مسماۃ اصغری بیگم کا چھ سہام پر منقسم ہوکر تین شوہر اور دو باپ اور ایک سہم ماں کو ملے گا بھائی محروم ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۳: مسئولہ امیر احمد موضع سرنیاں ضلع بریلی ۸ / ربیع الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح باذن والد کے ہوا نکاح ہونے کے بعد فوراً خاوند کے مکان پر گئی دوسرے دن واپس چلی آئی، مدت تین ماہ والد کے یہاں رہی پھر انتقال کرگئی اس حالت میں ازروئے شرع والد اس مہر کا حقدار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: نصف مہر والد پائے گا اور نصف حق شوہر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۴: مسئولہ جناب نواب نثار احمد خانصاحب بازار صندل خاں بریلی ۹ / جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص کی دو بی بیاں تھیں، پہلی بی بی کو بعوض دین مہر کے نقد روپیہ یا جائداد تعین مہر سے بہت زیادہ دیدی پس جو روپیہ نقد یا جائداد زیادہ دی گئی ہے وہ اس سے یا اس کے ورثار سے واپس ہوکر مابقی متروکہ میں شامل ہوکر موجودہ ورثار کو تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- جو کچھ دین مہر کے عوض اپنی ایک بی بی کو دے چکا ہے اگرچہ تعین مہر سے بہت زیادہ ہو وہ سب دین مہر ہی میں شمار ہوگا اور اب شوہر یا ورثہ شوہر عورت یا اسکے ورثہ سے واپس نہیں لے سکتے درمختار میں ہے۔ زید علی ما سمی فانہا تلزمہ بشرط قبولہا فی المجلس او قبول ولی الصغیرۃ ومعرفۃ قدرہا وبقاء الزوجیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مسئولہ منشی محمد حسین خان محلہ گلاب نگر بریلی ۱۸ رجادی الاولیٰ سنہ ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا انتقال ہوا جس نے ورثا میں شوہر دو لڑکیاں اور ایک ہمشیرہ چھوڑی ان ورثار کو کتنا کتنا جائداد میں سے حق پہنچتا ہے ؟

الجواب:- حسب شرائط فرائض ترکہ اس عورت کا بارہ سہام پر منقسم ہو کر چار چار سہام دونوں لڑکیوں کو اور تین شوہر کو اور ایک ہمشیرہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مرسلہ محمد جمیل اختر موضع شہباز پور۔ پورنیاں ضلع مظفر پور ۱۱ رجادی الآخرہ سنہ ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں حامی حمایت دین و مفتی شرع متین اس مسئلہ میں کہ امیر الدین کا انتقال ہوا اور انکا پیشہ پیری مریدی کا تھا اس نے اپنے زوجہ منکوحہ بیوی جوشن بیگم اور ایک بھائی بشارت کریم کو چھوڑا ترکہ تقسیم نہونے پایا تھا کہ جوشن بیگم نے لوگوں کی رائے سے بشارت کریم کو اپنے شوہر کی جگہ گدی نشین بنایا اور بشارت کریم کا انتقال ہوا اس نے اپنی زوجہ منکوحہ خاتون جنت اور ایک لڑکی بالوں بیگم چھوڑا اب یہ دونوں مسمات یعنی خاتون جنت و جوشن بیگم چاہتی ہیں بشارت کریم کے داماد محمد جمیل اختر کو انکی جگہ گدی نشین بنائے اور تمام میریدان کی یہی رائے ہے کہ جس کو مسماۃ چاہیں انکی جگہ قائم مقام بنائیں ہملوگ بیعت حاصل کریں گے حالانکہ نہ امیر الدین نے کسی کو اجازت دی تھی اور نہ بشارت کریم نے کسی کو اجازت دی اور نہ محمد جمیل اختر ان دونوں صاحب سے کسی کے مرید ہیں، اب بشارت کریم کے سالے یہ چاہتے ہیں کہ میں اس گدی پر بیٹھوں حالانکہ نہ انکو اجازت ہے اور نہ یہ مریدوں میں ہیں ہیں انکے روئے شریعت کسی کو اس گدی پر بیٹھایا جائے یا نہیں اور اگر بیٹھایا جائے تو کس کو اور کون مستحق ہے

اوران کے مال سے کس کو کتنا ملے گا؟

الجواب: پیری اور مشیخت کوئی مال و ترکہ نہیں جو مرنے کے بعد وارثوں پر تقسیم ہو نہ وہ شخص سجادۂ مشیخت پر بیٹھ سکتا ہے جو مجاز و ماذون نہ ہو۔ محمد جمیل اختر اور بشارت کریم کے سالے دونوں اسکے حق دار نہیں۔ بلکہ بشارت کریم یا امیرالدین کے خلفاء میں جو سب سے زیادہ اس منصب کا اہل ہو اسے مقرر کریں، اگرچہ وہ نسباً اس خاندان سے نہ ہو۔ ورثہ کی پوری تفصیل معلوم ہونے سے مال کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ سوال میں یہی تین عورتیں بتائی گئیں کوئی عصبہ بشارت کریم کا موجود ہے یا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از بنارس محلہ مدنپورہ مرسلہ حافظ حکیم محمد شفیع صاحب شاغل ربیع الآخر ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید مقروض نے انتقال کیا صرف جائداد و اسباب خانگی چھوڑ کر جس کو کہ دو پسر و تین دختران، و یک زوجہ جملہ شرکا ہستہ حقیقی ہیں بعدہ ہر دو برادران حقیقی بکر و عمرو نے بعد انتقال پدر خاص کے باہمی شریک حال رہے۔ بفضلہ تعالٰی زر و جائداد پیدا کیا نیز بکر لاولد کارکن انتقال کر گیا، جسکو عمرو موصوف و تین ہمشیرگان ہیں منکوحات و مادر حقیقی موجود ہیں پس تحقیق طلب امر ضروری یہ کہ بکر و عمرو کے حقوق نصفاً نصف تقسیم ہو کر بقیہ بکر متوفی میں عصبہ کل شرکار کے تقسیم ہونگے یا کل میں از روئے شریعت محمدیہ و ملت حنفیہ بالتفصیل والسہام حکم فرمایا جاوے؟

الجواب: حسب شرائط فرائض ترکہ زید بعد ادائی دیون آٹھ سہام پر تقسیم ہو کر ایک زوجہ اور ایک ایک تینوں لڑکیوں اور دو دو سہام دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور بکر و عمرو اگر دونوں شرکت میں کام کرتے تھے تو دونوں آمدنی میں برابر کے شریک قرار پائیں گے اگرچہ کام برابر نہ کرتے ہوں اور بعد انتقال بکر اسکے حصہ کو شرکار پر تقسیم کریں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ شعبان ۴۳ھ

مسئلہ: از بریلی محلہ سوداگران مرسلہ سید قناعت علی صاحب امین جماعت رضائے مصطفٰی

جو یہ کہتا ہے ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے مال میں سے لڑکیوں کو حصہ یعنی ترکہ نہ دیا جاوے

اس لئے کہ اسکا ہمارے یہاں رواج نہیں اور وہ رواج پر عمل کرتا ہے وہ اللہ و رسول کے نزدیک مسلمان ہے یا نہیں ؟

الجواب :- بیشک لڑکیوں کا حصہ نص قطعی قرآن مجید سے ثابت جو اس حکم سے انکار کرے یقیناً کافر ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف۔ اور اگر اس حکم کو حق مانتا ہے مگر شامت نفس سے اس پر عمل نہیں کرتا تو گنہگار فاسق فاجر ہے، فرض ہے کہ توبہ کرے اور اگر رسم ورواج کو حکم شرع پر مقدم رکھتا ہے اور رسم کو ترجیح دیتا ہے تو یہ بھی کفر ہے فتاوی عالمگیری میں ہے اذا قال الرجل لغیرہ حکم الشرع فی ھذہ الحادثۃ کذا فقال ذلک الغیر من برسم کار می کنم نہ بشرع یکفر عند بعض المشائخ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از نصیر آباد راجپوتانہ محلہ دودھیا مرسلہ ڈاکٹر شیخ عمرو ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں میں خواہ وہ کسی فرقہ اور اعتقاد کا ہو لڑکا گود لینا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں اور وہ صلبی بیٹے کی طرح ورثہ پانے کا حق دار ہے یا نہیں ؟

الجواب :- تبنی کرنا یعنی لڑکا گود لینا شرعاً منع نہیں مگر وہ لڑکا اسکا لڑکا نہ ہوگا بلکہ اپنے باپ ہی کا کہلائیگا اور وہ اپنے باپ کا ترکہ پائیگا، گود لینے والے کا نہ یہ بیٹا ہے نہ اس حیثیت سے اوسکا وارث ہاں اگر وارث ہونیکی بھی اوسمیں حیثیت موجود ہے مثلاً بھتیجے کو گود لیا تو یہ وارث ہو سکتا ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے بیٹے نہیں یہ تمہارے منہ کی بات ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کرکے بلاؤ یہی اللہ کے نزدیک ٹھیک بات ہے

اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور مولی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از اندور کچی مسجد رانی پورہ معرفت محمد عبداللہ پیش امام مرسلہ رحمت بی بی یکم جمادی الاولٰی ۱۳۴۴ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع مبین مسائل ذیل ہیں۔

زید متوفی کے دو بیوی اور ایک بھائی عینی پسماندگان میں سے موجود ہیں اس وقت ہر ایک کو جائداد متروکہ میں سے از روئے شرع شریف کتنا کتنا لگنا چاہیئے۔ بینوا توجروا

الجواب: حسب شرائط فرائض اگر زید کے وارث صرف یہی ہیں تو دین وغیرہ امور متقدمہ کے بعد ترکہ زید کا آٹھ سہام پر منقسم ہو کر ایک ایک سہام دونوں عورتوں کو اور چھ سہام بھائی کو ملیں گے قال اللہ تعالٰی ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مرسلہ سید سرکار علی مراد آباد محلہ اصالت پورہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ جعفری بیگم کا انتقال ہوا ایک شوہر ارشاد حسین اور ایک دختر صابرہ بالغ ایک پسر باسط حسین نابالغ وارث چھوڑے ترکہ میں ایک مکان پختہ ایک دوکان جو ارشاد حسین نے مبلغ ؏ کی فروخت کر دی، اور کچھ زیور و برتن لڑکی کو ارشاد حسین نے کچھ نہیں دیا۔ ؏ کا زیور بنا کر اور کچھ متوفی کا زیور چڑھا کر مسماۃ اصغری بیگم سے شادی کر لی۔ مسماۃ اصغری کا بھی انتقال ہو گیا۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اب تیسری شادی مسماۃ قیوما سے کی۔ بروقت نکاح کوئی زیور ارشاد حسین نے نہیں چڑھایا بعد نکاح گھر لا کر وہی ؏ کا زیور اور باقی متوفی جعفری بیگم کا زیور پہنا دیا۔ اب ارشاد حسین کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا ذیل کی باتیں دریافت طلب ہیں

(۱) اس زیور کی مالک قیوما ہے۔ یا صابرہ و باسط حسین۔ (۲) مکان جو جعفری بیگم کو بذریعہ ترکہ پدری ملا تھا۔ اس میں سے مسماۃ قیوما لے سکتی ہے یا نہیں۔ یا جو حصہ ارشاد حسین کا بعد انتقال جعفری ہوگا اس میں سے یا اس کو اس طرح طے کیا جاوے۔ کہ جو سامان مسماۃ قیوما

اپنے جہیز میں لائی اس کو دلایا جاوے۔ جو سامان اور مکان جعفری بیگم کا ہے۔ اس میں سے حصہ تہائی ارشاد حسین نکال کر صابرہ اور باسط حسین کو دلایا جاوے۔ باقی حصہ ارشاد حسین بقدر حصہ سب وارثان کو تقسیم کردیا جائے۔ اب ارشاد حسین کے یہ وارث ہیں۔ صابرہ دختر پسر باسط حسین پسر ساجد حسین نابالغ قاسم حسین نابالغ پسر قیومن زوجہ ؟

الجواب:- جعفری بیگم کے کل متروکہ مکان و دوکان و زیور وغیرہا بعد تجہیز و تکفین و ادائے دیون و اجراء وصیت جو کچھ بچا اس کے چار حصے کئے جائیں ایک شوہر ارشاد حسین اور ایک حصہ صابرہ کو اور دو حصے باسط حسین کو دیئے جائیں صابرہ اور باسط حسین کا حصہ جو ارشاد حسین نے تلف کردیا ارشاد حسین کے مال میں سے بقدر ان کے حصوں کے دلایا جائے اگر انکے حصے دینے کے بعد ارشاد حسین کا کچھ مال بچے۔ تو اسکے آٹھ حصے کئے جائیں ایک صابرہ کو اور ایک قیومن کو اور دو دو تینوں لڑکوں کو دیئے جاویں۔ جہیز جو قیومن لائی ہے اسکی مالک وہی ہے اس میں ارشاد حسین یا اسکے ورثہ کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم

مسئلہ ۴۶:- از غازیپور محلہ نورالدین پور مرسلہ محمد مطلوب۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

(۱) محمد خالد۔ محمد اسحاق۔ محمد ذکی۔ فاطمہ بی بی کے دادا کے بھائی کے پوتے ہیں۔ پوتی ہیں اور بیٹی ہیں اور پرپوتی ہیں (۲) محمد ہاشم محمد قاسم فاطمہ بی بی کے خالہ زاد بھائی اور خالہ زاد پھوپھو کے پوتے ہیں۔ (۳) فاطمہ بی بی کے شوہر نے فاطمہ بی بی کی زندگی میں ایک اور عقد کرلیا تھا۔ اور یہ بی بی ہمیشہ فاطمہ بی بی کے ساتھ فاطمہ بی بی کے مکان میں رہیں۔ فاطمہ بی بی کے شوہر کے انتقال کو پندرہ سولہ برس ہوتے ہیں۔ اور جو بعد نکاح فاطمہ بی بی تادم آخر فاطمہ بی بی کے مکان میں رہے۔ فاطمہ بی بی کے اولاد کا فاطمہ بی بی کے سامنے انتقال ہوگیا سوتیلی بیٹیاں موجود ہیں جن کو وہ اپنی بیٹیاں سمجھتی تھیں۔ اور تا زندگی انکی پرورش اور انکی تربیت میں مشغول رہیں۔ یہ یتیم لڑکیاں جو ابھی کمسن اور ناکتخدا ہیں۔ اپنی ماں کے ساتھ ابتدائے پیدائش سے اس مکان میں رہیں۔ اور مسرت سے شریفانہ زندگی بسر کرتی ہیں

۴۔ فاطمہ بی بی کا ترکہ وہی ایک مکان مسکونہ ہے۔ جس کو لڑکیوں کے نام بارہا متعدد شخصوں کے سامنے ہبہ زبانی کرچکی ہیں، ۵۔ یہ مکان فاطمہ کو آبائی ترکہ میں نہیں ملا ہے بلکہ نانہالی ترکہ میں ملا ہے۔ یعنی یہ مکان غلام رسول خاں کا ہے۔

لہذا کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ بی بی نے انتقال کیا اور اپنے دادا کے بھائیوں اور خالہ زاد بھوپھیرے بھتیجوں کو اور اپنے شوہر کی دوسری بی بی اور سوتیلی لڑکیوں کو چھوڑا۔ اور چونکہ ترکہ صرف ایک قطعہ مکان مسکونہ نانہالی فاطمہ بی بی ہے، جس میں انکے شوہر کی دوسری بی بی عقد کے بعد سے اور سوتیلی لڑکیاں ابتدائے پیدائش سے اسی مکان میں رہتی چلی آئی ہیں۔ اور اب تک اس میں مقیم ہیں۔ اور فاطمہ بی بی تازندگی انکی تربیت اور پرورش میں مشغول رہیں۔ لیکن بعد وفات فاطمہ بی بی متذکرہ بالا شرکاران یتیم اور لاوارث لڑکیوں کو اور انکی بیوہ ماں کو اس مکان مسکونہ سے بے دخلی کرنا چاہتے ہیں۔ تو شرع شریف کی رو سے اس مسئلہ کی اچھی طرح توضیح کی جائے کہ مکان متنازع فیہ کی مالک بلحاظ امور متذکرہ بالا یہ بی بی اور لڑکیاں ہیں یا نہیں؟ بر تقدیر شق ثانی کس وارث کو کتنا ملے گا؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ اگر وہ مکان شرعی طور پر ہبہ کردیا ہو مثلاً ہبہ کرنے سے پہلے اوس کے دو حصے کرکے ایک ایک حصہ ہر ایک لڑکی کو دے دیا ہو مثلاً مکان کا یہ قطعہ فلانی کو اور یہ قطعہ فلانی کو۔ اور قبضہ بھی دلادیا ہو۔ تو یہ ہبہ صحیح تام نافذ ہے، ان لڑکیوں کے علاوہ اس پر کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اور اس ہبہ کو واپس بھی نہیں کیا جاسکتا کہ موت واہبہ مانع رجوع ہے۔ یوں ہی اگر وہ مکان نہایت چھوٹا ہو کہ قابل قسمت نہ ہو جب تو تقسیم کی بھی حاجت نہیں کہ ایسی شئی میں شیوع مانع ہبہ نہیں اور اگر مکان قابل قسمت تھا اور بغیر تقسیم ہبہ کردیا تو اگرچہ یہ ہبہ فاسد ہے مگر بعد قبضہ مفید ملک ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے۔ هبة المشاع فيما لا يحتمل القسمة تجوز من الشريك ومن الاجنبي نیز اسی میں ہے هبة المشاع فيما يحتمل القسمة

من رجلین او من جماعۃ صحیحۃ عندھما و فاسدۃ عند الامام ولیست بباطلۃ حتی تفید الملك بالقبض کذا فی جواھر الاخلاطی اور اگر وہ لڑکیاں وقت ہبہ غنی نہ ہوں تو بہرحال جائز ہے مشاع ہو یا منقسم، عالمگیری میں ہے ولو وھب من اثنین ان کانا فقیرین یجوز بالاجماع اور ہبہ زبانی کافی ہے تحریر یا اسٹامپ کی کوئی ضرورت نہیں یوں ہی جس صورت میں تقسیم کی حاجت ہو اس کیلئے بھی اسکی ضرورت نہیں کہ کچہری سے تقسیم کرائی جائے نہ اس کی ضرورت کہ بیچ سے دیوار اوٹھائی جائے۔ فقط اتنا کافی ہے کہ یہاں سے یہاں تک اوسکا اور اتنا اسکا۔ رہا قبضہ اگر وہ لڑکیاں وقت ہبہ نابالغہ تھیں اور واہب کی پرورش میں تھیں تو قبضہ کی بھی احاجت نہیں کہ واہب کا قبضہ خود انھیں کا قبضہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وھبۃ الوالد لطفلہ تتم بالعقد ولا فرق فی ذالك فیما اذا کان فی یدہ او فی ید مودعہ بخلاف ما اذا کان فی ید الغاصب او فی ید المرتھن او فی ید المستاجر حیث لا تجوز الھبۃ لعدم قبضہ وکذا لو وھبتہ امہ وھو فی یدھا والاب میت ولیس لہ وصی وکذا کل من یعولہ کذا فی التبیین وھکذا فی الکافی۔ اور اگر ہبہ تمام نہ ہو تو یہ مکان فاطمہ بی بی کے دادا کے بھائی کے پوتوں کا ہے کہ وہ عصبہ ہیں اور باقی سب ذوی الارحام، اور عصبہ کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام محروم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱):۔ از گوالیار مرسلہ حافظ احسان اللہ خاں وکیل ہائی کورٹ محلہ ماہو گنج لشکر گوالیار یکم ذی الحجہ ۴۶ھ

کوئی ایسا پدر جو ضعیف العمر ہو۔ عورت ثانی رکھتا ہو مکمل طور پر پابند شرع نہ ہو اپنی ایسی اولاد کو جو کافی طور پر صوم و صلوٰۃ و احکام شریعہ کے پابند ہونیکے علاوہ حاجی ہونے کا فخر رکھتی ہو۔ محض اس خیال کو مدنظر رکھکر کہ ہمارے بعد ہماری موجودہ بی بی کی اولاد کلاً ترکہ کی مالک ہو تاکہ موجودہ بی بی خوش رہے عاق کر سکتا ہے اور ایسی عاق شرعاً جائز ہے۔

مسئلہ (۲):۔ عاق کیلئے عمر کی کیا معیاد ہے۔ کیا ۲۵ سال کی ایسی اولاد کو بھی عاق

کیا جاسکتا ہے جو خود صوفی صفت ہو اور اسکی اولاد کو مولوی ہونیکا اعزاز حاصل ہو ؟

مسئلہ (۳):۔ کیا اس اولاد کو عاق کیا جاسکتا ہے جسکی پرورش اسکی اوائل عمری یعنی چار سال کی عمر سے اسکے نانا نے کی ہو اور اس وقت سے موجودہ وقت تک اسکے پدر نے کوئی حق پدری ادا نہ کیا ہو۔ بلکہ کسی قسم کا تعلق نہ رکھا ہو و محض بخیال دور اندیشی و انتظام اپنی جدید اولاد کے ایسا عمل کرے ؟

مسئلہ (۴):۔ عاق کئے جانیکے اصلی اسباب کیا ہیں ؟

الجواب (۱):۔ عقوق والدین سخت گناہ ہے، یہ اون گناہوں میں ہے جنکو حدیث میں فرمایا کہ اجتنبوا السبع الموبقات اون سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنیوالے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ الاشراك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين الخ مگر عقوق کے یہ معنی نہیں کہ ماں باپ کہدیں کہ تو عاق ہے تو عاق ہو گیا۔ ورنہ نہیں۔ بلکہ عقوق کے معنی ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ خواہ وہ عاق کریں یا نکریں یعنی اگر ماں باپ کی نافرمانی کرے تو عاق ہے۔ اگرچہ والدین نے عاق نہ کیا ہو اور نافرمانی نکرے تو عاق نہیں۔ اگرچہ اونھوں نے کہدیا ہو کہ تو عاق ہے۔ لہذا جب یہ اولاد اپنے باپ کی مطیع و فرمابردار ہے تو عاق نہیں عنداللہ و عندالناس ہرگز مجرم نہیں اور بہرحال اگر یہ نافرمانی بھی ہو باپ نے عاق کر بھی دیا ہو۔ جب بھی تو اولاد ترکہ سے محروم نہ ہوگی اگرچہ عقوق کا گناہ کبیرہ اس کے سر پر ہوگا۔ اور اسکی وجہ سے عذاب شدید کا مستحق ہوگا۔ موانع ارث چار ہیں۔ ان میں عقوق نہیں لہذا ایسی اولاد اپنے باپ کا ترکہ پائیگی، اور اگر باپ کا مقصود عاق کرنے سے صرف یہی ہے کہ اولاد کو ترکہ سے محروم کردے تو اولاً یہ خیال خام ہے کہ ترکہ کی تقسیم کا حق والدین کو نہیں وہ اللہ عزوجل کا ایک حکم ہے۔ جس کو نہ والدین بدل سکیں نہ کوئی دوسرا۔ ثانیاً اس میراث سے محروم کرنیکا وبال خود باپ پر ہوگا۔ اگرچہ محروم ہوگا بھی نہیں، حدیث میں ہے۔ من حرم ميراث وارثه حرم الله ميراثه من الجنة جو وارث کو میراث سے محروم کرے۔ خدا اس کو جنت کی میراث سے محروم کرے گا۔ محروم کرنا

تو بڑی بات ہے اولاد میں عدل نہ کرنا، ایک کو ہبہ کرنا اور دوسرے بلاوجہ شرعی نہ دینا یہ ممنوع ہے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے انھیں ایک غلام دیا تھا۔ اور دوسری اولاد کو نہ دیا تھا اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اور فرمایا لا تشھدنی علی جور ظلم وجور پر مجھے گواہ نہ کرو۔ والد کو چاہیئے کہ تمام اولاد کیساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) :۔ عاق کیلئے نہ عمر کا کوئی معیار ہے، نہ حاجی وصوفی ومولوی ہونا اسکا مانع جب مکلف ہے اور والدین کی نافرمانی کرے عاق ہے۔ اگرچہ ۷۵ یا زیادہ کی عمر رکھتا ہو۔ واللہ اعلم

الجواب (۳) :۔ والد کا حق اولاد پر ہر حالت میں ہے۔ اگرچہ اس کے یہاں پرورش نہ ہوئی ہو اس نے کوئی کفالت نہ کی ہو۔ کہ اسکا حق والد ہونے کی وجہ سے ہے اور اسکی نافرمانی بہر حال ناجائز ہے، اور اگر اس نے حقوق اولاد کی مراعات نہ کی، جب بھی اولاد کو یہ جائز نہیں کہ اوسکی نافرمانی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴) :۔ جواب سوال اوّل سے اسکا جواب ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از چوری پٹی دیناجپور مرسلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ صاحب انصاری ۱۰ صفر المظفر ۱۳۴۸ھ

دادا کی زندگی میں باپ مرگیا تو کیا پوتے کا حصہ کچھ بھی اور کسی زمانہ میں نہیں ہوتا؟

الجواب :۔ دادا کی زندگی میں باپ مرگیا پھر دادا نے انتقال کیا اور کوئی بیٹا چھوڑا ہے تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا کہ جو کچھ ذوی الفروض سے بچے گا وہ بیٹا لے گا اور اگر دادا نے بیٹا نہیں چھوڑا ہے تو پوتا وارث ہے اور عصبات میں مقدم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ از شہر بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ جناب حاجی حشمت اللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ لال بی بی نے ایک مکان خام مالی روپیہ کا خریدا، بعد اسکے مسماۃ نے اسی مکان کی پختہ تعمیر کرایا۔ مالی ۳۵۰۰، پھر انتقال کیا اور شوہر حاجی حمید اللہ اور تین پسران محمد اسحٰق ومحمد ابراہیم وحاجی حشمت اللہ اور دو لڑکی مسماۃ ہاجرہ اور سائرہ کو چھوڑا، لہذا شرع شریف سے کتنا حصہ کس کو ملیگا؟ نیز شوہر

مذکورہ وعدہ کرتا ہے کہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کا باپ ہوں میرے ہوتے ہوئے کسی کا کچھ حصّہ نہیں ہوسکتا۔ لہذا یہ اسکا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ شوہر کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ اس مکان میں یہ سب شریک ہیں شوہر صرف ایک چہارم کا حقدار ہے باقی لڑکے اور لڑکیوں کا ہے، یعنی مسماۃ کی جائداد حسب شرائط فرائض ۳۲ سہام پر منقسم ہوگی۔ آٹھ سہام شوہر کو ملیں گے اور چھ چھ سہام ہر لڑکے کو اور تین تین لڑکیوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴ ۳۲ لال بی بی

زوج	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
حاجی حمید اللہ	محمد اسحاق	محمد ابراہیم	حشمت اللہ	ہاجرہ	سائرہ
۸	۶	۶	۶	۳	۳

مسئلہ:۔ از لکھنؤ محلہ تکیہ داتا شاہ مرسلہ سید محمد یوسف صاحب نگینہ ساز

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمودہ نے انتقال کیا اور اسکے انتقال سے تقریباً ایک ماہ قبل اسکے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو کچھ روز زندہ رہ کر گذر گئی، لہذا اب محمودہ کے اسباب جہیز اور مہر کے پانے کا مستحق کون ہوگا درآنحالیکہ محمودہ کے باپ، بھائی اور شوہر موجود ہیں، محمودہ کے شوہر کا یہ قول ہے کہ مرحومہ کو ہم سے ارادت تھی لہذا ہم اسکے مال کے مالک ہیں، حالانکہ مرحومہ نے اپنے شوہر سے بیعت نہیں کی جس کی مفصل کیفیت بزبانی محمودہ یہ ہے کہ اسکے شوہر نے اس سے خواہش ظاہر کی تم میری مرید ہو جاؤ اس وقت اس نے یہ کہکر ٹالدیا کہ پھر کبھی دیکھا جائیگا اسکے بعد وہ بحالت بیماری اپنے میکے چلی آئی یہاں جب اس سے سوال کیا گیا کہ تو مرید ہوگئیں تو جواب میں کہا ابھی نہیں پھر اسی بیماری میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اب کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت و طریقت اس صورت میں کہ آیا مرحومہ کے ورثاء شرعی محض مرحومہ کی ارادت بیعت پر اپنا حق شرعی

پانے سے محروم ہوجائیں گے، اور ایک پیرارادی محض ارادت پر تمام مال کا مالک ہوجائیگا
اس کے متعلق جو حکم شرعی ہو تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جہیز جو عورت کو اوسکے میکے سے ملتا ہے وہ عورت ہی کی ملک ہے۔ کذا فی ردالمحتار یوہیں چڑھاوے میں جو زیور سسرال سے آتے ہیں یا ڈال بری کے جوڑی یہ بھی عورت ہی کی ملک ہے، ہندوستان میں یہی رواج ہے کہ یہ چیزیں عاریت نہیں دیتے بلکہ عورت کو اوسکا مالک کردیتے ہیں۔ پس جبکہ محمودہ کے انتقال کے بعد اوسکی کوئی اولاد نہ تھی تو اوسکا کل متروکہ از کم جہیز و زیور ولباس اور دین مہر بعد تقدیم ماتقدم دو حصے پر منقسم ہوکر ایک حصہ اوسکے شوہر کو ملیگا اور ایک اسکے والد کو، شوہر کا یہ کہنا کہ وہ ہم سے بیعت ہونا چاہتی تھی لہٰذا ہم کل مال کے مالک ہیں، عجیب انوکھی بات ہے یہ تو فقط ارادہ تھا اگر بیعت ہو بھی جاتی جب بھی مالک نہ ہوتا، شاید اس نے یہ سمجھا کہ بیعت بیع سے ہے اور جب وہ میرے ہاتھ بک گئی تو میں اوسکا اور اوسکے تمام اموال کا مالک ہوگیا مگر یہ نہ سمجھا کہ حر اور حرہ کی بیع کب جائز ہے اور من اعتبد محررا کی وعید سے واقف نہیں ہے کہ حر کو لونڈی کا غلام بنانا کب جائز ہے حالانکہ یہ بیعت ایک معاہدہ ہے کہ پیر و مرید کے درمیان ہوتا ہے کہ پیر مرید کو خدا کا راستہ بتاتا ہے اور مرید پیر کے حکم پر چلتا ہے اور اسکی وجہ سے اگرچہ پیر کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے مگر پیر شرعی مولیٰ نہیں ہوتا نہ ورثہ شرعیہ کو محروم کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲ جمادی الآخرہ ۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو ہزار روپیہ میں تین شریک ہیں دو بھائی اور بہن، تو بہن کا کتنا روپیہ نکلتا ہے۔ اور اس دو ہزار روپیہ کا ایک مکان زید نے بنوایا ہے جسکا کرایہ سولہ روپیہ ماہوار آتا ہے اس کرایہ میں بہن کا کتنا حصہ نکلتا ہے؟

الجواب:۔ چار سو روپئے لڑکی کا حصہ ہے۔ اور آٹھ آٹھ سو دونوں لڑکوں کے اگر مکان تمام شرکاء کی اجازت سے بنا تو ہر ایک شریک اپنے حصہ کے مطابق کرایہ کا

مستحق ہے۔ یعنی لڑکی تین روپیہ ۲ ۲ ۲/۵ پائے اور ہر ایک لڑکا ۶ روپیہ ۴، ۶ ۴/۵ پائے ماہوار کرایہ کا مستحق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از نصیر آباد ضلع مشرقی خاندیس احاطہ بمبئی مرسلہ جناب قاضی سید مظہر علی صاحب ۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

ایک محروم الوراثت نے قرابت والوں کا دباؤ ڈالکر ورثہ سے ترکہ میں حصہ لے لیا۔ کچھ زمانے کے بعد اگر ورثہ کو اس حصہ کے واپس لینے کا موقع ملے تو واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس نے جبراً حصہ لے لیا ہے تو واپس لے سکتے ہیں شرعاً جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از ریاست بھاولپور دربار معلی حضرت سجادہ نشین چاچڑاں شریف مرسلہ مولانا مولوی سراج احمد صاحب ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ مسمی حیا تو فوت ہو کر ایک زوجہ مسماۃ جانو ایک اخ عینی مسمی کھوتہ ایک اخت عینیہ مسماۃ سبھل اور دو ابناء الاخ مسمیان خدابخش و بخت علی وارث چھوڑے بعدہٗ کھوتہ فوت ہو کر ایک زوجہ حاملہ مسماۃ شاہل ایک بیٹی مسماۃ بچی ایک اخت عینی مسماۃ سبھل مذکورہ دو ابناء الاخ خدابخش و بخت علی وارث چھوڑے بعدہ مسماۃ جانو فوت ہو کر تین بیٹے بچو، شکرو، بلو۔ ایک بیٹی مسماۃ شہلان وارث چھوڑے مگر کھوتہ و جانو باہمی فیصلہ کرکے بغیر تقسیم متروکہ حیاتو پر قابض رہ کر کھاتے رہے۔ سبھل کو کچھ نہ دیا۔ اب سبھل کے تنازعہ پر مولوی نور حسن متروکہ حیاتو کو چار حصہ کرکے ایک حصہ جانو ایک حصہ سبھل دو کھوتا کو دینا لکھتا ہے۔ مناسخہ کرنا ضروری نہیں جانتا کہ جب تک حمل کی خبر نہ پڑے کھوتہ و جانو کی تقسیم بند رکھی جاوے گی۔ بعد تولد حمل کھوتہ کا علیحدہ مسئلہ اور جانو کا علیحدہ مسئلہ بنایا جاویگا۔ مناسخہ کرنا بے سود ہے۔ اور مولوی سراج احمد صاحب فتوی دیتا ہے کہ مناسخہ کرنا ضروری ہے تاکہ جو وہ متروکہ حیاتو ہے۔ ایک کھوتہ و جانو کو آتا ہے وہی حصہ انکے ورثہ پر تقسیم ہو ورنہ علیحدہ علیحدہ مسئلہ بنانے میں کھوتہ و جانو کا اپنا اپنا علیحدہ متروکہ سالم انکے ورثہ کیطرف منتقل ہوگا۔ انکے سہام از ترکہ حیاتو کا انتقال بغیر عمل مناسخہ نہیں ہوگا

یہی وجہ عمل مناسخہ لانے کا ہے۔ نیز مسئلہ حمل ابھی یعنی قبل تولد بناکر اسکا حصہ موقوفہ بمعہ تفصیل حصص اور وارث بشرائط مذکورہ نوشتہ مردہ تولد حمل لکھا جاوے صرف ایک ولد کا حصہ زائد اور باقی وارثوں کا حصہ اول موقوف رکھنے کا حکم مفتی بہ ہے۔ نہ یہ کہ سالم متروکہ موقوف رکھکر نفع حمل کیلئے دوسرے وارثوں کو ضرر دیا جاوے۔ ہاں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی کے نزدیک کہ جن وارثوں کا حصہ تعدد حمل سے متغیر نہ ہو۔ انکو دیگر باقی وارثوں کو نہ دیا جاوے تا انکشاف حمل یہاں زوجہ کھوتہ شامل غیر متغیر الفرض ہے کس بنا پر تا انکشاف حمل اسکو بھی اور اولاد جانو کو بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ اس لئے دونوں فتووں کی نقل مرسل خدمت کرکے تکلیف دی جاتی ہے کہ جو فتوٰی صحیح ہو اس پر کثیر علماء حاضرین کی نہ صرف تصدیق بلکہ پوری تقریظ لکھی جاوے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ کون مفتی عالم متبحر قابل استفتاء ہے، بینوا توجروا

نقل فتوٰی مولوی نور حسن۔ مسئلہ جیاتو

ابناء الاخ	اخت عینیہ	اخ عینی	زوجہ
خدا بخش، بخت علی	سبھل	کھوتہ	جانو
محروم	۱	۲	۱

شرعاً اس صورت میں کل متروکہ متوفی بعد ادائے حقوق مترتبہ سابقہ تجہیز میت و دَین علیہ و وصیت منہ بشرط عدم موانع ارث از قتل ورق واختلاف دین و دار نیز بشرط حصہ ورثہ باشخاص مرقومۃ الصدر اسی طریق پر منقسم ہوتا ہے۔ جیساکہ اس استخراج میں واضحاً عیاں ہے۔ انتہٰی

بعد تردید بعینہ یہی فتوٰی لکھکر جواب دیا کہ تا انکشاف حمل حصہ مال کھوتہ موقوف رکھا جاوے کہ مذکر پیدا ہوتا ہے یا مؤنث جو ہو پھر اسکے موجب اسکا مسئلہ بنایا جاویگا علیحدہ انتہی ملخصاً بحذف الکلمات التوہینیہ۔

نقل فتوٰی مولوی سراج احمد صاحب۔

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب:۔ چونکہ کتب فقہ و میراث میں طریق مناسخہ حمل صریحاً

ومثالاً نہیں لکھا اور مسئلہ مسئولہ میں جانو زوجہ جیا تو کھوتہ کے بعد فوت ہوئی ہے۔ اس لئے
محرر فتویٰ نے یہ سد سکندری دیکھکر نہ مسئلہ حمل بناکر مناسخہ حصہ کھوتہ کیا نہ مناسخہ حصہ جانو کیا بلکہ تا انکشاف حمل
بجائے موقوف رکھنے حصہ زائد حمل و حصہ اقل باقی وارثان کھوتہ کے جو مفتی بہ مذہب حنفیہ ہے
سالم حصہ کھوتہ و جانو از جیا تو کو تا انکشاف حمل موقوف کرکے اضرار ورثہ کی ایک غلطی اور بجائے
منتقل کرنے حصہ کھوتہ و جانو از ترکہ جیا تو بذریعہ مناسخہ کے ہر ایک کے سالم اپنے متروکہ کا انتقال
انکے وارثوں کے طرف بذریعہ علیحدہ علیحدہ مسئلہ بنانیکے دوسری غلطی کی۔ اور مسئلہ جیا تو میں کھوتہ
و جانو وارثان مردہ تک مسئلہ ختم کرکے انکا حصہ انکے وارثان کو نہ دیا تیسری غلطی ہے پس اصل
مسئلہ مسئولہ کا جواب صحیح یہ ہے کہ جب کسی وارث کا حصہ قبل از تقسیم میراث بنجادے تو عمل
مناسخہ کرنا ضروری ہے۔ اگر وارث مردہ کے علیحدہ علیحدہ مسئلہ بغیر عمل مناسخہ بنانے سے کام
چل سکتا تو وضع قواعد مناسخہ لغو ہوتی۔ اسیطرح وضع قواعد مسئلۃ الحمل سے بھی مقصود صرف
توقیف حصہ زائد حمل و حصہ اقل بقیہ ورثار کے ذریعہ دفع انتقار و اضرار بقیہ وارثان ہے۔
ورنہ حسب تحریر محرر کتب میراث میں فصل حمل لانا ضروری نہ تھا صرف یہ لکھدینا کافی تھا کہ
تا انکشاف حمل کسی وارث کو کچھ نہ دیا جاوے نہ مسئلہ بنایا جاوے۔ ہاں یہ امام شافعی کا
مذہب ہے مگر وہ یہ شرط کرتے ہیں کہ جس وارث کا حصہ تعدد حمل و عدم تعدد سے متغیر نہ ہو
جیسے ما نحن فیہ میں شاہل زوجہ کھوتہ ہے۔ تو اسکو ضرور حصہ دیکر باقی وارثوں کے تا انکشاف منتظر
رکھا جائے۔ یہاں بوجہ نکرنے مناسخہ کے حمل کی وجہ سے شاہل بجائے خود اولاد جانو بھی ظاہر
انتظار میں ڈالی جاکر حقیقۃً حصہ جانو از متروکہ جیا تو سے مطلقاً محروم کیے جاتے ہیں۔ افسوس
محرر خود تو نہیں سمجھا مگر سمجھانے سے بھی نہیں سمجھا الٹا خاکسار کی توہین و تضلیل کر رہا ہے
الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاہ بہ۔ اٰمین
شریفی فصل حمل میں ہے۔ وروی الخصاف عن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ یوقف
نصیب ابن واحد او بنت واحد ایھما اکثر ھذا ھو اصح و علیہ الفتوی و ذالک لان المعتاد الغالب

ان لا تلد المرأة فی بطن واحد الا ولدا واحدا فیتبنی علیہ الحکم ما لا یعلم خلافہ وذکر فی فتاوی اھل سمرقند ان الولادۃ ان کانت قریبۃ توقف القسمۃ لکان الحمل اذا لوعجلت لربما لغت بظھور الحمل علی خلاف ما قدر وان کانت بعیدۃ لم توقف اذ فیہ اضرار لباقی الورثۃ ولم یعین للقرب حد بل احیل علی العادۃ وقیل ما دون اشھر وفی واقعات الناطفی انہ تقسم الترکۃ ولا یعزل نصیب الحمل اذ لا یعلم ان ما فی البطن حمل ام لا وان ولدت تستانف القسمۃ وعند الشافعی انہ لا یدفع الی احد من الورثۃ شیئ الا من کان لہ فرض لا یتغیر بتعدد الحمل وعدم تعددہ فانہ یدفع الیہ فرضہ علی تقدیر العول ان تصور عول ویترک الباقی الی ان تنکشف الحال اھ ایضا باب مناسخہ میں ہے المناسخۃ ھی مفاعلۃ من النسخ بمعنی النقل والتحویل والمراد بھا ھھنا ان ینتقل نصیب بعض الورثۃ بموتہ قبل القسمۃ الی من یرث منہ والیہ اشار بقولہ ولو صار بعض الانصباء میراثا قبل القسمۃ اھ اگر محرر نے اس خیال پر جانو کا مناسخہ نکر کے علیحدہ مسئلہ بنانے پر کمر بستہ ہو کر وہ اپنا ربع کھوتہ سے فیصلہ کرکے تقسیمانے چکی ہے جو سوال اور بیان سائل سے باطل ہے۔ تو بغیر موجودگی ورضا شبھل کے انکی قسمت باہمی بغیر نکالے حصہ سبھل کے قسمت غیر شرعیہ باطلہ قابل فسخ ہے۔ پس جبکہ ایسی قسمت شرعاً لا قسمت ہوگئی تو بغیر مناسخہ چارہ نہ رہا درمختار باب قسمت میں ہے۔ وصحت برضاء الشرکاء والا اذا کان فیھم صغیر او مجنون لا نائب عنہ او غائب لا وکیل عنہ لعدم لزومھا حینئذ الا باجازۃ القاضی او الغائب والصبی اذا بلغ او ولیہ ھذا لو ورثۃ ولو شرکاء بطلت اھ ایضا بعد السطر وفی استحقاق بعض شائع فی الکل تفسخ اتفاقا اھ یہاں شامی میں ہے۔ قولہ ظھر دین فی الترکۃ المقسومۃ تفسخ القسمۃ الا اذا قضوہ ومثلہ لو ظھر موصی بالف مرسلۃ تفسخ الا اذا قضوہ لتعلق حق الدائن والموصی لہ مرسلا بالمالیۃ بخلاف ما اذا ظھر وارث اٰخر او موصی لہ بالثلث او الربع فقال الورثۃ نقضی حقہ ولا تفسخ القسمۃ لتعلق حقھما بعین الترکۃ فلا ینتقل الی مال اٰخر الا برضاھما کما فی النھایۃ اھ پس مناسخہ ما نحن فیہ

میں حسب ذیل کیا جاوے

مسئلہ ۴ ر ۴۸ ر ۳۳۶

زوجہ	اخ عینی	اخت عینیہ	ابناء الاخ
جانو	کھوتہ	سبھل	خدابخش بخت علی
۱/۱۲	۲	۱۲/۸۴	محروم

ثم مسئلہ ۲۴ تداخل — کھوتہ ر ۱/۲

زوجہ	حمل بالفرض	بنت	اخت عینیہ	ابناء الاخ
شابل	ابن	بچی	سبھل	خدابخش بخت علی
۳/۲۱	۱۴/۹۸	۷/۴۹	محروم	محروم

ثم مسئلہ ۲۴ تداخل — کھوتہ مصر ۱/۲

زوجہ	حمل بالفرض	بنت	اخت عینیہ	ابناء الاخ
شابل	بنت	بچی	سبھل	خدابخش بخت علی
۳/۲۱	۸/۵۶	۸/۵۶	۵/۳۵	محروم

ثم مسئلہ ۲۴ تداخل — کھوتہ مصر ۱/۲

زوجہ	حمل بالفرض	بنت	اخت عینیہ	ابناء الاخ
شابل	میت	بچی	سبھل	خدابخش بخت علی
۳/۲۱		۱۲/۸۴	۹/۶۳	محروم

ثم مسئلہ جانو ر ۱۲

ابن	ابن	ابن	بنت
بچو	پنو	شکرو	شہلان
۲/۲۴	۲/۲۴	۲/۲۴	۱/۱۲

الاحیاء

سبھل	شابل	بچی	حمل مذکر	بچو	پنو	شکرو	شہلان
۸۴	۲۱	۴۹	۹۸	۲۴	۲۴	۲۴	۱۲
بقیہ	بقیہ	بقیہ	مؤنث				
۲۵		۷	۵۶				
۶۳		۳۵	میت				

یعنی بعد اخراج خرچ متوسط تجہیز و تکفین و ادائے وصیت الی الثلث و دیون بشرط صدق السائل فی التبیین و عدم قتل الوارث للمورث و عدم ارتداد ہما بالتوہین و انکار ضروریات دین کل متروکہ جانو کو تین صد چھتیس سہام پر منقسم کرکے ہر ایک بچو پنو شکرو کو چوبیس[۲۴] چوبیس[۲۴] سہام اور شہلان کو بارہ سہم شابل کو اکیس[۲۱] سہم اور سبھل کو چوراسی[۸۴] سہم اور بچی کو بالفعل انچاس[۴۹] سہم اور حمل کیلئے اٹھانوے سہم امانت میں رکھے جاویں اور دیکھا جاوے اگر حمل مذکر زندہ پیدا ہو تو وہ سب سہم موقوفہ اسکو سالم دیدیا جائے۔ اور اگر حمل زندہ مؤنث پیدا ہو تو اس سہم موقوفہ اٹھانوے[۹۸] سے چھپن[۵۶] سہم حمل مؤنث کو اور سات سہم پھر بچی کو اور پینتیس[۳۵] سہم پھر سبھل کو دیدیا جاوے جسکا مجموعہ اٹھانوے[۹۸] ہے اور کل حصہ بچی کا چھپن[۵۶] برابر حصہ حمل مؤنث ہوگا اور کل حصہ سبھل کا انیس[۱۹] ہے اگر حمل مردہ جنا یتہ پیدا ہو تو اس سہم موقوفہ حمل (۹۸) سے پینتیس[۳۵] سہم بچی کو اور تریسٹھ[۶۳] سہم سبھل کو پھر دی جاوے

جنکا مجموعہ اٹھانوے ہے اب کل حصہ سابقہ و لاحقہ یکی چوراسی سہم اور سبھل کا (۱۴۷) سہم ہوگا
ھٰذا ماعندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط

الجواب :۔ یہ جواب کہ تا انکشاف حمل کھوتہ کا حصہ موقوف رکھا جائے صحیح نہیں حمل تو اب بھی منکشف و ظاہر ہے انکشاف پر موقوف رکھنے کے کیا معنیٰ۔ اور اگر ہنوز حمل منکشف نہیں ہے شبہ ہے کہ حمل ہے یا نہیں جب بھی کھوتہ کا حصہ موقوف نہیں رکھا جائیگا۔ ردالمحتار میں ہے ولو لم یعلم ان مافی البطن حمل اولا لم یوقف فان ولدت تستانف القسمۃ۔ غالباً انکشاف حمل کے معنیٰ وضع حمل کے ہیں مگر جواب اب بھی صحیح نہیں کہ جس وارث کے حصہ میں حمل کیوجہ سے تغیر بھی نہیں ہوتا مثلاً صورت مسئولہ میں زوجہ کہ حمل ذکر ہو یا انثیٰ زوجہ کو بہر حال ثمن ہی ملے گا۔ وضع حمل تک اوسکا حصہ کیوں موقوف رکھا جائیگا۔ بالجملہ جواب مولوی سراج احمد صاحب کا صحیح ہے کہ حمل کو ذکر یا انثیٰ فرض کرنے میں جس کا حصہ زیادہ ہو وہ موقوف رکھا جائے۔ اور باقی ورثہ کو اونکے حصص دیدیئے جائیں پھر بعد ولادت دیکھا جانے کہ وہی پیدا ہوا ہے جسکا حصہ محفوظ ہے تو مال محفوظ دیدیا جائے اور اگر اس کا حصہ محفوظ سے کم ہے تو اس کو دیکر مابقی مستحقین کو دیدیئے جائیں درمختار میں ہے ووقف للحمل حظ ابن واحد او بنت واحدۃ ایھما کان اکثر وعلیہ الفتوی لانہ الغالب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت لاولد فوت ہوگئی۔ اور اس نے زر مہر جو بوقت نکاح مقرر ہوا تھا نہیں بخشا ہے۔ ایسی صورت میں جو زیورات و سامان جہیز جو کہ اسکو والدین اور شوہر کیجانب سے پہنچا تھا اسکا کون وارث ہے آیا شوہر یا اس کے والدین۔ ؟

الجواب :۔ جہیز جو والدین کے یہاں سے عورت کو ملتا ہے اس کی مالک عورت ہی ہوتی ہے۔ یوہیں جو زیور چڑھاوے میں عورت کو دیے جاتے ہیں ان کے متعلق بھی

ہندوستان کا عرف عام یہی ہے کہ عورت کو مالک کر دیتے ہیں، محض پہننے کیلئے نہیں دیئے جاتے لہذا انکی مالک بھی وہی ہے اور جو زیور بعد میں شوہر دیتا ہے ان کے متعلق صراحۃً یا دلالۃً تملیک ہو تو عورت مالک ہے ورنہ یہ شوہر کی ملک قرار پائینگے۔ عورت کے مرنے کے بعد مہر و جہیز اور جو زیور اوسکی ملک ہیں وہ حسب فرائض عورت کے وارثوں کو ملیں گے۔ شوہر بھی اسکا وارث ہے اگر عورت کی کوئی اولاد ہے تو شوہر چہارم کا وارث ہے ورنہ نصف کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از ٹالیگنج کلکتہ بذریعہ محمد شکر اللہ خان قادری مرسلہ نجیب اللہ صاحب جمعدار ۶ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حسین خان مرحوم کی اولاد میں دو پوتے ہیں نجیب اللہ خان اور عبدالغفار خان اسوقت عبدالغفار خان کا ارادہ ہے کہ اپنی کل جائداد کو اپنی دختر کے لڑکے صفات اللہ خان کے نام لکھدیں حالانکہ عبدالغفار کے مرنیکے بعد اسکی جائداد کا مالک نجیب اللہ خان ہونگے البتہ عبدالغفار خاں کی لڑکی رابعہ بی بی مرحومہ کا حقِ دختری حصہ صفات اللہ خاں کو ملنے و پانے کا حق ہے اگر عبدالغفار نے اپنی کل جائداد اپنے نواسہ کو لکھدیا تو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ وارث کو میراث سے محروم کرنے کا ارادہ یا اسلئے کوئی فعل کرنا یعنی غیر وارث کو دیدینا بہت بُرا اور گناہ ہے حدیث میں ہے من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ مگر اپنی زندگی و صحت میں اگر اوسنے ہبہ کر دیا اور قبضہ بھی دلا دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگا ورثہ کو واپس لینے کا کوئی حق نہوگا۔ تقسیم فرائض مرنیکے بعد ہوتی ہے زندگی میں وہ خود مالک ہے اوسکی جائداد میں دوسرے کا حق نہیں نہ حصص شرعی پر تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو لڑکے ایک لڑکی چھوڑے اور جائداد منقولہ و غیر منقولہ یا صرف غیر منقولہ یا صرف منقولہ چھوڑے تو تقسیم اس کی کیونکر کیجائے۔ لڑکی کا ۵ آنہ اور لڑکے کا ۱۰ آنہ تو لڑکوں کو ۱۰ آنہ دیا جائے گا یا ۱۰ آنہ میں دونوں لڑکوں کو اور اگر لڑکی ایک سے زیادہ ہے تو اسی ۵ آنہ میں ان لڑکیوں کو دیا جائے یا ہر لڑکی کو ۵ - ۵ آنہ

دیا جائے جو کچھ ہو از روئے شرع شریف کے صاف صاف تحریر فرمایئے ؟

الجواب :- اگر وارث صرف یہی تین ہیں یعنی دو لڑکے اور ایک لڑکی تو کل متروکہ پانچ حصّے پر تقسیم کرکے ہر لڑکے کو دو دو حصّے دیئے جائیں اور لڑکی کو ایک حصّہ، یوہیں اگر لڑکے یا لڑکیاں زیادہ ہوں تو اس طرح تقسیم کریں کہ ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دونا ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از ہوڑہ بنیا پاڑہ سنترالین ۲ جی ٹرائن ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۵ھ مرسلہ جناب حکیم ابو محمد عبدالرزاق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بیوی زوجہ اولیٰ سے تین لڑکے محمد حنیف مرحوم و محمد حسین و محمد یوسف اور زوجہ ثانیہ سے دو لڑکے محمد شکور و محمد عاشق مرحوم مگر زید کے انتقال سے پہلے محمد حنیف و محمد عاشق انتقال کر گئے اسکے بعد زید نے انتقال کیا اور حسب ذیل وارث چھوڑے۔

ابن محمد یوسف، ابن محمد حسین، ابن محمد شکور۔ زوجہ اولیٰ۔ زوجہ ثانیہ۔

ابن الابن محمد حنیف مرحوم ابن الابن محمد حنیف مرحوم۔ بنت الابن محمد حنیف مرحوم۔ زوجہ محمد حنیف مرحوم

الجواب :- زید کا متروکہ ۴۸ سہام پر منقسم ہو کر تین تین سہام دونوں زوجہ کو اور چودہ چودہ سہام تینوں لڑکوں کو ملینگے محمد حنیف کے بیٹے اور بیٹی اور زوجہ سب محروم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ فدویان امیر بخش و چندا میراثی شہر بریلی محلہ براہمپورہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری پھوپھی مسماۃ نیازاً عمر تقریباً ستر سال اور نابینا تھیں، جس کو بریلی سے گئے ہوئے عرصہ نو ماہ کا ہوا۔ نہیں معلوم کہاں گئیں۔ لہذا مسماۃ مذکور کا ایک مکان محلہ براہمپورہ میں ہے اور کچھ روپیہ اور نقد ایک معزز صاحب کے پاس امانۃً موجود ہے۔ میں اور میرا چچا زاد برادر دونوں اسکے وارث ہیں لہذا ہم دونوں پر وریثہ کس طرح تقسیم ہوگا یا نہیں ؟ اور مسماۃ کا انتظار کب تک کیا جاوے ؟

الجواب :- جو شخص ایسا غائب ہو کہ اس کا پتہ نہ چلے اوسے مفقود کہتے ہیں اور اسکا حکم یہ ہے

کہ اوسکا مال اسوقت تک محفوظ رکھا جائے جبتک اوسکی موت معلوم نہ ہو، یا یہ کہ قاضی اوسکی موت کا حکم دیدے اور قاضی کب موت کا حکم دیگا اسمیں علماء کے مختلف اقوال ہیں مگر امام ابن ہمام نے جس قول کو اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اسکی عمر ستر سال کی ہوجائے رد المحتار میں فتح القدیر سے ہے

واختار ابن ھمام سبعین لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین فکانت المنتھی غالبا۔ اور چونکہ مسماۃ مذکورہ کی عمر تقریبا ستر سال کی ہے۔ لہٰذا اگر ثابت ہو کہ ستر سال کی عمر ہو چکی ہے تو حکم موت دیا جا سکتا ہے مگر یہ کام قاضی کا ہے اور یہاں ہندوستان میں قاضی نہیں یہ کام شہر کا سب میں بڑا عالم کر سکتا ہے کہ وہ ایسی صورتیں قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے اسکے پاس معاملہ کو پیش کیا جائے اگر وہ موت کا حکم دیدے تو جو کچھ مسماۃ کا مال ہے وہ صورت مسئولہ میں دونوں وارثوں میں حسب شرائط فرائض برابر برابر تقسیم کردیا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از الور محلہ نواب پورہ مسجد دائرہ برمکان حافظ اختر خاں مرسلہ زوجہ جرنل داؤد خان مرحوم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتی صاحبان شہر بریلی یوپی۔ ان سوالات کے بارےمیں

(۱) زید سرکاری ملازم ہونیکی وجہ سے لڑائی پر جانے لگا تو اس نے حسب ذیل مضمون کی ایک تحریر لکھکر چند گواہوں کی کرا کراس تحریر کو باقاعدہ رجسٹری کرادی اسکا مضمون یہ کہ میری دو بیٹیاں ہیں پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور تین لڑکیاں ہیں اس لڑکے کو ایک مکان دیتا ہوں، جسمیں اسکی والدہ بھی حقدار ہے رہی تین لڑکیاں انکو حق نقد دیدیا گیا ہے دوسری بیوی کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے ان چاروں کو دوسرا مکان دیتا ہوں جسمیں انکی ماں حقدار ہے۔ یہ بیوی اور چار لڑکے اس پہلی اور اسکے مکان میں کوئی حق نہیں رکھتے اور نہ وہ بیوی اس کا لڑکا اس دوسری بیوی کے اور لڑکوں کے مکان سے کوئی تعلق رکھیں گے اگر دونوں بیبیوں سے پھر اولاد ہو تو وہ اپنے اپنے ترکہ میں حصہ پادیگی یہ تحریر لکھکر جنگ کو چلا جاتا ہے کچھ عرصہ کے بعد زید واپس آتا ہے اور ستر ہ سال زندہ رہ کر انتقال کرجاتا ہے زید کی زندگی میں ہی اسکی پہلی بیوی کا

لڑکا ایک بیوی اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرجاتا ہے اور دوسری بیوی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں اور پیدا ہوتی ہیں گویا زید کے مرنے کے بعد دو بیویاں اور سات لڑکے اور چھ لڑکیاں زندہ موجود ہیں پہلی بیوی کی صرف تین لڑکیاں اور ایک اس کے مرحوم پسر کی بیوی اور ایک لڑکی موجود ہے دوسری بیوی کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں زندہ موجود ہیں ؟

(۲) یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ پہلی بیوی کا مہر پانچ صد روپیہ تھا دوسری بیوی کا ۳۲ روپیہ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ملاحظہ ہو بڑی بیوی کو جو مکان دیا وہ بارہ سو روپیہ کی لاگت کا تھا اور چھوٹی بیوی کو جو مکان دیا وہ سات ہزار کی لاگت کا ہے پس جبکہ شریعت کے مطابق شرعاً یہ حکم ہے کہ جب تم انصاف کرسکو تو ایک سے زائد چار تک نکاح کرسکتے ہو لیکن زید نے دونوں کے مابین انصاف نہیں کیا نہ تحریر میں لاگت جائداد تھی نہ تعین مہر اور لڑکیوں کے حق کی تفصیل کی پس ایسی تحریر زید کے جانب سے قابل التفات ہے یا نہیں حالانکہ چار لڑکیاں جنکو تحریر میں حق دینا لکھا ہے وہ قطعی انکاری ہیں ان لڑکیوں سے کسی نے وقت تصدیق تحریر مذکور دریافت نہیں کیا اور نہ اسکی تحریر میں کسی دیگر حقوق شرعی و جائداد منقولہ کا ذکر ہے تو کیا یہ تحریر وصیت نامہ کہی جائیگی یا ہبہ نامہ اور نیز سترہ سال تک جو زید نے کمایا اور اس جائداد کے علاوہ دیگر جائداد غیر منقولہ و منقولہ پیدا کرلی اسکا بھی فیصلہ شرعی نہیں تو پس اب ایسی صورت میں کون کون کتنے کتنے حصہ کا شرعاً حقدار ہے ؟

الجواب ۱-۲ :- تحریر مذکور ہبہ نامہ ہے اس کو وصیت سے کوئی تعلق نہیں اور چونکہ یہ ہبہ مشاع ہے کہ ایک مکان زوجۂ اولیٰ اور اسکے لڑکے کو دیا اور دوسرا زوجۂ ثانیہ اور اسکے لڑکوں کو دیا یعنی ہر ایک ہبہ میں موہوب لہٗ متعدد ہیں لہذا یہ ہبہ صحیح نہیں ۔ درمختار میں ہے ۔ وشرائط صحتها فی الموهوب انیکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول ۔ نیز اسی میں ہے ۔ لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وهبه شریکه اولاجنبی ۔ لہذا صورت مستفسرہ میں زید کی کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ سے اولاً تجہیز و تکفین ہوگی اوسکے بعد دین ادا کئے جائیں اور دونوں بیویوں کے مہر دیئے جائیں اگر معاف نہ کئے ہوں ۔ پھر جو کچھ بچے تین سو بیس ۳۲۰ سہام پر تقسیم کرکے ہر ایک

زوجہ کو بیس ۲۰ سہام ملینگے اور چودہ چودہ سہام ہر ایک لڑکی کو اور اٹھائیس اٹھائیس سہام ہر ایک لڑکے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مسئلہ:- مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب سلّمہ از میرٹھ

زید کے والد نے انتقال کیا جس کو تقریباً دس سال ہوئے۔ ترکہ کی تقسیم شرعی نہیں ہوئی تھی۔ اسکی دو بہنوں نے اور ایک بہن مرحومہ کی اولاد نے اپنے حصص شرعی ایک غیر شخص کے نام بیع کر دیے۔ اور زید کو اطلاع بھی نہیں دی اس بیع نامہ کو تقریباً ایک ماہ ہوا اور نہایت خفیہ طور پر یہ کاروائی کی گئی ہے۔ جو جائداد کہ ترکہ میں ورثہ کو ملی ہے۔ وہ مکانات ہیں ہر ایک مکانات میں چند اشخاص کا حصّہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کو حق شفعہ کا دعویٰ کرنا چاہیئے۔ یا اس پہ دعویٰ کرے کہ یہ بیع بدون اجازت سرکار ہوئی ہے لہٰذا ناجائز اگر حق شفعہ کا دعویٰ کرے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہے۔ یعنی کچہری میں کس طرح دعویٰ دائر کرنا چاہیئے۔ حق شفعہ کیلئے کیا شرائط ہیں اور کب تک شفعہ کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے اسکو عمل میں لانے کی کیا شکل ہے۔ ایک شفعہ کی نالش صرف اس بنا پر خارج ہوچکی ہے کہ جس وقت شفعہ کرنے والے کو بیع کا علم ہوا تھا وہ اسی وقت فوراً بیتاب ہو کر بائع کے پاس نہیں گیا بلکہ ۲۰ منٹ کے بعد گیا۔

اور اگر بیع کو ناجائز قرار دے تو اس کا دعویٰ کس طرح پیش کیا جائے مال مشترک میں ایک شریک بدون دوسرے کی اجازت کے بیع نہیں کرسکتا اگر شریک آخر کے نقصان کو مستلزم ہو اگر کردیا تو یہ بیع ناجائز ہے یعنی باطل یا قاضی اسکو ساقط قرار دے سکتا ہے۔ بہر کیف زید کو کیا کرنا چاہیئے اور ہر ایک صورت کو بالتفصیل بیان کیا جائے۔ برائے کرم جمعہ سے پیشتر جواب عنایت کردیا جائے ورنہ جمعہ تک تو ضرور آنا چاہیئے کتابوں کی عبادتیں بھی نقل کردی جائیں؟

الجواب:- کچہری کی کاروائیوں کو دکلاء سے دریافت کیا جائے وہ خوب جانتے ہیں۔ شرعی جواب یہ ہے مال مشترک کی بیع بلاشبہ جائز ہے اگر اس بیع سے شریک کو ضرر پہنچنے کا خیال ہو تو اسکے لئے حق شفعہ رکھا ہے اگر بیع بھی جائز نہ ہوتی تو اس صورت میں شفعہ کی کیا ضرورت ہوتی

ہدایہ میں ہے۔ الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ثم للجار۔ حق شفعہ ثابت ہونے کیلئے یہ ضرور ہے کہ جس وقت شفیع کو خبر ملی فوراً بلا تاخیر اپنی زبان سے شفیع ہونا ظاہر کرے اگر کچھ بھی توقف کرے گا شفعہ باطل ہوگا اسکو طلب مواثبت کہتے ہیں،

ہدایہ میں ہے اعلم ان الطلب علی ثلاثۃ اوجہ طلب المواثبۃ وھو ان یطلبھا کما علم حتی لو بلغ الشفیع البیع ولم یطلب شفعۃ بطلت الشفعۃ۔ اس کے بعد طلب تقریر واشہاد کرے کہ مبیع اگر بائع کے قبضے میں ہے تو اس کے پاس جاکر یا مشتری کے پاس جاکر یا خود اس مبیع کے پاس جاکر گواہوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ تونے یا فلاں نے اس مکان کو خریدا ہے میں اس کا شفیع ہوں اے حاضرین تم اسکے گواہ ہو جاؤ اس طلب میں اگر تاخیر ہو تو شفعہ ساقط نہو گا۔ سوم طلب خصومت ہے یعنی قاضی کے یہاں دعویٰ کرنا، تفصیلات کیلئے ہدایہ وغیرہ کی کتاب الشفعہ کا مطالعہ کیا جائے، واللہ اعلم

مسئلہ :۔ مرسلہ سلیم الدین ابن شیخ محمد بخش مرحوم گھوڑیا باغ ضلع علی گڈھ بتاریخ ۲۵ رجمادی الاولیٰ ۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو زوجہ چار لڑکے پہلی زوجہ سے اور دو لڑکے چار لڑکیاں دوسری زوجہ سے چھوڑا اور چار ہزار کی مالیت جس میں دو ہزار کی جائداد اور دو ہزار کا کاروبار تیار چھوڑے زوجہ اولیٰ اور زوجہ ثانیہ اور اسکی اولاد نے بالاتفاق باہمی تقسیم کرلی جائداد میں تین مکانوں میں بڑا مکان ایک ہزار کی مالیت کا زوجہ ثانیہ اور اسکی اولاد کے حصہ میں آیا اور دو مکان قیمتی ایک ہزار زوجہ اولیٰ اور اسکی اولاد کو ملا کارخانہ کی تقسیم میں زوجہ اولیٰ اور اسکی اولاد نے فریق ثانی کو مبلغ ایک ہزار روپیہ برضامندی فریق ثانی ادا کردیا گویا زوجہ اولیٰ کی اولاد کو ترکہ ایک ہزار کی مالکیت کے دو مکان اور ایک ہزار کی لاگت کا کاروبار پہنچا زوجہ اولیٰ کے بڑے لڑکے نے جو بالغ تھے اپنی والدہ اور صغیر السن بھائیوں کی کفالت کی اور کاروبار کو بھی اپنی محنت ومشقت سے بذریعہ تجارت اعلیٰ پیمانہ پر پہونچا دیا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زوجہ اولیٰ کی اولاد میں تقسیم حصص آیا مالیت متروکہ سے کیجائیگی یا اس آمدنی سے

جواب اس مالیت مال متروکہ سے بدرجہا زائد ہے اور اس ترکہ کو تجارت میں لگانے سے پیدا ہوئی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ یہاں دو صورتیں ہیں اگر بڑے لڑکے کے علاوہ دوسرے لڑکے بھی کاروبار میں شرکت کرتے تھے اگرچہ بڑا لڑکا زیادہ کام کرتا تھا اور زیادہ سمجھدار اور امور تجارت میں ماہر تھا۔ اگرچہ یہ شرکت مفاوضہ نہیں قرار پائے گی مگر یہ سب نفع میں برابر کے شریک ہیں۔ ردالمحتار میں ہے یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوھم ان احدھم یموت فتقوم اولادہ علی ترکتہ بلاقسمۃ ویعملون فیھا من حرث وزراعۃ وبیع وشراء واستدانۃ ونحو ذالک وتارۃ یکون ھوالذی یتولی مھماتھم ویعملون عندہ بامرہ وکل ذالک علی وجہ الاطلاق والتفویض لکن بلا تصریح بلفظ المفاوضۃ ولا بیان جمیع مقتضیاتھا مع کون الترکۃ اغلبھا اوکلھا عروض لا تصح فیھا شرکۃ العقد ولاان ھذہ لیست شرکۃ مفاوضۃ خلافا لما افتی بہ فی زماننا من لاخبرۃ لہ بل ھی شرکۃ ملک کما حررتہ فی تنقیح الحامدیۃ ثم رأیت التصریح بہ بعینہ فی فتاوی الحانوتی فاذا کان سعیھم واحدا لم یتمیز ما حصلہ کل واحد منھم بعملہ یکون ما جمعوا مشترکا بینھم بالسویۃ وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرۃ وصوابا کما افتی بہ فی الخیریۃ۔ اور اگر چھوٹے بھائیوں نے کام نہیں کیا ہے خرید وفروخت بڑا بھائی کرتا تھا مگر روپیہ سب کا تھا تو نفع کا مالک صرف بڑا بھائی ہے فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ لوتصرف احد الورثۃ فی الترکۃ المشترکۃ وربح فالربح للمتصرف وحدہ کذا فی الفتاویٰ الغیاثیہ۔ لہٰذا اگر صورت واقعہ یہ ہو تو اصل ترکہ میں جتنا حصہ ہر بھائی کیلئے ہوتا ہے اسکو ملے گا اور تجارت کے منافع بڑے بھائی کیلئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب محلہ اندر کوٹ میرٹھ ۲۵ محرم ۵۶ھ

مسئلہ (ہندہ / زوج / بنت) سوال یہ ہے کہ ایک سہم باقی ماندہ بتمامہ بنت پر رد کر دیا جائے ایکیا صورت ہوگی موجودہ زمانہ میں زوج وزوجہ پر رد کیا جائے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصل مذہب درروایت متون یہی ہے کہ زوجین پر رد نہ کی جائے مگر متاخرین

یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ بیت المال صحیح حالت پر زمانۂ سابق میں موجود تھا بعد فرض احد الزوجین مال بیت المال کا ہوتا ہے اور وہاں صحیح مصرف میں صرف ہوتا اور اس زمانہ میں بیت المال کی حالت خراب ہو چکی ہے۔ لہذا رد کیا جائے یہ وہاں کا حکم تھا کہ بیت المال تھا اگرچہ خراب حالت میں تھا یہاں ہندوستان میں اسکا وجود نہیں لہذا ناچار رد کرنا ہی ہے۔ متاخرین نے رد کرنے پر ہی فتویٰ دیا۔ رد المحتار میں ہے۔ وقال فی المستصفیٰ الفتویٰ الیوم بالرد علی الزوجین وھو قول المتاخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتویٰ الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحییٰ بن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام وظلم الحکام فی ھذہ الایام۔ متاخرین کا یہ فتویٰ اگرچہ بظاہر متون مذہب وظاہر الروایۃ کے خلاف ہے مگر ان کی تعلیل وتصریحات کو دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مخالفت حقیقۃً مخالفت نہیں بلکہ اسکی بنا اختلاف زمان ہے اور اسکی نظایر شرع میں کثیر ہیں کہ اختلاف زمان وعادات سے حکم مختلف ہوجاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں لایخفی ان المتون موضوعۃ لنقل ما ھو المذھب وھذہ المسئلۃ مما افتی بھا المتاخرون علی خلاف اصل المذھب للعلۃ المذکورۃ کما افتوا بنظیر ذلک فی مسئلۃ الاستیجار علی تعلیم القراٰن مخالفین لاصل المذھب لخشیۃ ضیاع القراٰن ولذلک نظایر ایضا وحیث ذکر الشارح الافتاء علی مسئالتنا فلیعمل بہ ولا سیما فی مثل زماننا انما یاخذہ من یسمی وکیل بیت المال ویصرفہ علی نفسہ وخدمہ ولا یصل منہ الی بیت المال شئی والحاصل ان کلام المتون انما ھو عند انتظام بیت المال وکلام الشرح عند عدم انتظامہ فلا معارضۃ بینھما فمن امکنہ الافتاء بذلک فی زماننا فلیفت بہ۔ لہذا حالاتِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے زوجین پر رد ہی حکم دینا چاہیئے رہی یہ بات کہ احد الزوجین پر رد ہر صورت میں ہے یعنی ان کے سوا دوسرا وارث ہو جب بھی یا صرف اسی صورت میں ہے کہ دوسرا وارث نہ ہو بظاہر کلمات متاخرین سے صورت اولیٰ ثابت ہوتی ہے کہ جب احد الزوجین پر رد کا حکم متاخرین نے دیدیا تو

توچاہے مَن یُردعلیہ ہو یا نہ ہو اس پر رد ہو گا مگر علماء نے جو علت بیان کی ہے وہ فساد بیت المال ہے لہذا جس صورت میں بیت المال میں دینے کا حکم تھا اسمیں احد الزوجین کو دیدیا جائے مگر جہاں مَن یُردعلیہ موجود ہے اور بیت المال میں دیا ہی نہیں جائے گا۔ ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ سے عدول کی کوئی وجہ نہیں لہذا اس صورت میں احد الزوجین پر رد نہ ہونا چاہیئے ردالمحتار کی عبارت منقولہ بالا میں محقق احمد بن یحییٰ تفتازانی کی عبارت کا بھی مقتضیٰ ہے وہ رد کی یہ شرط بتاتے ہیں اذا لم یکن من الاقارب سواھما اور روایت فقہیہ میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے پس من یرد علیہ کے ہوتے ہوئے احد الزوجین پر کیوں رد کیا جائے نیز ردالمحتار میں ایک دوسری عبارت بھی صاف اس پر دلالت کرتی ہے۔ وھی ھذہ فی المستصفیٰ والفتویٰ الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدم المستحق لعدم بیت المال اذ الظلمۃ لا یصرفونہ الی مصرفہ۔ پس صورت مسئولہ عنہا میں بنت کو تین سہام دئے جائیں اور ایک سہم زوج کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ مولوی مسعود الرحمٰن خانصاحب رئیس حبیب گنج ۱۲ ذی الحجہ ۶۰ھ

ایک شخص ولی محمد خان مرحوم کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے حسب ذیل قریبی رشتہ دار چھوڑے ہیں ان میں سے وارث کون کون ہوگا اور حصص وراثت کس طرح متعین ہونگے؟

ولی محمد خاں

بھتیجا حقیقی — ایک

بھتیجی حقیقی — چار

دوسرے یہ امر دریافت طلب ہے کہ متوفی مرحوم نے یہ وصیت کی ہے کہ ان کی قبر پختہ کردی جائے آیا یہ وصیت شریعت کے احکام کے مطابق ہے؟

الجواب:۔ ولی محمد خان کا وارث اس صورت مذکورہ میں صرف حقیقی بھتیجا ہے بھتیجیاں محروم ہیں اور متوفی نے قبر پختہ کرنے کی جو وصیت کی ہے یہ مختلف فیہ ہے کیوں کہ قبروں کو پختہ کرنے میں علماء مختلف ہیں جو لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کے طور پر یہ وصیت باطل ہے اور جو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک وصیت بھی صحیح ہے صحیح مسلک اس بات میں یہ ہے

کہ علماء ومشائخ کی قبور کو اوپر سے پختہ کرنا جائز ہے عوام کیلئے مکروہ لہذا اس وصیت کو ویسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ درمختار میں ہے اوصی ان یطین قبرہ او یضرب علیہ قبۃ فھی باطلۃ کما فی الخانیۃ وغیرھا وقدمناہ عن السراجیۃ وغیرھا لکن قدمنا فیھا فی الکراھیۃ انہ لایکرہ تطیین القبور فی المختار فینبغی ان یکون القول ببطلان الوصیۃ بالتطیین مبنیا علی القول بالکراھیۃ لانھا حینئذ وصیۃ بالمکروہ کذا قالہ المصنف فتاوٰی عالمگیری میں ہے واذا اوصی بان یطین قبرہ او یوضع علی قبر قبۃ فالوصیۃ باطلۃ الا ان یکون فی موضع یحتاج الی التطیین لخوف سبع ونحوہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: مرسلہ یاد علی صاحب وارثی از ہنداول ضلع بستی ۲۰ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ

زید اور زبیدہ عرصہ سے والدین اور بھائی بندوں سے علیحدہ رہتے تھے۔ دونوں زید وزبیدہ میاں بیوی تھے۔ کاروبار سب علیحدہ تھا اتفاقاً زید کا انتقال ہوگیا۔ اب زید کے والدین بھائی برادر زید کا جو کچھ روپیہ پیسہ تھا اس میں سے حصہ چاہتے ہیں ازروئے شریعت زید کے ترکہ کا کون وارث ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ زید کے متروکہ سے ایک چوتھائی اسکی بیوی زبیدہ کو ملے گی اور چھٹا حصہ اسکی ماں کو باقی اس کے باپ کو۔ اس کو یوں سمجھئے کہ زید کا ترکہ بارہ سہام پر تقسیم کیا جائے گا تین حصہ اس کی زوجہ زبیدہ کو اور دو حصے اسکی ماں کو اور باقی سات سہام اسکے باپ کو ملیں گے۔ اس صورت میں اس کے بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ یہ تقسیم ترکہ بعد اخراج اخراجات تجہیز وتکفین وبعد ادائے دین مہر وجملہ دیون کے ہوگی۔ اور اگر کوئی وصیت کی ہے تو وصیت بھی تقسیم ترکہ پر مقدم ہے جبکہ وہ اس کے مال کی تہائی تک ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

بسمہٖ وحمدہٖ تعالٰی

فہرست فتاویٰ امجدیہ سوم

کتاب الوقف

از صفحہ ۱ تا ۵۲

مکان وقف میں کسی قسم کا تصرف کرنا یا اسے نقصان پہونچانا جائز نہیں	۱۰
ایک وقف کی خاطر دوسرے وقف کو نقصان پہونچانا درست نہیں	؍
ہبہ صحیح و تام ہو تو موہوب لہٗ اسے وقف کرسکتا ہے	۱۱
کیا ایک مدرسہ پر وقف کیا ہوا روپیہ دوسرے مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے	۱۶
وقفی قبرستان میں مدرسہ کنواں وغیرہ بنانا جائز نہیں۔ اگر بنادیئے ہوں تو منہدم کردیا جائے	؍
توسیع مسجد کے لئے مصالح مسجد کی زمین بدلنا جائز ہے۔	۱۷
بلا وجہ جبراً وصول کیا ہوا روپیہ مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا	۱۸
قبر یا قبر کے آس پاس مسجد کی دیوار اٹھانا کیسا ہے ؟	۱۹
عیدگاہ کیلئے زمین وقف ہونے اور اس پر نماز پڑھ لینے کے بعد بالاتفاق وقف تام ولازم ہوگیا	؍
تغیر وقف حرام ہے	۲۰
وقفی عیدگاہ میں میت دفن کردے تو کیا حکم ہے ؟	؍
وقفی قبرستان میں اپنے لئے۔ یا قبرستان کیلئے لگائے گئے درختوں کا کیا حکم ہے ؟	۲۱
مسجد سے وقف کی گئی زمین سے اگر مسجد کو فائدہ نہ ہو تو اسے مصالح مسجد کے لئے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟	۲۲
متولی اگر مال وقف میں خیانت کرے تو اسے معزول کرنا لازم ہے ۔	۲۴
مسجد یا اسکے متعلقہ کار آمد اشیاء کو بیچنا خریدنا جائز نہیں	۲۵
مسجد کا بیکار سامان بھی بغیر اذن قاضی فروخت نہیں کیا جاسکتا۔	؍
وقف کیلئے تحریر ضروری نہیں ۔ شہرت کافی ہے ۔	؍
وقف کی بیع باطل ہے ۔	؍

باب المسجد از صہ ۱۱۰ تا صہ ۱۵۰

کتاب البیوع از ص ۱۵۱ تا ص ۱۹۸

بیوع	صفحات
نوٹ کو کم وبیش پر نقد وادھار دونوں طرح بیچنا جائز ہے	۱۵۵
دخلی رہن ناجائز ہے	"
مکان مرہون کرایہ پر دینا ناجائز ہے	"
جب تک کسی مال کی نسبت بعینہٖ حرام ہونا معلوم نہ ہو اس کا لینا جائز ہے	۱۵۶
مال حرام سے مخلوط یا مشتبہ مال کا حکم	"
کافر حربی کا مال اسکی خوشی سے لینا جائز. خواہ وہ اس مال کو سود یا حرام سمجھے	۱۵۷
اگر فاسق، فاجر بعینہٖ حرام مال اجرت میں دے تو لینا ناجائز ورنہ جائز	"
مال حرام پر عقد ونقد جمع ہوں تو خریدی ہوئی شئی حرام ہے	"
مال حرام پر عقد ونقد جمع ہونے نہ ہونے کی صورت	"
احکام قطعیہ منصوصہ میں رد وبدل نہیں ہوسکتا۔ ہاں بعض احکام ظنیہ میں مصلحت یا ضرورت یا عموم بلوٰی وغیرہا سے تبدیلی ہوتی ہے	۱۵۹
تبدل زمان سے تغیر احکام کی چند مثالیں	۱۶۰
(۱) عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کا مسئلہ	"
(۲) جمعہ میں اضافہ اذان کا مسئلہ	۱۶۱
(۳) مساجد کی آرائش اور اس کی دیوار ودر کے نقش ونگار کا مسئلہ	۱۶۲
(۴) مساجد کیلئے کنگرے بنانے کا مسئلہ (۵) تعلیم علم دین وامامت واذان پر اجرت لینے کا مسئلہ	"
اسباب ستہ (ضرورت، حاجت وغیرہا) کے باعث بعض احکام میں تغیر صورۃً ہوتا ہے حقیقۃً نہیں (اصول)	۱۶۳
سود حرام قطعی ہے وہ ہمیشہ حرام رہے گا	۱۶۴
سود کی حرمت وشناعت پر ۱۹ حدیثوں کا ذکر	۱۶۵

صفحات	بیوع
۱۸۰	بیع سلم کی تعریف
۱۸۱	بیع میں ثمن کی تعیین ضروری ہے
"	بائع اپنی چیز کمی بیشی جس طرح چاہے بیچ سکتا ہے
"	نقد وادھار میں سے ایک صورت معین کر کے بیچنا ضروری ہے مجمل رکھنے کی صورت میں بیع فاسد ہوگی
۱۸۲	درخت میں جب تک پھل نہ آئے ہوں بیع نہیں ہو سکتی
"	درخت کے ناقابل انتفاع پھل کی بیع جائز۔ مگر چھوڑے رکھنے کی شرط فاسد ہے
"	ایسے بیع کے جواز کی ایک صورت
"	افیون کی بیع جائز ہے مگر ایسے شخص سے ممنوع جو ناجائز طور پر کھائے
۱۸۳	کتے کی بیع جائز ہے مگر اسکا پالنا مواقع ضرورت کے علاوہ ممنوع ہے
۱۸۴	درخت پر جب تک پھل نہ آجائیں بیع باطل ہے
"	درخت پر پھل آئے مگر ناپختہ ہیں تو بیع جائز مگر درخت پر لگے رہنے کی شرط مفسد بیع ہے
۱۸۵	اختلاف جنس کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے۔ مگر اتحاد جنس کی صورت میں ادھار سود و حرام
۱۸۶	ایسی شرط جو تقاضائے عقد کے خلاف ہو مفسد بیع ہے
۱۸۷	"جو آپ ثمن دیں گے منظور ہے" سے بیع نہیں ہو سکتی۔ کہ ثمن مجہول ہے
"	بیع سلم میں مدت مقرر نہ ہو تو بیع صحیح نہیں
۱۸۸	روپیہ قرض دیا۔ تو روپیہ ہی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مدیون اگر دائن کی رضامندی سے غلہ لینا چاہے تو وقت ادا کا نرخ معتبر ہوگا
"	عقد کو معلق بالشرط کرنے سے عقد سلم نہیں ہو سکتا
۱۹۰	زمین میں نام داماد کا درج ہے مگر خسر زمین کی ملکیت کا مدعی ہے تو ثبوت گواہوں سے ہوگا

باب القرض

کتاب الاضحیہ

از ص ۳۰۲ تا ص ۳۳۵

ختم شد

نوٹ

فقیر نے فہرست کی ترتیب میں جملہ مسائل کے احاطہ کی کوشش کی ہے۔ اگر کوئی اہم مسئلہ فہرست میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو تو براہ کرم آپ مجھے مطلع فرمائیں۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ دوسرے ایڈیشن میں اُسے شامل اشاعت کیا جائے گا۔

آل مصطفیٰ مصباحی

پیشکش:۔ نبیرۂ صدر الشریعہ حافظ قاری مصطفیٰ سرور اعظمی